ماہنامہ
حنا
مارچ 2013
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انشاء نامہ

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! مارچ 2013ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

گزشتہ دنوں ایک مرتبہ پھر کوئٹہ شہر بدترین دہشت گردی کا نشانہ بنا اور تقریباً نوے بے گناہ انسان لقمہ اجل بن گئے، دہشت گردی کے عفریت کے سامنے قانون نافذ کرنے والے ادارے بے بسی کی تصویر بنے ہوئے ہیں، حکمران سوائے تعزیتی بیانات کے کوئی اور کام نہیں کر رہے، لوگوں کا حکمرانوں پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے، ان کے نزدیک عوام کے جان و مال کی کوئی اہمیت نہیں ہے، انہیں تو اقیدار کی بندر بانٹ سے فرصت نہیں ان حالات میں سپریم کورٹ نے اس دہشت گردی کا سوموٹو نوٹس لے کر عوام کے زخموں پر مرہم رکھا ہے، امید ہے کہ اس کیس کی سماعت کے دوران ذمہ داروں کا تعین کیا جائے گا اور ان کو قرار واقعی سزا دی جائے گی اور عدالت حکومتی نا اہلی پر حکومت سے جواب طلبی بھی کرے گی، اس تخریب میں تعمیر کا پہلو یہ ہے کہ اس دھماکے نے پاکستانی قوم کو متحد کر دیا ہے، پوری قوم نے اس دھماکے کی مذمت کی ہے، جہاں جہاں بھی اس المناک سانحے پر احتجاج ہوا، وہاں تمام فرقوں کے لوگ اس میں شامل ہوئے اور متاثرین سے اظہار یکجہتی کیا، اس طرح دشمنوں کی پاکستانی قوم کو فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم کرنے کی سازش ناکام بنادی، اگر مفاہمت کا یہی جذبہ برقرار رہا تو انشاءاللہ ملک دشمنوں کی ہر سازش ناکام ہوگی۔

اس شمارے میں: اداکارہ آمنہ شیخ سے ملاقات، صبا احمد اور صبا جاوید کے مکمل ناول، شہناز رانا اور ثمینہ شیخ کے ناولٹ، سیمی کرن، عمارہ حامد، آبی ناز اور سباس گل کے افسانے، فوزیہ غزل اور اُم مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

زمیں تیری فلک تیرا، تو مالک ہے بہاروں کا
تری قدرت سے سارا سلسلہ ہے کھلتے پھولوں کا

جو تو چاہے تو شاخوں کو ملیں پتے نئی رت میں
جو تو چاہے تو اجڑا باغ مہکے پھر گلابوں کا

جو تو چاہے تو مٹی بھی بنے سونا زمانے میں
جو تو چاہے تو جاگ اٹھے مقدر تیرہ بختوں کا

جو تو چاہے تو قطرے کو کرے اک گوہر تاباں
جو تو چاہے عطا ہو مرتبہ ذروں کا تاروں کا

جو تو چاہے تو چشمہ ریگ زاروں سے نکل آئے
جو تو چاہے تو جاری سلسلہ ہو آبشاروں کا

جو تو چاہے تو بھر جائے مری امید کا دامن
جو تو چاہے تو ہو آباد میرا شہر خوابوں کا

یہ کون طائر سدرہ سے ہم کلام آیا
جہان خاک کو پھر عرش کا سلام آیا
جبیں بھی سجدہ طلب ہے یہ کیا مقام آیا
زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

خط جبیں ترا ام الکتاب کی تفسیر
کہاں سے لاؤں ترا مثل اور تیری نظیر
دکھاؤں پیکر الفاظ میں تری تصویر
مثال یہ میری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

کہاں وہ پیکر نوری، کہاں قبائے غزل
کہاں وہ عرش مکیں اور کہاں نوائے غزل
کہاں وہ جلوۂ معنی، کہاں ردائے غزل
بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لئے

سید اختر ناز

نبی الرحمت ﷺ کے معمولات یومیہ بعد فجر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز فجر پڑھ کر تسبیحات ذکر کے بعد مسجد ہی میں جاء نماز پر آلتی پالتی مار کر دو زانو بیٹھ جاتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما پروانہ وار پاس آ کر بیٹھ جاتے، یعنی یہی دربار نبوت تھا، یہی حلقہ توجیہ تھا، یہی درسگاہ ہوتی تھی، یہی محفل احباب بنتی تھی، یہیں آپ نزول شدہ وحی سے صحابہ کو مطلع فرماتے تھے، یہیں آپ فیوض باطنی اور برکات روحانی کی بارش ان پر فرماتے، یہیں آپ دین کے مسائل، معاشرت کے طریقے، معاملات کے ضابطے، اخلاق کی باریکیاں ان کو تعلیم فرماتے، لوگوں کے آپس کے معاملات اور مقدمات فیصل فرماتے۔

اکثر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے، آپ خواب سنتے اور اس کی تعبیر فرماتے، کبھی آپ خود ہی فرماتے کہ آج میں نے یہ خواب دیکھا ہے پھر خود ہی اس کی تعبیر بیان فرما دیتے، پھر بعد میں آپؐ نے یہ معمول ترک فرما دیا تھا۔ (مدارج النبوہ)

کبھی صحابہ کرام اثنائے گفتگو میں ادب کے ساتھ جاہلیت کے قصے بیان کرتے، قصیدے اور اشعار سناتے یا مزاح کی باتیں کرتے، آپؐ سنتے رہتے کبھی ان پر مسکرا بھی دیتے، اس کے بعد آپ اشراق کی نوافل پڑھتے۔

اکثر اسی وقت مال غنیمت یا لوگوں کے وظیفے تقسیم فرماتے۔

جب آفتاب نکل کر دن خوب چڑھ جاتا تو آپ صلوۃ الضحیٰ (چاشت) کی نفلیں کبھی چار کبھی آٹھ رکعت پڑھ کر مجلس برخاست فرماتے اور جن بی بی کی باری اس دن ہوتی ان کے گھر تشریف لے جاتے، وہاں گھر کے کاموں میں لگے رہتے، اکثر گھر کے مختلف کام خود ہی انجام دیتے، دن میں صرف ایک بار کھانا تناول فرماتے، دوپہر میں آرام فرماتے۔ (سیرۃ النبی)

بعد ظہر

نماز ظہر با جماعت پڑھ کر مدینہ کے بازاروں میں گشت لگاتے، دکانداروں کا معائنہ و احتساب فرماتے، ان کا مال ملاحظہ فرماتے، ان کے مال کی اچھائی برائی جانچتے، ان کے ناپ تول کی نگرانی فرماتے کہ کہیں کم تو نہیں تولتے، بستی اور بازاروں میں کوئی حاجت مند ہوتا تو اس کی حاجت فرماتے۔

بعد عصر

نماز عصر باجماعت پڑھ کر ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے گھر تشریف لے جاتے، حال پوچھتے اور ذرا ذرا دیر ہر ایک کے یہاں ٹھہرتے اور یہ کام اتنی پابندی سے کرتے کہ ہر ایک کے یہاں مقررہ وقت پر پہنچتے اور سب کو معلوم تھا کہ آپؐ وقت کے بہت قدر شناس اور پابند ہیں۔

بعد مغرب

نماز مغرب باجماعت پڑھ کر اور نوافل اوابین سے فارغ ہو کر جن بی بی کی باری ہوتی، آپ شب گزارنے کے لئے وہیں ٹھہر جاتے، اکثر تمام ازواج مطہرات اسی گھر میں آ کر جمع ہوتیں، اس لئے کہ آپ اس وقت عورتوں کو دینی مسائل کی تعلیم فرماتے گویا یہ مدرسہ شبینہ اور مدرسہ نسواں قائم ہوتا جس میں انتہائی ادب اور پردہ کے ساتھ عورتیں علم دین، حسن معاشرت، حسن اخلاق کی باتیں اس معلم عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھتیں، اللہ کے رسول عورتوں کو (جن کی گودیں بچوں کی پہلی درسگاہ ہوتی ہیں) علم دین سے محروم اور تہذیب اسلامی سے نا آشنا نہیں رکھنا چاہتے تھے، یہیں عورتیں اپنے مقدمات پیش کرتیں، آپؐ ان کا فیصلہ فرماتے، وہ اپنی پریشانیاں، شکایتیں، مجبوریاں بیان کرتیں، آپ ان کو حل فرماتے، اگر کوئی بیعت ہونا چاہتی تو یہیں آپؐ ان کو بیعت فرماتے ان امور پر کہ۔

''اللہ کا شریک نہ بنائیں گی، چوری نہ کریں گی، بدکاری نہ کریں گی، اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی اور کسی پر بہتان نہیں لگائیں گی اور نیک کاموں میں رسولؐ کے طریقے کی خلاف ورزی نہ کریں گی۔''

آپ ان کو بیعت فرماتے اور ان کے لئے استغفار فرماتے، یہ مدرسہ نماز عشاء تک قائم رہتا، پھر آپؐ نماز عشاء کے لئے مسجد جاتے، عورتیں اپنے اپنے گھر واپس ہو جاتیں۔

بعد عشاء

نماز عشاء باجماعت پڑھ کر آپؐ اس شب کی قیام گاہ پر جا کر سو رہتے، عشاء کے بعد بات چیت کرنا آپ پسند نہ فرماتے، آپؐ ہمیشہ داہنی کروٹ سوتے، اکثر داہنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے، چہرہ انور قبلہ کی طرف کر کے مسواک اپنے سرہانے ضرور رکھ لیتے۔

سوتے وقت سورہ جمعہ، سورہ تغابن، سورہ صف کی تلاوت فرماتے پھر جب بیدار ہوتے، مسواک سے دانت صاف کرتے، وضو کرتے پھر تہجد کی نفلیں پڑھتے، کبھی نفل نماز کے سجدے میں دیر تک دعا مانگتے، پھر آرام فرماتے، جب فجر کی اذان ہوتی تو اٹھتے حجرہ شریف ہی میں دو رکعت سنت پڑھ کر وہیں داہنی کروٹ پر ذرا لیٹ جاتے، پھر مسجد میں تشریف لاتے اور باجماعت نماز فجر ادا فرماتے۔

یہ تھے آپؐ کے معمولات روزانہ۔

(اول تو پانچوں نمازیں خود ہی قدرتی طور پر وقت کی پابندی سکھاتی ہیں، تھوڑی دیر کے بعد اگلی نماز کا وقت آ کر مسلمان کو متنبہ کرتا ہے کہ اتنا وقت گزر گیا، اتنا باقی ہے، جو کچھ کام کرنا ہو کر لو، اس پابندی وقت کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت یہ تھی کہ اپنے ہر کام کے لئے وقت مقرر فرما لیتے اور اس کو پوری پابندی سے نباہتے تھے، اسی وجہ سے آپ بہت سے کام کر لیتے تھے، آپؐ نے کبھی وقت کی کمی اور تنگی کی شکایت نہیں کی۔)

(ماخوذ از سیرت النبیؐ مولفہ مولانا سید سلیمان ندوی)

دن کی سنتیں

صبح سویرے اٹھتے ہی ان سنتوں پر عمل کرنا شروع کر دیں۔

ا۔ نیند سے اٹھتے ہی دونوں ہاتھوں سے چہرے اور آنکھوں کو ملیں تا کہ نیند کا خمار دور ہو

ماہنامہ حنا 9 مارچ 2013

جائے۔(شمائل ترمذی)

۲۔ جاگنے کے بعد جب آنکھ کھلے تو تین بار الحمدللہ کہیں اور تین بار کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھیں۔

۳۔ الحمدللہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ نشور پڑھنا سنت ہے۔(شمائل ترمذی)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں مار کر زندگی بخشی اور ہم کو اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

جب بھی سو کر اٹھے تو مسواک کرنا چاہیے۔ (ابوداؤد)

استنجے وغیرہ کے لئے پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈبوئیں بلکہ پہلے دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھولیں تب پانی کے اندر ہاتھ ڈالیں۔(ترمذی)

اس کے بعد پھر رفع حاجت اور استنجے کے لئے جائیں، اس کے بعد اگر غسل کی حاجت ہو تو غسل کرو ورنہ وضو یا بصورت بیماری تیمم کر کے نماز پڑھیں، پھر سجدہ میں اول وقت جا کر نماز باجماعت ادا کریں۔

گھر سے باہر جانے کی دعا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جب کوئی آدمی اپنے گھر سے نکلے تو کہے۔''

بسم اللہ توکلت علی اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ترجمہ: میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسا ہے۔

کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں کامیابی اللہ ہی کے حکم سے ہوسکتی ہے، تو عالم غیب میں اس آدمی سے کہا جاتا ہے (یعنی فرشتے کہتے ہیں۔)

''اللہ کے بندے تیرا یہ عرض کرنا تیرے لئے کافی ہے، تجھے پوری رہنمائی مل گئی اور تیری حفاظت کا فیصلہ ہوگیا اور شیطان مایوس و نامراد ہو کر اس سے دور ہو جاتا ہے۔''

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، معارف الحدیث، حص حصین)

اور جب سنت فجر پڑھ کر اپنے گھر سے نماز فجر کے لئے نکلے تو اثنائے راہ میں یہ دعا پڑھے۔

اللھم اجعل فی قلبی نوراً اللھم اعطنی نوراً

(السنن لابی داؤد، بخاری و مسلم، عن ابن عباس، حصن حصین)

اشراق کی نماز

اگر کوئی عذر شرعی نہ ہو تو فجر کے نماز سے فارغ ہو کر اشراق تک ذکر الٰہی میں مشغول رہیں، اس میں اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ اس مسجد میں جس جگہ فرض پڑھے ہیں بیٹھے رہیں، اوسط درجہ یہ ہے کہ بیٹھ جائیں، ادنیٰ درجہ زبان سے ادا کرتے رہیں، جب آفتاب نکلنے کے بعد اس میں چمک آجائے، تقریباً آفتاب نکلنے کے پندرہ منٹ کے بعد دو رکعت نفل پڑھیں تو پورے ایک حج اور پورے عمرہ کا ثواب ملتا ہے، اس کو نماز اشراق کہتے ہیں۔

جو شخص اشراق کے وقت دو رکعت نفل پڑھے تو اس کے سب گناہ صغیرہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔(الترغیب والترہیب)

صبح کی دعا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔

''جو شخص صبح اس آیت کو پڑھتا ہے اس کی دن بھر کی چھوٹی ہوئی نیکیوں کا اس کو ثواب مل جاتا ہے اور جو شام کے وقت پڑھتا ہے اس کو رات بھر کی چھوٹی ہوئی نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔

فسبحن اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموت والارض وعشیا وحین تظھرون یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ویحی الارض بعد موتھا وکذالک تخرجون۔(حصن حصین)

ترجمہ: جس وقت تم لوگوں کو شام ہو اور جس وقت تم کو صبح ہو، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو اور آسمان و زمین میں وہی اللہ تعریف کے قابل ہے اور پھر تیسرے پہر اور جب تم لوگوں کو دوپہر ہو (اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو) وہی زندے کو زندے سے نکالتا ہے اور وہی زمین کو مرے پیچھے زندہ و شاداب کرتا ہے اور اسی طرح تم (لوگ مرے پیچھے زمین سے) نکالے جاؤ گے۔

نماز اشراق سے فارغ ہونے کے بعد اپنے ذریعہ معاش میں مشغول ہو جائیں، کسب حلال و طیب حاصل کریں، اس کے علاوہ دیگر فرائض و واجبات کی ادائیگی اور تمام امور زندگی میں اتباع سنت کا اہتمام رکھیں۔

پھر جب آفتاب کافی اونچا ہو جائے اور اس میں روشنی تیز ہو جائے تو نماز چاشت ادا کریں، چار رکعت سے لے کر بارہ رکعت اس نماز کی رکعتوں کی تعداد ہے۔(مسلم)

حدیث شریف میں ہے کہ چاشت کی طرف چار رکعت پڑھنے سے بدن میں جو تین سو ساٹھ جوڑ ہیں ان سب کا صدقہ ادا ہو جاتا ہے اور تمام صغیرہ گناہوں کی معافی ہو جاتی ہے۔(مسلم)

قیلولہ

اگر فرصت میسر ہو تو اتباع سنت کی نیت سے دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر لیٹ جائے اس کو قیلولہ کہتے ہیں، اس مسنون عمل کے لئے سونا ضروری نہیں صرف لیٹ جانا ہی کافی ہے۔ (زادالمعاد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ سلف صحابہ پہلے جمعہ ادا کرتے تھے پھر قیلولہ کرتے تھے۔(بخاری)

حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ دن نکلتے وقت سونا بے عقلی اور دوپہر کو سونا عادت اور دن چھپتے وقت سونا حماقت ہے۔(بخاری)

مطلب یہ ہے کہ رات کے علاوہ اگر کسی وقت نیند کا غلبہ ہو تو دوپہر کا قیلولہ تو ٹھیک ہے مگر صبح و شام سونا حماقت، بے عقلی اور دوپہر کو سونا عادت اور دن چھپتے وقت سونا حماقت، بے عقلی اور نادانی کی دلیل ہے، یا ان اوقات میں سونا طبیعت میں یہ خصائل وصفات پیدا کر دیتا ہے۔ (ادب المفرد)

ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد پھر اپنی مصروفیات زندگی میں مشغول ہو جائیں اور عصر کی نماز کا خاص طور پر خیال رکھیں، قرآن مجید میں اس کا خصوصی حکم آیا ہے۔

حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ۔

صلوۃ الوسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے، اس کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت تاکید فرمائی ہے۔(بہشتی زیور)

عصر کی نماز سے پہلے چار رکعت نماز پڑھنا سنت ہے اور اس کی بڑی فضیلت ہے۔(ترمذی)

فجر کی نماز کی طرح عصر کی نماز پڑھنے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھے اور ذکر الٰہی کرتا رہے پھر دعا مانگے۔ (بہشتی زیور)

رات کی سنتیں

نماز اوابین

مغرب کی نماز کے بعد کم از کم چھ رکعت نماز دو رکعت کر کے پڑھی جاتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں، ان نمازوں کا ثواب بارہ سالوں کی نفلوں کے برابر ملتا ہے۔
(الدرالمختار، سنن ابوداؤد، مشکوہ، بیہقی)

نماز عشاء

پھر وقت پر عشاء کی نماز باجماعت ادا کریں، عشاء کے فرض سے پہلے چار رکعت سنت ہیں۔ (بدائع)

عشاء کے فرض کے بعد دو رکعت سنت موکدہ ہیں۔ (مشکوہ)

نماز تہجد

حدیث شریف میں آیا ہے کہ فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز آخر شب میں تہجد کی نماز ہے۔

تہجد کا افضل وقت

رات کا آخری حصہ ہے، کم از کم دو رکعت، زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت ہے۔ (بخاری، موطا امام مالک)

تہجد کی نماز پڑھنے کی رات کو ہمت نہ ہو تو عشاء کی نماز کے بعد ہی چند رکعتیں پڑھ لیں، لیکن ثواب میں کمی ہو جائے گی۔

لباس کا بیان

اللہ تعالیٰ کا (سورۃ عراف میں) فرمانا۔

''اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دے کس نے یہ زیب و زینت کی چیزیں حرام کیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے نکالیں۔'' (یعنی عمدہ عمدہ لباس)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

کھاؤ پیو، پہنو، خیرات کرو لیکن اسراف نہ کرو (حد سے نہ بڑھ جاؤ) نہ تکبر (غرور) کرو۔''

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا۔

''جو تیرا جی چاہے (بشرطیکہ حلال ہو کھا اور جو تیرا جی چاہے) (مباح کپڑوں میں سے) پہن کو کتنا ہی بیش قیمت ہو) مگر جب تک دو باتوں سے بچا رہے اسراف اور تکبر سے۔ (بخاری شریف)

تکبر کا بیان

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسا ہوا (بنی اسرائیل میں) ایک شخص (قارون یا فارس کا رہنے والا) ایک جوڑا پہن کر بالوں میں کنگھی کیے اتراتا جا رہا تھا، یکایک اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا، وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔ (بخاری شریف)

ریشمی قبا

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک ریشمی قبا تحفہ میں آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پہنا اور نماز پڑھی پھر نماز سے فارغ ہو کر اس کو زور سے اتارا جیسے اس کو برا جانتے ہیں پھر فرمایا کہ یہ پرہیز گاروں کے لائق نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

☆☆☆

ضرورت ہے ایک گدھے کی

ابن انشاء

ہمارے پرانے اور عزیز دوست ابوالخیر کشفی بھی آج کل جاپان میں ہیں، لیکن ٹوکیو میں نہیں، اوساکا میں، ان کی فرمائش ہے کہ اوساکا آؤ اور یہاں سے کیوٹو اور نارا چلیں کہ اصل جاپان کے تہذیبی وارث یہی شہر ہیں، اوساکا ہم اپنے ائیر ٹکٹ پر بھی جا سکتے ہیں، لیکن ان کی ہدایت ہے کہ ''ہکاری'' میں آؤ، جاپان کی یہ مشہور گاڑی گولی کی رفتار سے چلتی ہے، اس کو بلٹ ٹرین بھی کہتے ہیں

جاپانیوں کے پاس صنعت و تجارت کے طفیل اتنے پیسے جمع ہو گئے ہیں، ڈالر پونڈ وغیرہ بھی کہ حکومت خود لوگوں کو شوق دلاتی ہے کہ بھائیو، ملک سے باہر جاؤ اور پیسے خرچ کرو، ہر جاپانی کو آمد و رفت کے خرچ کے علاوہ تین ہزار ڈالر فی کس خرچ کرنے کی کھلی چھٹی ہے ایک پاکستانی حاکم یہاں تشریف لائے تھے، وقت ان کے پاس کم ہی تھا، رات کے نو بجے آئے اور صبح نو بجے تشریف لے گئے، کوئی اس سے زیادہ ضروری کام ہو گا، سفارت خانے والوں نے یہاں کے وزیر سیاحت یا نائب وزیر سیاحت سے ان کو ملایا، پاکستان اور جاپان کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی بات ہوئی، جاپانی وزیر نے کہا کہ اگر پاکستان کو جاپان سے روشناس کرانا ہے تو ایک گدھا یہاں بھیج دیجئے، حاضرین نے بات کو ہنس کر ٹالنا چاہا، لیکن موصوف اسی پر مصر تھے کہ ہاتھی نہیں مانگتے، گھوڑا نہیں مانگتے، ہم کو تو گدھا چاہیے۔

اے صاحبو! پاک وطن کے رہنے والو، دیکھو دوسرے ملکوں میں گدھے کی کتنی مانگ ہے، کتنی عزت ہے، امریکہ میں ڈیموکریٹک پارٹی کا نشان ہی گدھا ہے ادھر ہم ہیں کہ اپنے ملک میں گدھوں کی کما حقہ قدر نہیں کرتے، بعض لوگ تو گدھوں کو جو ہمارے ہاں ہر شعبہ زندگی میں بھرے ہیں تحقیر سے بھی دیکھتے ہیں اور اکثر تو گدھے گھوڑے کی تمیز بھی اٹھا دیتے ہیں، دونوں کو ایک لاٹھی سے ہانکنے لگتے ہیں، حالانکہ گھوڑا سوائے وکٹوریا کھینچنے اور ریس میں دوڑنے کے کس کام آتا ہے، سو وکٹوریا ختم ہو رہی ہے اور ریس کو ہم خود ختم کرنا چاہتے ہیں، گدھا اس کے مقابلے میں مجمع صفات ہے، معصوم، نیک دل، بردبار، جن صاحب نے ہمیں یہ گفتگو سنائی ان سے ہم نے کہا کہ گدھوں کو تو ہم باہر بھیجتے رہتے ہیں، بلکہ ہمارے ملک سے باہر جانے والوں میں اکثر گدھے ہی ہوتے ہیں، ان صاحب نے کہا، جاپانی وزیر کی مراد واقعی چار ٹانگوں والے سچ مچ کے گدھے سے تھی، جاپان میں گدھے نہیں ہوتے، یہ گدھا چڑیا گھر میں رکھا جائیگا، جاپانی بچے اسے ذوق و شوق سے دیکھیں گے اور پوچھیں گے یہ کہاں پایا جاتا ہے؟ جواب ملے گا پاکستان میں اور یوں وہ پاکستان سے روشناس ہو جائیں گے اور یاد رکھیں گے کہ پاکستان بھی ایک ملک ہے، وہ ملک جس میں گدھے پائے جاتے ہیں اور افراط سے پائے جاتے ہیں۔

☆☆☆

آمنہ شیخ سے ملاقات

کاشف گوریجہ

خوبرو پاکستانی اداکارہ آمنہ شیخ
31 اگست 1981 کو امریکہ میں پیدا ہوئیں اُن
کے والد امریکہ میں فارماسسٹ ہیں۔
آمنہ شیخ نے ابتدائی تعلیم ماما پارسی سکول سے
حاصل کی انہوں نے کراچی میں مزید تعلیم کو جاری
رکھا اور بوسٹن کالج سے الیکٹرک میڈیا فلم ویڈیو
میں تعلیم حاصل کیا اور امریکہ کے ایک پروڈکشن
ہاؤس سے ڈرامہ پروڈکشنز میں بیچلر کیا۔
آمنہ شیخ نے ابتدا میں بچوں کے لیے ٹاک شو کیا
پھر کیے بعد دیگرے بہت سے ڈرامہ اور سعادت
حسن منٹو کے کہانیوں پر منی ڈرامہ میں کام کیا اور
بہت کم عرصے میں میڈیا میں اپنی ایک پہچان
بنائی۔
آمنہ کو پہلی بڑی ٹی وی سیریل ولکو میں پیش کش
ہوئی جس میں آمنہ نے اپنی فنی صلاحیتوں کو منوایا۔
آمنہ شیخ نے تقریباً سب ہی پاکستانی ٹی وی سنٹرز
سے ڈرامہ سیریل دیں مختلف چینلز پر ان کے
ڈرامہ کیریر کی ایک جھلک ہے،
2008 میں آمنہ نے اپنی پہلی میجر فلم "
آسماں چھولو"
"پچیس قدم پر موت" اور "بارش میں دیوار" میں
کام کیا۔ 2012 میں ان کی ٹیلی فلم "سیڈلنگ"
اور "جوش" میں ملیحہ کا رول پلے کیا،
پی ٹی وی پر ان کا ڈرامہ "ولکو"، "قصوں کی
چادر"، ٹی وی ون پر "بولتے افسانے"، جی او ٹی
وی پر "دل ناداں"، اے آر وائی پر "حال دل"

،انڈس ویژن پر "اگر تم نہ ہوتے"، ہم ٹی وی پر
"عشق گمشدہ،" اور دیگر ڈرامہ شامل ہیں۔ آمنہ شیخ
کو متعدد ایوارڈ کے علاوہ لکس سٹائل ایوارڈ سے بھی
نوازا گیا۔
آمنہ شیخ جیسی باصلاحیت اداکارہ سے ملاقات
قارئین حنا کے لیے حاضر ہے۔

☆ شوبز میں کیریر کا آغاز کیسے ہوا؟؟؟

☆ میں نے فلم اور ڈرامہ پروڈکشنز میں امریکہ سے
بیچلر کیا اور وہاں کچھ عرصہ ایک پروڈکشنز ہاؤس میں
کام بھی کیا، سکول اور کالج کے زمانہ میں بھی تھیٹر کیا
اور کراچی میں راحت کاظمی تھیٹر والے اور مختلف
کھیلوں میں کام کیا اور اُن سے بہت کچھ سیکھا۔

☆ **بیرون ملک انفرادی پہچان بنانا
بہت مشکل ہوتا ہے، آپ نے وہاں کیا سیکھا کیسا
تجربہ رہا؟؟؟**
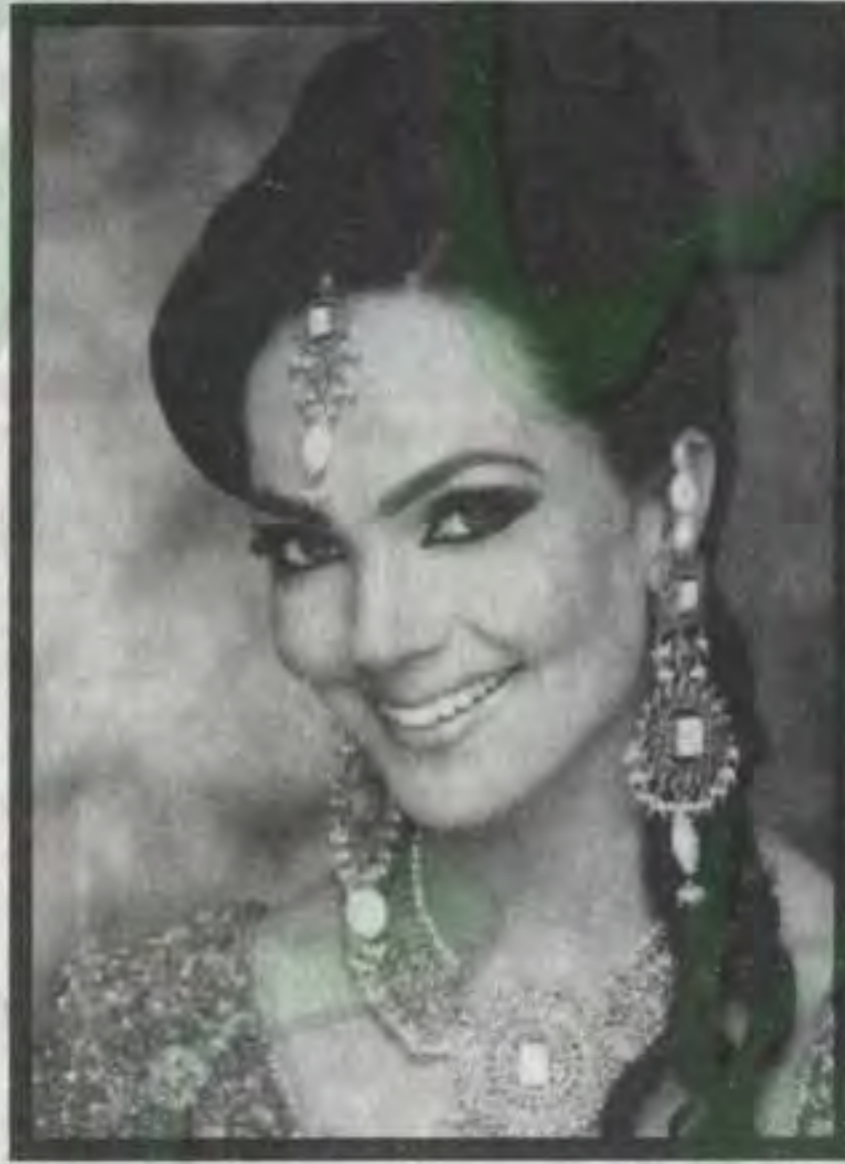
☆ باہر کے ملک میں لوگوں کی صلاحیتوں کے نکھار
پر پوری توجہ دیتے ہیں، اور آپ کے اندر کام کرنے
کی اُمنگ پیدا کرتے ہیں، لیکن مقابلہ بہت سخت
اور کڑا ہوتا ہے، مجھے بھی یہ تجربہ ہوا کہ اگر میں
امریکہ میں کام کرتی رہی تو اپنی پہچان بنانے میں

برسوں لگ سکتے ہیں، پھر بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتی کہ میں آمنہ شیخ ہوں۔ اپنے وطن کی بات ہی کچھ اور ہے۔ پھر یہاں رشتے دار اور محبت کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ جو کرج کرتے رہتے ہیں اور یہاں ترقی کے مواقع بھی بہت ہیں۔ اس لیے یہ سب سوچتے ہوئے پاکستان لوٹ آئی۔ پاکستان میڈیا انڈسٹری بے شک نیا ہے مگر یہاں پڑھے لکھے تجربہ کار لوگوں کی ضرورت ہے لہذہ تحقیق اور تجربہ حاصل کرکہ میں اپنوں کے درمیاں آ گئی۔

☆ ڈرامہ پروڈکشن کہاں بہتر ہو رہی ہے؟ کراچی میں یا کہ لاہور میں؟؟؟

صورتِ حال کافی ملی جلی سی ہے، کبھی لاہور بازی لے جاتا ہے تو کبھی کراچی، دونوں جگہ میں اب زیادہ فرق بھی نہیں ہے۔

☆ آپ کا پہلا ڈرامہ سیریل کون سا تھا؟؟؟

احسان طالش کی پروڈکشن میں ہمایوں سعید کی سیریل "ویلکو" تھی اس کے بعد خالد احمد کی سیریل "کرمک سنگھ کی وصیت" کی۔

☆ آپ کو اپنا کوئی کردار جو بہت بھایا ہو؟؟؟

میرا نقطہ نظر ہے کہ چند برس تک مختلف کردار کرنے کے بعد آپ حتمی طور پر کچھ کہنے کے لائق ہوتے ہیں، یہ سوال قبل از وقت پوچھا گیا ہے۔

☆ آپ کے چہرے کی ایک مخصوص موومنٹ اور گوشہ آپ کو ہالی وڈ کی مشہور سٹار انجلینا جولی سے ہم شکل ظاہر کرتا ہے اس کو کمپلیمنٹ سمجھتی ہیں کہ نہیں؟؟؟

ہنستے ہوئے کہتی ہیں، کہ جواب نہیں ہے آپ کا بھی بھائی اگر بنا میک اپ کے آپ مجھے دیکھ لیں تو پہچانے گے بھی نہیں، اصل میں ہوتا یہ ہے کہ میک اپ آرٹسٹ فوٹو گرافر، لائٹ ایفکٹ اور آپ کے معاونین آپ کے چہرے کے مخصوص زاویے سے آپ کو شوٹ کر کہ آپ کو کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں۔ میں اکثر اپنی بڑی بڑی تصاویر کے سامنے خود کو دیکھ کر خود کو نہیں پہچان پاتی میں پیدائشی حسین نہیں ہوں یہ میرے میک اپ کا کمال ہوتا ہے۔

☆ آپ نے کیریر کے آغاز میں ہی شادی کر لی، کوئی سکینڈل بھی نہیں، یہ تو اچھی خاصی کمال کی باتیں کر لی آپ نے؟؟؟

ہوا کچھ ایسے کہ جب پروڈیوسر کی حیثیت سے ملازمت ملی تو بچوں کا ایک پروگرام دیا گیا، جس کا میزبان محب مرزا تھا، یعنی میرا شوہر، جب اُن سے ملی تو لگا کہ ہم پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں (یہ کوئی فیری ٹیل یا شہزادی کی کہانی نہیں) مجھے یاد آ گیا کہ جس زمانے میں کراچی میں راحت کاظمی کے

ساتھ تھیٹر کرتی تھی، اس میں یہ موصوف بھی ہوا کرتے تھے، پھر جب ہم نے بہت دنوں تک ایک ساتھ کام کیا تو ایک دوسرے کو سمجھ گئے اور والدین کی رضامندی سے شادی کر لی۔ اس لیے میں شادی کر کہ ماڈلنگ و اداکاری کرنے آئی ہوں، اس لیے سکینڈل بنانے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔

☆ آپ کے ڈرامہ کیریر کی ایک لمبی لسٹ موجود ہے، سب سے زیادہ کس رول نے مخصوص کیا؟؟؟

مجھے تقریباً سب ہی رول چیلنجنگ ملے اس لیے ہر رول کو انجوائے کیا۔

☆ اگر آپ کو انڈین موویز میں کام کرنے کی آفرز ہوں تو کیا آپ اس آفر کو قبول کریں گی؟؟؟

میں ہرگز یہ آفر قبول نہیں کروں گی، کیوں کہ مجھے جو عزت اور شہرت میرے ملک میں ملی ہے میں سمجھتی ہوں وہ عزت، شہرت اور پیار مجھے کہیں اور نہیں مل سکتا۔

یا سیاست دان وغیرہ ہو انسان خود ہی اپنی زندگی کو آسان یا مشکل بناتا ہے۔

☆ ہمارے میگزین کی طرف سے کوئی پیغام اگر دینا چاہیں؟؟؟

پیغام یہی ہے کہ زندگی بہت تیزی سے اپنا سفر طے کر رہی ہے اس لیے خوب محنت کریں، سب کی عزت کریں خواہ وہ بزرگ ہوں، چھوٹے ہوں یا بڑے سب کے کام آئیں، تا کہ دنیا کے ساتھ آخرت بھی سنورتی رہے۔

☆☆☆

فوزیہ غزل

چوبیسویں قسط کا خلاصہ

اریبہ اپنے حالات سے نبرد آزما و ہاج اور خالہ لوگوں کے رویے پر آزردہ ہے طیبہ پاکستان چھوڑ کے جا چکی ہے۔

دوران سفر پاکستان ماریا پلین میں لگے ٹی وی پر سورہ اخلاص کا عربی متن مع انگریزی ترجمہ کے سنتی ہے جس میں عقیدہ توحید کا ذکر اسے تحیر زدہ اور آبدیدہ کر دیتا ہے وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

سعیہ، شہریار کی پیش قدمی پر ناگواری و گریز کا اظہار کرتی ہے تو شہریار کی مردانہ انا اسے سعیہ سے منہ موڑنے اور نیچا دکھانے پر کمر بستہ ہو جاتی ہے، سعیہ اس کے ایکدم سرد ہونے والے رویہ پر اپنی توہین محسوس کرتی ہے۔

اریبہ کی ملازمت ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں سیٹ ہونے کے ساتھ والدہ کا شیزوفرینیا میں بڑھتا ذہنی خلجان پریشان کن ہے ڈاکٹرز اس کی والدہ کو پاگل خانے یا نفسیاتی ادارے کے سپرد کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

حکومت پاکستان کی جانب سے خیر مقدمی عشائیے میں ماریا ایک شناسا شخصیت کو دیکھ کر یکدم سکتے میں آجاتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

پچیسویں قسط

ایک ایسے انسان سے ہم کو نسبتیں ہیں جو
دوستی نہیں کرتا دوستوں میں رہتا ہے
جانے کیوں تجھ سے دل زار کو اتنی ہے لگن
کیسی کیسی نہ تمناؤں کی تمہید ہے تو
دن میں تو اک شب ماہتاب ہے میری خاطر
سرد راتوں میں میرے واسطے خورشید ہے تو
اپنی دیوانگی شوق پہ ہنستا بھی ہوں میں
اور پھر اپنے خیالات میں کھو جاتا ہوں
تجھ کو اپنانے کی ہمت ہے نہ کھو دینے کا ظرف
کبھی ہنستے کبھی روتے ہوئے کھو جاتا ہوں

رات گزر چکی تھی اس کی شب عروسی جو سوچنے پہ کوئی خواب حسیں، کوئی دلربا فسانہ معلوم ہوتی تھی اور واقعی فسانہ یا خواب تھا کہ بیتی تو یوں کہ اس کے اپنا ہونے کی خوشی اور طمانیت کا ہر احساس کہیں عجیب سرد مزاج تہہ میں جا سویا تھا، اس کی زندگی کی سب سے خوبصورت اور ارمانوں بھری رات بنا کوئی سراہٹ کیے، بغیر کوئی عنایت کیے کتنے تہی دست انداز میں گزری تھی کہ ہر ماہ، ہر خواہش، ہر ارمان پہ احساس توہین غالب آ گیا تھا جسے مٹانے کی کوشش میں خود کو بہت کنٹرول کرتے ہوئے شہریار نے فوری طور پر خفیف سرد مہری اور غضب کی بے رخی کا مظاہرہ کیا تھا جس کے ردعمل پہ وہ جھلستی کڑھتی آنسو پیتی بہت دیر بعد سو تو گئی مگر اندر کہیں اپنے حسن و وجود پہ لہراتا زعم کا مینار جیسے ایک ہی جھٹکے میں زمیں بوس ہو گیا تھا اور شہریار نے یہ لمحات جانچ لئے تو سکون کا جیسے اک گہرا احساس ہر بے بسی، غصے اور جھنجھلاہٹ پہ حاوی ہو گیا اپنے سامنے سوئی پڑی سنعیہ کا چہرہ دیکھتے ہوئے وہ بے ساختہ مسکرا اٹھا، اس کے خوابیدہ چہرے پہ دیر تک روتے رہنے کا احساس کا تڑ صبح کے اجالے میں بڑا واضح تھا، آنسوؤں کے ساتھ جاگتے رہنے کی تھکن بند آنکھوں کے پپوٹے سرخ کیے دے رہی تھی۔

عورت کتنی ہی زور آور یا طرحدار ہو شوہر کی بے اعتنائی ذرا بھی برداشت نہیں کر سکتی، وہ بھی اس رشتے کو جبر اور مجبوری کا سودا قرار دینے کے باوجود یہ بے توجہی کی مار سہہ نہ پا رہی تھی، شہریار کی بیگانگی سے زیادہ اپنے آپ کو صاف اگنور کیے جانا کتنی کھلی تضحیک اور کیسی چبھنے والی تذلیل تھی، کہ شہریار کی اس غیر متوقع بے رخی پہ ذہن ماؤف ہوا تو اسے فوری طور پر کوئی جواب بھی نہ سوجھ سکا، یہی اس کی یکدم محسوس ہونے والی بے بسی تھی جس نے شہریار کو گہرے اطمینان کا احساس جلایا تھا وہ بڑی تقویت محسوس کر رہا تھا یہ سوچتے ہوئے کہ اس کے دل کو بے چینی و اضطرابیت کرنے والا دوسرا وجود بھی بے سکون تھا، کیسی ٹھنڈک سی اتار رہا تھا یہ احساس کہ وہ گزری رات کی ہر کلفت بھلائے بڑے دل سے مسکراتا اپنے بیڈ روم کی گلاس ونڈو سے پردہ پرے کرتا ہوا واش روم میں گھس گیا۔

کمرے میں در آنے والی بیرونی روشنی اس کی خوابیدہ آنکھوں کو لگی تو ہلکا سا کسمساتے ہوئے

اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور کسلمندی سے کروٹ بدلنے کی کوشش میں نیچے گرنے لگی تو حواس بھی جیسے ایکدم سے بیدار ہوئے تھے اور دل جل کر خاک ہوا تھا گزرے لمحات کا تصور آنے والے لمحات کا ڈر خود کو لمحوں میں مٹی کر دینے والا احساس اس کے اندر شدت سے ابھرا تھا اور آنکھیں بھر آئی تھیں۔

بھلا کب سوچا تھا اس نے کہ وہ شخص جسے اس نے ذرہ بھر اہمیت نہ دینے کا سوچا تھا وہ اس کے ساتھ کوئی جوابی بے توجہی برت سکتا ہے اس کا حسن و خوبصورتی، دلکشی، دلفریبی سب کچھ نہ تھے کتنی بری طرح سے دھتکار چکا تھا وہ سنعیہ کو اور ظاہر کیا تھا کہ اگر وہ خفا یا ناراض ہے تو معاملہ دوسری طرف بھی اتنا نرم ہرگز نہ تھا۔

''اگر اس شخص کو میری پرواہ نہیں تو مجھے بھی پوز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہر ایک کی نظر میں ''بیبا بچہ'' بننے والے اس فراڈیے کا سارا طنطنہ وغرور آج خاک میں نہ ملا دیا تو کہنا، شہریار تم بھلے لاکھ جینئس سہی مگر سنعیہ احمد اتنی آسانی سے تمہیں جیتنے ہرگز نہیں دے گی، تم کتنی مہارت دکھاؤ اس کھیل میں مجھے مات دینے کا سوچنا بھی مت، لب پہ سودا صرف مجبوری نہیں انا اور ضد کا تصادم بھی ہے اور اس میں استحصال تمہارا ہو گا۔''

سوچوں کے الاؤ میں سلگتے ہوئے اس نے تلخی و تنفر سے سوچا اسی پل شہریار واش روم سے باہر آیا تھا، گرے کلر کے بہت قیمتی سوٹ میں ملبوس گیلا ٹاول صوفے پہ پھیلا کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا سلیقے سے بال بنا کے کن اکھیوں سے دیکھا تھا وہ سلیپر پہنتے ہوئے شاور لینے واش روم کی جانب بڑھی تھی، شاور لے کر نکلی تو کمرہ خالی تھا ڈرائنگ روم سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں شاید گھر والے اس کا ناشتہ لے کر آئے تھے۔

بیڈ پہ رکھی ریڈشن میرون کلر کی ساڑھی ہمراہ میچنگ جیولری چوڑیاں ہائی ہیل سینڈل اور اسے سنوارنے کو تیار و منتظر بیوٹیشن ایک پل کو اس کا دل چاہا سب اٹھا کر باہر پھینک دے مگر فارمیلٹی نبھانا پڑی اور ایک ناپسندیدہ احساس کو دباتی وہ نا چاہتے ہوئے بھی ساڑھی باندھ کر بیوٹیشن کے آگے بیٹھ گئی، ایک تو اس کی سکن قدرتی طور پر بہت شفاف اور چمکدار تھی کچھ چہرے کے نقوش بڑے دلکش تھے، نفاست سے کئے گئے مناسب میک اپ نے اس کی رعنائی و دلآویزی کو دوآتشہ کر دیا تھا کہ جیولری سیٹ کر کے اسے دیکھتے ہوئے خود بیوٹیشن کے منہ سے بے ساختہ ماشاءاللہ نکلا تھا، اور اندر قدم رکھتے شہریار نے بھی سامنے نظر کی تو پلکیں جھپکنا بھول گیا شہد رنگ بالوں کو کھلا چھوڑے متناسب سراپے پر ساڑھی پہنے وہ بلاشبہ دیکھنے والے کو خیرہ کر گئی، بیوٹیشن نے پلٹ کر دیکھا تھا اور شہریار کی بے اختیاری کو محسوس کر کے شوخ تبسم چھلکاتی کمرے سے باہر نکلی۔

''نیچے سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' بولا تو لہجہ سنجیدہ اور سرد مہری کا غماز تھا گویا وہ کچھ دیر قبل خود پہ وارد ہونے والی کیفیت کو جھٹک چکا تھا۔

''آپ کو اس فارمیلٹی کی ضرورت نہ تھی میں خود آ سکتی تھی۔'' وہ طنزاً بولی۔

''کیا کروں بہت سے کام انسان کو نہ چاہتے ہوئے بھی کرنا پڑتے ہیں۔'' اس نے شانے اچکائے۔

"لیکن میں نا چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتی، یہ ملمع شدہ زندگی اور ڈھونگ مزید رچانے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔"

"اچھا، تو کیا کرو گی تم۔" اپنی خوشنما آنکھوں کو استعجابیہ تاثر سے اس پہ ٹکاتا وہ بولا تو سنعیہ کو زہر لگا۔

"میں سب کو بتا دونگی جو تم نے رات میرے ساتھ کیا۔" وہ ضبط توڑتی چیخی تو شہریار آئینے میں خود کو دیکھتا پورے کا پورا اس کی طرف گھوم گیا۔

"تم جو کرنا چاہتی ہو کر لو I don,t care۔" وہ بڑے آرام سے بولا۔

"اور اس کا ریزن بھی تم بتاؤ گی میں کسی کے سامنے اپنی گواہیاں نہیں دونگا کیونکہ میرا ردعمل تمہارے گریز کا نتیجہ تھا۔" وہ اتنے اطمینان سے بولا کہ سنعیہ کچھ دیر کو بالکل ساکت رہ گئی، مقابل اس کے اندازے اور توقع سے زیادہ ہوشیار تھا اور بڑی حکمت عملی سے بڑے سبھاؤ سے چال چل رہا تھا کچھ ایسے کہ بچ نکلنے کی کوئی راہ بھی نہ تھی، اپنی بدقسمتی پر وہ جتنا ماتم کرتی کم تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی پھر صبا اندر آ گئی، اس کی بہنوں جیسی دوست، ہمدرد، غمگسار سنعیہ کا دل بھر آیا وہ لپک کر اس کے گلے لگی تو پلکیں غم ہونے لگیں۔

"مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ شہریار بھائی تمہیں بلانے آئے واپس نہیں ہوئے اب پتا چلا ان کے نہ آنے کی وجہ تم ہو بیوی جب ایسی حسین پھر من چاہی بھی ہو تو پاس سے ہٹنے کو کس کافر کا دل چاہے گا۔" اس کی بات کو انجوائے کرتا شہریار مسکرایا تھا فریش اور خوشی سے بھرپور تاثر کے ساتھ۔

"صبا تم انہیں لے کر باہر آؤ۔" خوشبوؤں میں بسا وجود لئے وہ باہر نکلا تو صبا نے اسے دیکھا اور بڑی محبت سے بولی۔

"بہت حسین لگ رہی ہو شہری بھائی تو تمہارے حسن کی تاب نہ لا سکے ہونگے۔" اور سنعیہ کا دل چاہا اپنے اندر مقید سب چیخیں اسے سنا دے کہ وہ بچپن سے اپنا ہر دکھ سکھ صبا سے کہنے اور ہر کام اس کے مشورے سے کرنے کی عادی تھی، مگر رات جو کچھ ہوا اس میں اس کا انکار، شہریار کا گریز یہ اس کی توہین کا پہلو تھا جسے وہ بالکل شیئر نہ کر سکتی تھی۔

"بہت لونگ اور کیئرنگ رویہ ہو گا یقیناً۔" صبا نے پھر چھیڑا۔

"بس جو تھا جیسا تھا ٹھیک تھا۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"اور تم ٹھیک رہیں یا کچھ نخرے وخرے دکھائے؟"

"نہیں مگر سب بہت عجیب تھا۔" وہ خود کو چھپاتے گول مول انداز میں کہہ گئی۔

"یعنی تم نے ان کی پذیرائی آرام سے کر دی۔" صبا حد درجہ بے یقینی سے بولی سنعیہ کے سرد مزاج سے اسے یقیناً ایسی عنایت کی توقع نہ تھی۔

"تو پھر کیا کرتی۔" وہ لہجہ و انداز میں ایسی بے بسی و بے چارگی سمو کر بولی کہ صبا بہت پیار سے دلاسہ و تسلی دیتی اسے سمجھانے لگی اور وہ خود کو سنبھالتی اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئی تو مما، پپا کزنز اور آنٹی نزہت سے ملتے وہ آزردگی میں گھرنے لگی، اپنے جلتے دل اور وجود میں بھڑکتے الاؤ سے اٹھتی تپش پھر سب کے درمیان کسی مفقوع ریاست کے فاتح شہزادے کی مانند پرسکون، مطمئن

اور خوش باش مسکراتا شہریار "ایسا کیا کہوں کہ سب کے سامنے اس کی قلعی کھل جائے، اس کا ہنستا چہرہ بجھ جائے۔" مما نے اس کی صبیح پیشانی کو چوما اور دعا دی۔

"جیتی رہو اور آباد رہو شاد رہو اللہ تمہیں سدا سہاگن رکھے اور تم دونوں کی زندگی کو ہر خوشی سے بھر دے۔"

اس کی نظر دھندلائی اور اندر کوئی سسکیاں بھرنے لگا، کتنی مجبور تھی وہ کہ چاہ کر بھی ان ہنستے مسکراتے خوش اور مطمئن چہروں کو اپنی بے بسی و بے چارگی کا نوحہ سنا کر گئی زندگیوں کئی دلوں اور کتنی خوشیوں کو ختم نہ کر سکتی تھی کہ سب کے لئے خوشی اور رشتوں کے جڑے رہنے کا احساس ایک ان کا رشتہ تھا، اب بھلے وہ اس رشتے اس کی توقعات، توجیہات اور نفسیات کے حوالے سے کتنا جلتی کڑھتی اپنے پیاروں کو یقیناً اس آگ میں نہ کھینچ سکتی تھی اگر ایسا کرتی تو کس برتے پر شطرنج کے تمام مہرے اس کی توقع کے خلاف الٹی چال چل چکے تھے، آئندہ کے لئے جو بھی حکمت عملی اپنانی تھی بہت سوچ سمجھ کر، سو خود کو سنبھالتی Be brave کا سبق دیتی ناشتے مووی سیشن اور تصاویر کے ایک پیریڈ کے بعد روایت کے مطابق شام کو وہ شہریار کی جانب سے پی سی کے ہال میں ولیمہ فنکشن اٹینڈ کر کے شہر بھر کے رؤسا، اصراء سے مبارکبادیں وصول کرتے دونوں واپسی پہ مما پپا کے ہمراہ خان ولا روانہ ہو چکے تھے، یہ رات انہیں وہیں گزارنی تھی اس کے بعد اپنے الگ گھر میں ایک الگ زندگی انا وضد کے تصادم میں گھرے دو افراد کی زندگی۔

☆☆☆

محبت میں کسی بات کی قسمیں نہیں کھاتے
محبت تو فقط پیمان ہوتا ہے کہ دونوں
زندگی کے روز و شب کے درد کو
مل کر سمیٹیں گے
خوشی کا کوئی بھی لمحہ ہو
وہ مل کر گزاریں گے
کوئی پیمان ہو
وہ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا
کہ دونوں میں کوئی ایک تو
وعدہ نبھاتا ہے
نفی کرتا ہے اپنی ذات کی
خود کو مٹاتا ہے
محبت میں کسی بات کی قسمیں نہیں کھاتے

اپنے ہاتھ میں پکڑے کارڈ کو وہ بڑے میکانکی انداز میں دیکھ رہی تھی سال گزشتہ یہ کارڈ اسے وہاج حسن نے دیا تھا بہت خوبصورت گفٹ کے ساتھ، اریبہ کی سالگرہ ہو، نیا سال شروع ہو، فرینڈ شپ ڈے ہو، ویلنٹائن ڈے یا عید اس کی کوئی ذاتی خوشی کہ کامیابی وہاج، ہمیشہ بڑی محبت اور شوق

سے اسے بیسٹ وشز دیتا، سیلیبریشن کرتا اور اس کی غربت وتنگدستی کے باوجود اریبہ کو اتنی اہمیت ملنا وہ احساس تفخر کے ساتھ بڑی اعلاظرفی اور کشادہ دلی سے یہ محبت سمیٹتی اس کی ضرورتیں پوری کرتی، بڑی بڑی رقمیں اس کے انکار کے باوجود ادھار کہہ کر حوالے کر دیتی اور ادھار جسے چکانے کی ضرورت کبھی وہاج نے بعد میں محسوس کی نہ اریبہ نے مانگنے کی، کیونکہ وہاج حسن اس سے محبت کر رہا تھا اور اریبہ کو بھی اس سے محبت تھی نوعمری کی محبت جو بڑی نوخیز، بوپھرور اور چنچل ہوتی ہے محبت کی اس کونپل نے اس کے وجود کو الوہی شادابیاں عطا کر دی تھیں اور اریبہ نے چاہے جانے کے احساس ممنونیت کے عوض وہاج کو بڑی اونچی مسند پر بٹھا دیا تھا، یہاں کسی دیوتا کی داسی کے مانند وہ اسے دل کی بارگاہ میں پوجتی، کتنا مضبوط اور اٹوٹ بندھن تھا یہ، جس میں چاہ کا احساس بھی تھا پانے کی طلب تھی جو دونوں جانب ایک سی تھی اور اس چاہت وطلب میں فرق کب کیسے کیونکر پڑا وہ جاننے بوجھنے سے قاصر تھی۔

آج اس کی سالگرہ تھی اور وہاج اسے سب سے پہلے وش کرنے والا اچھے سے اچھا گفٹ دینے والا اس کے دل کی سرزمین پر پہلا قدم رکھ کر جگہ پانے والا امر دیہ دن بھول چکا تھا۔

''آپی کیا ہوا، تیار نہیں ہوئیں آفس کے لئے؟'' جویریہ نے اندر جھانکتے ہوئے پوچھا تو اریبہ نے بھیگی پلکیں اٹھائیں اس کے گداز لب کچھ کہنے کی کوشش میں ہولے ہولے لرز رہے تھے، چہرے کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ بہت اذیت میں ہے، بہت تکلیف جھیل رہی ہے جویریہ نے سرعت سے آگے بڑھ کر اس پہ قدرے جھکتے ہوئے نازک ہاتھوں میں دبا وش کارڈ پھاڑ کر ڈسٹ بن میں پھینکا پھر اس کے چاند چہرے کو اپنے حصار میں لیتے ہوئے بولی۔

''میں نے آپ سے کہا تھا کچھ دنوں کے لئے اپنی محبت اور اس سے وابستہ ہر احساس کو بھلا کر صرف خود پہ زندگی پہ توجہ دیں، زندگی جو پہلے بہت ڈسٹرب ہے اسے مزید اپنے لئے آزار اور تکلیف دہ مت بنائیں، ماضی میں ڈوب کر حال گنوانا بزدلی اور کم ہمتی کی علامت ہے اور آپ کو کم حوصلہ نہیں طاقتور، مضبوط اعصاب کی مالک بننا ہے، چلیں اٹھیں منہ دھوئیں اپنا پسندیدہ بلیک کلر کا سوٹ پہنیں آپ کو میں اپنے ہاتھوں سے تیار کروں گی آفس کے لئے۔'' جویریہ نے زبردستی اسے اٹھا کر واش روم دھکیلا وہ چینج کر کے نکلی تو اس کے سیاہ لمبے اور خوبصورت سنوارتے ہوئے کلپ لگا کر کھلے چھوڑ دیے حالانکہ اریبہ کا اصرار تھا کہ وہ بل ڈال کر چوٹی کی شکل میں گوندھ دے۔

''ایڈورٹائزنگ کمپنی جا رہی ہیں آپ جاب سنبھالنے کسی گھر میں پوچا ٹاکی لگانے والی ماسی بن کر نہیں۔'' جویریہ نے کہتے ہوئے سفید نگینے سے چمکتے آویزے اس کے کانوں میں ڈالے، ایک ہاتھ کی کلائی میں سادہ کانچ کی کچھ چوڑیاں، ہلکا پف، مسکارا، آئی لائنر اور نیچرل کلر کی لپ اسٹک کے ساتھ لمبی مخروطی انگلیوں کے ناخنوں پر ڈیپ میرون نیل پالش، جویریہ نے ذرا سا پیچھے ہٹتے ہوئے ایک تنقیدی جائزہ لیا، بلیک نازک سے سٹریپ والے اونچی ہیل کے سینڈل پہن کر لیدر کا براؤن بیگ اٹھائے کھڑی وہ صرف اچھی نہیں بے حد دلکش اور حسین لگ رہی تھی کوئی کمی نہ تھی ان بہنوں میں حسن و دلکشی کی نہ ذہانت وسلیقے کی مگر کم مائیگی نے جیسے زندگی کی خوشیوں کے ساتھ چہرے کی شادابیوں کو بھی نگل لیا تھا، اب ذرا اسے میک اپ کے کوڈ نے کیسی ملکوتی تابنا کی عطا کر

دی تھی کہ جویریہ نے بے ساختہ نظر بد کی دعا پھونکتے ہوئے کہا تھا۔

''بہت حسین لگ رہی ہو، ماشاءاللہ، اللہ بری نگاہوں سے بچائے۔'' اریبہ نے خاموش تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا تھا اور سر پر حجاب باندھ کر گاؤن پہنتے ہوئے باہر نکل گئی۔

جو خود سے اور دوسروں سے ڈرتے ہیں ان کی ساری زندگی بھاگتے ہوئے گزر جاتی ہے، کبھی زمانے سے کبھی رشتوں سے کبھی خود سے اور اس نے دیر سے کہی مگر زندگی کا سامنا کرنے کا سوچ لیا تھا، اس کی جاب بہت ایزی بھی تھی ٹف بھی اس ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں اشتہاری اور کمرشل ایڈز کا کام ہونے کے کچھ ریمپ پہ کیٹ واک کے لئے ماڈلز کو چوز کرنا پھر ماڈلنگ، فیشن اور فلمسازی و اداکاری کے اسرار ورموز سے آگاہی دینے کے ساتھ فوٹو شوٹ اور میگزین ماڈلنگ کے ساتھ انٹرٹیمنٹ میڈیا پہ خود کو منوانے کے مواقع فراہم کرنا اہم شعبہ جات تھے اور اریبہ اس کمپنی میں بطور پبلک ریلیشنز آفیسر کے طور پر اپائنٹ ہوئی تھی، فی الحال تو وہ ماڈلنگ واداکاری کے شوق میں آنے والے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے نام وکوائف تصاویر اور کانٹیکٹ نمبر نوٹ کر کے برانچ مینجر تک پہنچاتی، ان کی رائے وحکم کے مطابق اچھے فوٹو جینک نظر آتے افراد سے رابطہ بذریعہ فون کرتی اور انہیں کیمرہ ٹیسٹ کے لئے کمپنی کے دفتر پہنچنے کا مژدہ سناتی، کام دلچسپ بھی تھا اور انجوائے فل بھی، سو وہ بڑے مزے سے سب سیکھ اور کر رہی تھی ساتھ چھٹی والے روز امی کو دلیہ کھلانے، یخنی پلانے، دوا دینے اور دودھ دینے کے ساتھ ان کی مالش کرنا، کپڑے تبدیل کرنا، بال سنوار کر چوٹی بنانا یہ سارے کام وہ اپنے ہاتھ سے انجام دیتی ماں کی یہ خدمت اسے بہت سکون دیتی، ذہنی معذوری کے ساتھ ان کے اعصاب بھی کمزور ہو چکے تھے جسمانی صحت بہت نہ سہی مگر پہلے سے کچھ بہتر تھی۔

وہ پہلے کی طرح تنگ نہیں کرتی تھیں نہ بلاوجہ کسی کو اپنے لایعنی اشتعال اور تشدد کا نشانہ بناتیں اور یہ مثبت علامت تھی مگر کچھ عجیب سی باتیں کرنے لگی تھیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ تھا جب ان کے آس پاس کوئی بھی نہ ہوتا تو وہ ایسے بولتیں جیسے بہت سے لوگ ان کے اردگرد موجود ان سے کچھ کہہ سن رہے ہیں، پھر ہاتھ پیروں کی سختی یا کپکپاہٹ کے ساتھ ان کی آنکھیں گھومتی اور زبان مستقل حرکت میں رہتی اور باتیں بے ربط ہوتیں، اریبہ کے لئے اپنی سیلری میں ان کا مہنگا علاج اور گھر کے اخراجات اپنی اچھی پوزیشن برقرار رکھنا مسئلہ تھا مگر وہ کھینچ تان کے ہر ماہ امی کے چیک اپ کی فیس اور ادویات کے لئے رقم بچا ہی لیتی، اس بار بھی وہ انہیں چیک اپ کے لئے ہاسپٹل لے آئی۔

ملک کے معروف نفسیاتی ڈاکٹر سے اپنی امی کی کیس ہسٹری اس نے ڈسکس کرنے کے ساتھ اس نے موجودہ صورتحال پہ بھی بات کی۔

''یہ کیفیت Hallucination ہیلوسینلشنز ہے جس کے مطابق مریض کو وہ لوگ دکھائی یا سنائی دیں جو حقیقت میں موجود نہیں ہوتے، Delusions ڈیلیوزن وہ عجب خیالات جن پر مریض کو سو فیصد یقین ہو مگر...... مگر وہ غلط یا حقیقت کے برعکس ہوں، Thought disorder خیالات کے بے ربط ہونا ایسے بولنا یا دیکھنا، جیسے دماغ پر دھند سی چھائی رہتی ہو اور یہ علامات ذہنی و

نفسیاتی بیماری ہی کی ایک قسم شیزوفرینیا ہے جو ایکسیڈنٹ کسی کے انتقال کے صدمے، طویل المعیاد گھریلو مسائل ومحرومیوں کی وجہ سے لاحق ہونے والا مرض ہے، کسی شخص کو شیزوفرینیا ہونے کا تقریباً پچاس فیصد خطرہ اس کی جینز کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ کون سی جینز اس کی ذمے دار ہیں، کیونکہ مختلف لوگوں میں اس کی وجوہ مختلف ہوتی ہیں اور اس کا بھی کوئی واضح ثبوت نہیں ہے کہ ان کے دماغ کو آکسیجن درست مل رہی ہے یا نہیں بہتر ہوگا کہ آپ ان کی سی ٹی اسکین کروالیں، فریش رپورٹس دیکھ کر ہی میں آپ کو درست اور صائب مشورہ دے سکتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے تفصیلی گفتگو کے بعد کہا۔

''ان کے لئے کسی اینٹی سائیکوٹک دوا کی ضرورت تو نہیں۔'' اریبہ نے پوچھا۔

''فی الحال تو آپ ان کی پہلے والی ڈوز بھی کم کردیں کیونکہ بہت زیادہ اینٹی سائیکوٹک ادویہ سے بھی منفی علامات زیادہ ہوجاتی ہیں۔''

''شیزوفرینیا سے ان کی حالت زیادہ بگڑ تو نہ جائے گی۔'' اریبہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

''اگر وقت پر علاج شروع کردیا جائے تو بیس فیصد مریض پہلے پانچ سال کے دوران ٹھیک ہوجاتے ہیں، تقریباً ساٹھ فیصد بہتر ہوجانے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ علامات کا شکار رہتے ہیں اور ڈپریشن یا نفسیاتی وذہنی کمزوری کا شکار لوگ اس کا اٹیک ہوجاتے ہیں اور اگر اس کا بروقت علاج نہ کروایا جائے تو شیزوفرینیا کے مریضوں میں خودکشی کا امکان عام نفسیاتی مریضوں کے مقابلہ میں بڑھ جاتا ہے اور شدید علامات کی صورت میں تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ شیزوفرینیا شروع ہونے کے بعد علاج میں جتنی تاخیر کی جائے، زندگی پر اس کا اتنا ہی برا اثر پڑتا ہے۔'' ڈاکٹر پروفیشنل انداز میں بولا۔

''بروقت علاج کے لئے ایک بڑی رقم چاہیے کیونکہ اینٹی سائیکوٹک ادویات بہت مہنگی ہیں پھر ان کے آئے روز ہونے والے ٹیسٹوں پر بھی خاصا روپیہ لگتا ہے۔'' اریبہ دھیرے سے بولی۔

''یہ تو ہے آپ کو ماہانہ پندرہ سے بیس ہزار صرف ان کے لئے چاہیں اور یہ کم ازکم اماؤنٹ ہے اگر افورڈ نہیں کرسکتیں تو کسی خیراتی ادارے کے سپرد کردیں انہیں، آپ کے حالات کو دیکھ کر اس سے بہتر مشورہ کوئی نہیں ہوسکتا آگے آپ کی صوابدید ہے۔'' ڈاکٹر کا لہجہ قدرے ہمدردانہ تھا، وہ متفکر انداز میں سر ہلاتی اپنی ماں کو دیکھنے لگی جس کے قدموں میں ان کی جنت تھی اور خود وہ کسی جہنم میں تھیں اس سے یکسر بے خبر تھیں۔

جاگزیں ہے تیرے ہونے کی نشانی مجھ میں
ڈھونڈتا ہے تیرا کردار کہانی مجھ میں
تیری جنت سے نکل کر نہ نکلے پاؤں کہیں
ختم ہوتی ہی نہیں نقل مکانی مجھ میں

☆☆☆

اس کی نیلگوں آنکھیں اپنے سامنے موجود ہستی کو دیکھتے ہوئے بھر آنے لگیں اب بے ساختہ کچھ کہہ سکنے کی خواہش میں کپکپا کر رہ گئے دل ودماغ میں ایک استعجاب آمیز خواہش کے یوں

بالواسطہ پورا ہونے کی خوشی نے عجب ہلچل مچادی اس کی سماعتوں میں کوئی نرم، شفیق اور زندگی سے محبت کا احساس دلانے والا لہجہ ابھرا تھا۔

''زندگی نعمت خداوندی ہے، قدرت کا ایک انعام ایک گرانقدر امانت جس کا اہل جانتے ہوئے اس نے ہمیں اس کی عنایت سے سرفراز کیا یقیناً اس کی نگاہ میں ہمارے اس دنیا میں آنے، یہاں رہنے اور جینے کا کوئی مقصد ہے تو اس نے ہمیں یہاں بھیجا، جب انسان اپنے خالق کی خاص توجہ کا حق دار بنتا ہے تو وہ اسے مصائب وآلام کے ذریعے آزماتا ہے آیا وہ اپنے پیدا کرنے والے مالک کا شکر ادا کرکے رضا وصبر سے آزمائش سے نکلتا ہے یا ناشکری کا مظاہرہ کرکے چیختا چلاتا احتجاج کرتا اپنے لئے مزید اذیت سمیٹتا ہے، جو ہماری تقدیر میں رقم ہے وہ ہمی کو سہنا اور جھیلنا ہے اب یہ ہم پہ منحصر ہے رد کریا ہنس کر دونوں صورت میں اثر ہم پہ پڑتا ہے زمانے پر نہیں، تو جان بوجھ کر خود کو ارزاں کرنا ناکامیوں مایوسیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنا سب سے بڑی بیوقوفی، نری کم ہمتی اور بزدلی کی نشانی ہے، زندگی جیتے ہوئے مصائب وناکامیوں کا سامنا بہادری سے کرنا شرف انسانیت ہے اور اس شرف کو قائم رکھنا عظمت ہے۔''

وہ وقت اور لمحات وہ کبھی بھلا ہی نہیں سکی تھی ہر بار تھک کر گرتے ہوئے اسے یہ الفاظ یاد آتے، جنہیں وہ چاہ کر بھی اپنی یادداشت سے نکال نہیں سکی اور کئی سال گزرنے کے باوجود یہ چہرہ اس کی یادوں کے البم، زندگی کے باب میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگیا تھا۔

''کیسی ہو ماریا؟ مجھے تم بھولی نہیں، تمہارا بھولا چہرہ ہمیشہ مجھے یاد رہا اور تم دعا کے لئے اٹھے ہاتھوں میں اچھی زندگی جینے والی التجا بن کر میرے لبوں پہ آجاتیں۔''

ڈاکٹر نزہت حیدر نے اس کا پھول سا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھاما اور ماریا جوزف بے اختیار بے ساختہ ان کے گلے سے لگ گئی، اس کا انداز گواہ تھا کہ جس طرح ڈاکٹر نزہت اسے باقاعدہ نام کے ساتھ یاد رکھے ہوئے ہیں وہ بھی انہیں بھولی نہیں۔

اس کی پشت تھپتھپاتے اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرتے لمس میں کیسی ممتا کی گرمی تھی، کیسا سکون جو ماریا کو پہلے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا وہ کبھی اپنی سگی ماں سے بھی اسے والہانہ انداز میں نہیں ملی تھی، کیتھرین نے چونکتے ہوئے کہا تھا۔

''How amazaing تم پہلے سے جانتی ہو ایک دوسری کو، مگر کیسے؟''

''ویلنگٹن کے ایک ہاسپٹل میں طبی تربیتی کورس کے سلسلے میں کچھ عرصہ میں خدمات انجام دیتی رہی ہوں اور ماریا کو میرے زیر علاج آنا پڑا تھا اپنی ٹینشن اور کچھ ناکامیوں کا بدلہ خود سے لیتے ہوئے اس نے سوسائیڈ کرنا چاہا خود کو۔'' ڈاکٹر نزہت نے مختصراً بتایا تو کیتھرین نے متاسفانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے ماریا کو دیکھا اور پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کی نجی وبیرونی زندگی اور مصروفیات کے بارے میں گفتگو کرنے لگیں، کچھ دیر بعد مہمان خصوصی ومیزبانوں کی آمد کا پرجوش ہنگامہ اٹھا اور انہیں حکومت پاکستان کی جانب سے خیر مقدمی کلمات کے ساتھ تمام تر سہولیات دوران ٹور بہم پہنچانے کا اعادہ کیا گیا، پاکستان کے شمالی علاقہ جات کی سیاحت کا بھی خصوصی

بندوبست ارینج ہو چکا تھا مع ایک بجارو، جیپ اور دو مستعد ڈرائیورز کے ساتھ چاک و چوبند سیکورٹی گارڈز کسی بھی مسئلے یا پریشانی کی صورت میں وہ لوگ ایمرجنسی کال پر حکومت یا کسی بھی ادارے سے مدد طلب کر سکتے تھے، یہ سہولیات اور ان کو بہم پہنچانے والا لہجہ و رویہ اخلاقاً انہیں اتنا اچھا لگا کہ سرکار کی گڈ گورننس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے، پھر انہیں دیسی، روایتی، چائنیز اور اٹالین کھانوں سے آراستہ ٹیبل کی طرف لایا گیا، آٹھ قسم کے رشین سلاد، روایتی تیز پتی والی چائے کے ساتھ سبز قہوہ بھی تھا جبکہ مختلف لوازمات سویٹ ڈشز میں بھی موجود تھے جن میں موسم کے حساب سے گاجر کا حلوہ اور میٹھی کھیر انہیں بہت لذیز محسوس ہوئی، جبکہ دیسی کھانے میں سرسوں کا ساگ تازہ مکھن اور باجرے ومکئی کی روٹیاں جن کے لئے بہترین باورچی کا انتظام کیا تھا اور اس کے ہاتھ کی لذت ونفاست زبان چکھتی تو بے اختیار واہ واہ کا لفظ نکلتا منہ سے، نزہت نے انہیں مکئی اور باجرے کی روٹی کو ہاتھ سے توڑ کر اس میں ساگ لگا کر تناول کرنا سکھایا، انگریزی کھانوں کے ساتھ انہیں حلیم کا آئٹم بھی خوب لگا دیسی کھانوں میں، اس کے بعد ستاروں سے سجے آسمان کے وسط میں رات اور شام کے ملتے نرم گرم ماحول اور خوشگوار ہوا موتیے، چنبیلی، یاسمین اور گلاب کے پھولوں کی معطر فضا میں بچھی چاندنی پہ بیٹھ کر پاکستان کی روایتی مشرقی اور صوفیانہ کلام پہ مبنی قوالیوں کو سنا جن کا ترجمہ ڈاکٹر نزہت نے ساتھ ساتھ کر کے بتایا خوشگوار باتوں اور پرلطف کھانوں دل کو چھو لینے والے صوفی کلام پہ مبنی معروف فنکاروں کو سن کر ایک اچھی اور یادگار نشست کا فطری احساس سمیٹے وہ سب واپس اپنے ہوٹل پلٹے تو ڈاکٹر نزہت نے ان کے رابطہ نمبرز لیتے ہوئے انہیں اپنے گھر آنے کی اور پاکستان کا سیاحتی وثقافتی اثاثہ دیکھنے کی خصوصی دعوت دی، ایسی ہی پرخلوص دعوتیں انہیں اس تقریب میں موجود کئی اور لوگوں سے بھی ملیں، اسلام اور مسلمانوں سے متعلق ان کے ذہنوں میں بھلے کتنے بھی شکوک وشبہات ہوں لیکن فی الوقت وہ اس مہمان نوازی سے متاثر ہوئے تھے، رات کے پچھلے پہر وہ سب سوئے تو اگلے دن کے پچھلے پہر اٹھے، انہیں اسلام آباد کے سرسبز و شاداب شہر، تعمیر و ترقی اور کشادہ سڑکوں کو دیکھتے ہوئے انہیں کہیں سے بھی ایک پسماندہ اور تیسرے درجے کے ملک کا شائبہ نہ ہوا بلکہ ترقی وخوشحالی کے ساتھ ٹریفک کا بہترین نظام ایسے ہی تھا جیسے دنیا کے چند بڑے اور مشہور شہروں میں تھا، ان کا متفقہ خیال تھا کہ پہلا ہفتہ وہ لوگ گھوم پھر کر خوب انجوائے کریں گے پھر اپنا تحقیقی اور ریسرچ ورک آئیڈیا کور کریں گے، جبکہ کچھ اسلام مخالف مہم سے ڈرے سہمے لوگوں کی رائے تھی جلد سے جلد اپنا کام کمپلیٹ کر کے یہاں سے چلا جائے، مبادا کہ وہ چینی باشندوں یا امریکی شہری ڈینئل پرل کی طرح کسی کی دہشت گردانہ ذہنیت کا نشانہ نہ بن جائیں، انہوں نے مشورہ کے لئے اپنے ہوٹل مینجر سے کہہ کر ٹورسٹ گائیڈ کو بلوایا، ان کے ٹور گائیڈ ایک خوش اخلاق وہنس مکھ اڈھیر عمر شخص تھے جو انہیں ملکی حالات کی تسلی وامن کا یقین دلاتے ہوئے بولے تھے۔

”اس بات کا آپ لوگ یقین کر لیں کہ یہاں کوئی بھی پاکستانی مسلمان اگر وہ واقعی سچا مسلمان ہے تو آپ کو کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا کیونکہ مسلمان مہمان نواز ہونے کے ساتھ اپنے مہمانوں کو امان بھی دیتے ہیں۔“ شستہ انگلش میں سنجیدگی سے کہی گئی اس بات نے سب کو متاثر کیا،

وہ شخص مزید بولنے والا تھا۔

”اسلام یا مسلمان نہ تو برے ہیں نہ دہشت گرد یہ صرف چند لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کو غلط سلط انداز میں دنیا کے سامنے پیش کر کے مسلم اقوام وتہذیب کا چہرہ مسخ کر دیا جبکہ حقیقتاً اسلام سے زیادہ امن پسند اور انصاف وسکون کا علمبردار مذہب اور کوئی نہیں ہے۔“

”واقعی بنا پرکھے اور بغیر دیکھے ہم کسی بھی چیز کو کلی طور پر درست جج نہیں کر سکتے۔“ ماریا نے قائل ہونے والے انداز میں کہا۔

”Correct its all right“۔

”اسی لئے کہتے ہیں کہ انسان دوسرے انسان کے ذہن اور پرکھ پر نہ چلے بلکہ اپنے دماغ سے سوچے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اپنے ذہن سے فیصلہ کرے اور ماشاء اللہ آپ سب لوگ پڑھے لکھے باشعور ہو اچھے برے کی پرکھ رکھنے والے یہاں رہیں گے دیکھیں گے تو علم ہوگا کہ سنی سنائی میں کتنا جھوٹ اور کتنا سچ ہے۔“ ان کا گائیڈ بہت جذباتی انداز میں گویا ہوا۔

ان لوگوں کو تھوڑا تاسف ہوا کہ مذہب اور اس کے عقائد واثرات یقیناً ہر شخص کا قطعاً ذاتی مسئلہ ہے اور انہیں کھلے عام کسی کے بھی مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے سے احتراز کرنا چاہیے۔

”ہم سب معذرت خواہ ہیں سعید صاحب ہمارا مقصد نہ تو آپ کو ہرٹ کرنا تھا نہ دل آزاری پہنچانا، ہم نے محض ایک خدشہ ظاہر کیا تھا۔“ وہ لوگ بولے تو ٹور گائیڈ مسٹر سعید ملک بردباری سے مسکرائے۔

”ہر انسان کو آزادیٔ اظہار رائے کا پورا حق حاصل ہے اور خیال صرف یہ رہے کہ اپنا حق مثبت راہ میں استعمال کرے نہ کہ منفی، آپ کو میں ایک بار پھر یہی تسلی دینا چاہوں گا کہ پاکستان سے واپسی کے سفر میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق آپ کے خیالات اور ذہن یکسر بدل چکے ہوں گے اور ایک روشن خیال اسلام کا تصور آپ سب کے ذہنوں میں راسخ ہوگا۔“ وہ اپنی پرزور تردید کے ساتھ پھر بولے۔

”Its ok leave this topic یہ بتائیں کہ ہمارے گھومنے پھرنے کا کیا انتظام ہے اور کیا آئیڈیا ہے بتائیں تاکہ ہم اپنا ٹور شیڈول اسی ترتیب سے سیٹ کر سکیں۔“ ڈاکٹر آرتھر نے ان کی توجہ اولذکر قصہ کی جانب کروائی تو وہ پرسوچ انداز میں بولے۔

”یہ موسم بہار کا وسط ہے اور شمالی علاقہ جات جن میں شدید برفباری اور سردی کے باعث یہ مہینہ وہاں شدید اور سرد ہوگا، مئی جون مری سوات گلگت اور چترال وغیرہ کی سیاحت کے لئے موزوں ترین مہینے ہیں کیونکہ گرمیوں کے موسم میں وہاں کا موسم خوشگوار، سازگار حالات اور فضا قدرے خنک تر ہوتی ہے۔“

”مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس صرف ایک مہینہ ہے اور ہمیں اس ایک ماہ کو سامنے رکھتے ہوئے تمام پروگرام یوں ترتیب دینا ہے جس سے ہم اپنا ریسرچ ورک، تحقیقی تھیسس اور سیمینار اٹینڈ کرنے کے ساتھ سیاحت کا شوق بھی پورا کر سکیں خاص کر مغلیہ دور کے شہزادوں کی بنائی گئیں یادگاریں، تاریخی عمارتیں اور تاریخی وقدیم تہذیب وثقافت کے ساتھ جدید روایات کا پرستار شہر

لاہور دیکھنا اولین ترجیح ہے۔"

"پاکستان ٹورزم اور پنجاب ٹورزم ڈویلپمنٹ کے پاس ایسے بہت سے لیکچرز ہوتے ہیں جو کم عرصہ میں سفر کو آسان اور خوشگوار بنا دیتے ہیں ایسا ہے آپ کو کل تک ایک اچھا پیکج مہیا کرنے کا کچھ اچھا بندوبست کر کے بتاتے ہیں یہ نسبتاً بہتر رہے گا۔" سعید صاحب نے کہتے ہوئے اجازت چاہی تو وہ سب ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہوٹل کی لابی میں جانے لگے یہاں ان کے لئے شام کے کھانے کا پرتکلف اہتمام تھا، کھانا کھانے کے دوران وہ سب آپس میں کھانوں کی زبردست ورائٹی سے بھی لطف اندوز ہوتے رہے کسی بھی قسم کے خدشات کے برعکس فی الحال وہ خود کو مطمئن اور خوش محسوس کر رہے تھے۔

☆☆☆

نہ گھر بدلا تھا نہ رشتے سب وہی تھا مگر نہیں شاید سب ویسا نہیں تھا اس کا ادراک سنعیہ کو ابھی ابھی ہوا تھا، وہ اکیلی اتنے بڑے گھر میں جا کر محض ایک شخص کے رحم و کرم پر خود کو چھوڑنے کے حق میں نہ تھی سو بڑے آرام سے مما کے پاس رہنے کا فیصلہ سنا دیا، شہریار نے اس کی بات کو صاف الفاظ میں رد کر کے مما پپا سے گھر جانے کی اجازت چاہی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے گویا سنعیہ پہ اس کے حق کو تسلیم کر لیا تھا کیونکہ شادی سے پہلے ہی شہریار نے انہیں اپنے الگ گھر میں شفٹ ہونے کا فیصلہ سناتے ہوئے فضا اپنے حق میں ہموار کر لی تھی یہ کہہ کر کہ مستقل یہاں رہ کر سنعیہ کے رویے و عادات میں کسی قسم کی تبدیلی کی خواہش و امید رکھنا بیکار ہے، وہ کچھ عرصہ خان ولا سے دور رہے گی تو اس کے مزاج درست ہو جائیں گے، ویسے بھی شہریار اس کی بلاوجہ ہٹ دھرم طبیعت اور خوامخواہ کی ضد کے ہاتھوں سب کے بیچ میں رہتے ہوئے اپنی زندگی کا تماشہ نہیں بنوا سکتا تھا۔

اس لمحے سنعیہ کو اس شخص پہ بے طرح غصہ آنے کے ساتھ اپنی مجبوری و اہانت کا بھی شدید احساس ہوا تھا اور اس کا اظہار وہ مما کے سامنے کر گئی۔

"مما آپ نہیں جانتیں وہاں جا کر یہ شخص میرے ساتھ کیسا رویہ اپناتا ہے کتنا زچ اور بے بس ہو جاتی ہوں میں اور اب جب اتنے دن پپا اور آپ کے بغیر اکیلی رہونگی تو وہ کیا نہیں کرے گا۔"

"سنعیہ اپنا لہجہ درست کرو اب وہ شوہر ہے تمہارا اس کا احترام کرنا تمہارا فرض ہے اور کچھ نہیں کرتا وہ بہت سمجھدار اور ٹھنڈی طبیعت کا لڑکا ہے۔" مما نے سمجھایا۔

"مما پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ میں تنہا کیسے رہونگی۔" وہ ملتجی ہوئی۔

"Be brav sania تم اب بچی نہیں رہیں میرڈ ہو، گھر بار شوہر والی اور بیاہتا عورت کو ہر صورتحال فیس کرنے کا ہنر آنا چاہیے۔" مما پوری وکیل تھیں بھلا ان سے کون جیتتا دلائل بحث میں سو وہ بھی جھلا کر چپ ہو گئی بلکہ بہت حد تک خفا ہو کر گئی تھی شہریار کے ہمراہ۔

نئے گھر میں رہتے وہ بھلا کتنی کلفت کا شکار ہوتی رہنا تو تھا کہ یہ شہریار کا حکم تھا وہ اس کے تمام تر جملہ حقوق کا مالک تھا یہ اور بات کہ ابھی تک اس سے ایک مخصوص فاصلہ اور روڈ رویہ اختیار کیے ہوئے تھا مطلب صاف یہی تھا کہ سنعیہ اگر خوشی سے اسے کوئی حق تفویض کرنے پر تیار نہ تھی تو

ایسی بیقراری مطلب اسے بھی نہ تھی، اس کا Be haveior دیکھ کر سنعیہ کا اس کی موجودگی میں بھاگنے کو دل کرتا مگر ڈر اور خوف کے مارے وہ الگ کمرے میں بھی نہ سو سکتی تھی سوائے اسی کمرے میں سونا پڑتا مگر صوفے پر خود شہریار بڑے آرام اور استحقاق سے بیڈ استعمال کرتا، اسے مروتاً بھی اوپر آ کے سونے کو نہیں کہا تھا کسی دن، مارے باندھے سکڑی سمٹی آدھی سوئی آدھی جاگی وہ ایک کروٹ پہ لیٹی غصہ، چڑ، اکتاہٹ اور بیزاری سے تنگ آ جاتی تو دل چاہتا پورے بیڈ کے عین درمیان میں قبضہ جما کر لیٹے اس بے حس شخص کو دھکا دے کر زمین پر پھینکے اور آرام سے خود سو جائے مگر آہ سوچنے اور کرنے میں کتنا فرق ہوتا ہے، اسے ابھی ابھی پتا چلا تھا سب برداشت کرنا اور کچھ نہ کہہ سکنا اگر کہہ بھی دیتی تو کیا ہوتا پھر بھی کوشش کرنے میں حرج کیا تھا، یہی سوچ کر ایک دن وہ بڑے دھڑلے سے شہریار کے گھر آنے سے پہلے ہی بیڈ پر قابض ہو کر بیٹھ گئی، کھانے پکانے کی تو ویسے بھی فکر نہ تھی اسے کہ ابتک ہر روز وہ خاندان یا عزیز و اقارب میں کہیں نہ کہیں دعوت پہ مدعو ہوتے تھے اگر ہلکا پھلکا ناشتہ ہوتا بھی تو مما کی بھجوائی ہوئی ملازمہ تیار کر دیتی، اس کا پورا دن ٹی وی دیکھتے، نیٹ چیٹنگ کرتے یا میگزینز پڑھتے گزرتا، سو شہریار کی جانب سے فی الحال تنہا رکھنے اور فاصلہ برقرار رکھنے کے علاوہ اس پہ کوئی سختی نہ تھی، وہ ٹی وی دیکھتی ہوئی شہریار کے کمبل میں لپٹی سکون سے بیٹھی تھی جب پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز سنائی، ٹی وی کا والیم سلو کرتے ہوئے اس نے جان بوجھ کر آنکھوں پر یوں بازو رکھ لیا تھا جیسے گہری نیند سو رہی ہو۔

اپنا کوٹ کاندھے پر ڈالے ایک ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا شہریار اندر داخل ہوا تو پہلی نگاہ ہی صوفے پر پڑی جو سنعیہ کی مخصوص جگہ تھی اور وہ ہر روز ریموٹ تھامے وہیں بیٹھی ملتی، مگر آج وہ وہاں نہیں تھی، شہریار کوٹ کندھے سے اتار کر صوفہ پر پھینکتا بیڈ کی طرف پلٹا تو پل بھر کو قدم بے ساختہ رکے اور نگاہیں تحیر زدہ ہوئیں، ڈیپ ریڈ کلر کا فلیپر اور اسی کلر کی کام سے مزین لانگ شرٹ پہنے قاتلانہ دلفریبی لئے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ وجود کا کچھ حصہ کمبل کے اندر کچھ باہر آنکھوں پر بازو رکھے وہ سو رہی تھی یا ایکٹنگ کر رہی تھی شہریار نے محض کچھ پل ہی دیکھا تھا اسے پھر اس کے قریب پڑا ریموٹ اٹھا کے والیم تیز کیا اپنا موبائل اور والٹ نکال کر بیڈ کے سائیڈ دراز پہ رکھا اور ڈریسنگ روم کا رخ کیا، چینج کر کے منہ ہاتھ دھوئے واپس اپنے کمرے میں آیا تو سنعیہ کی بیڈ پہ موجودگی اور پوزیشن ہنوز قائم تھی، خود سنعیہ بازو کے نیچے سے ذرا سی آنکھیں نیم وا رکھے اس کی حرکات و سکنات بہ غور ملاحظہ کر رہی تھی کہ وہ بیڈ کی طرف بڑھا تو دل تھم سا گیا، اگلے ہی لمحہ شہریار نے اس کی آنکھوں پہ دھرا بازو پرے کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تمہیں ابھی تک پتا نہیں چلا کہ میں آ چکا ہوں اٹھو اور کھانا لاؤ۔"

"ملازمہ سے کہیں مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ بیزار سے لہجہ میں کہہ کر کمبل چہرہ پہ ڈالنے لگی تو شہریار نے کمبل کھینچ کر پرے پھینکا تھا۔

"میں تم سے کہہ رہا ہوں دیواروں سے باتیں کرنے کا شوق نہیں ہے مجھے۔"

"میں بھی آپ سے کہہ رہی ہوں ہوا میں تیر نہیں چلا رہی۔" وہ دوبدو بولی۔

"شوہر کو کھانا دینا بیوی کا فرض ہے نہ کہ ملازمہ کا اٹھو کھانا لاؤ۔" شہریار نے بچوں کی طرح

بچکارا، سعیہ کو انھوں نہ اٹھوں والی کشمکش کا شکار ہونا پڑا پھر جانے کیا سوچ کر باہر نکلی اور ملازمہ کو آواز دی۔

"عابدہ کہاں ہو تم کھانا لاؤ۔"

"کھانا بی بی صاحب کچھ پکا تو ہے نہیں کہاں سے لاؤں۔" ملازمہ نے مژدہ سنایا۔

"کیا مطلب پکا نہیں تم کیا اعتکاف میں بیٹھی تھیں۔" اس نے سارا غصہ اس غریب پہ انڈیلا۔

"بی بی جب آپ کی کہیں دعوت نہ ہو اور شام کا کھانا گھر پر ہو تو شہری صاحب پکانے کو کچھ نہ کچھ منگوا کر دیتے تھے، آج نہ انہوں نے کچھ بھیجا نہ گھر میں کچھ تھا۔" وہ منمنا کر بولی۔

"اچھا تم جاؤ اپنے کوارٹر میں خود ہی بازار سے کچھ لے آئیں گے۔" وہ اسے فارغ کر کے اندر آئی۔

"ایسا کریں آپ بازار سے کچھ لے آئیں گھر میں تو کچھ پکایا نہیں ملازمہ نے۔" وہ آرام سے کہتی صوفے پر بیٹھی اور چینل سرچنگ میں مصروف ہو گئی۔

"ملازمہ نے نہیں پکایا اور تم کیا کر رہی تھیں؟" شہریار کو بے طرح غصہ آیا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" سعیہ نے تیکھے چتونوں سے دیکھا۔

"وہ مطلب جو تم سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہتیں، مائینڈ یو اب تم میری بیوی ہو اس گھر کی ذمہ داری معہ میرے کھانے کپڑے سے لے کر تمام امور تک تم پہ ہے نہ کہ تم کلی اختیار ملازمہ کو سونپ کر خود شو پیس بن کر بنی سنوری ٹی وی دیکھتی ملو۔" وہ اس قدر طنزیہ اور دوٹوک انداز میں بولا کہ سعیہ تلملا کر رہ گئی۔

"یہ شادی محض ایک سمجھوتہ ہے میرے لئے، ایک ناپسندیدہ کام جسے بہت سی مصلحتوں اور مجبوری کی بناء پر قبول کیا تھا میں نے اس میں آگے کچھ بھی ماننے کے لئے یا کرنے کو میں آپ کے حکم کی پابند نہیں ہوں۔" وہ چیخ کر بولی۔

"مجبوری میں اور بھی بہت کچھ امر آتے ہیں کیونکہ نکاح صرف ایجاب و قبول کا مرحلہ نہیں اس رشتے کی سب سے بڑی حقیقت بیوی کے ذمہ شوہر کی خدمت ہے اور تمہیں یہ ڈیوٹی نبھانی پڑے گی۔" اس کی خفگی کو خاطر میں لائے بغیر وہ جتاتے ہوئے بولا۔

"میں اپنی زندگی صرف اپنی مرضی سے گزارنے کی عادی ہوں اور کسی کو اپنے معمولات میں دخل اندازی کی اجازت بالکل نہیں دوں گی۔" اپنے تئیں اس نے بڑا مضبوط اور بہادرانہ لہجہ اپنایا تھا مگر اگلے ہی منٹ اس کی ساری مضبوطی اور بہادری جیسے ہوا بن کر اڑ گئی جب شہریار نے اس کا بازو سختی سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

"پہلے حالات خواہ کچھ رہے ہوں اب تم صرف میری وائف ہو اور میرے گھر میں وہی کرو گی جو مجھے پسند ہے کیونکہ ہمارے مابین ایک شرعی رشتہ ہے اور شریعت بیوی کو شوہر کا پابند کرتی ہے، یہ بات مجھے دوبارہ دہرانی نہ پڑے ورنہ مجھے گھر گرہستی تم پہ لاگو کرنے کے اور بھی طریقے آتے ہیں۔" بے مہر تاثرات سرد و سپاٹ لہجہ، دھوکہ باز اور سنگدل، مکارانہ ذہنیت کا حامل محض یہ تھا اس

کا شریک سفر، شہزادیوں جیسی آن بان رکھنے والی نازک اندام سعیہ جس کی خوش قسمتی پر سب رشک کر رہے تھے، وہ اس پل اس لمحے کیسی بے بس تھی کوئی دیکھتا آ کر اس کی آنکھیں دھندلی ہونے لگیں کیا سلوک کر رہا تھا، وہ اس کے ساتھ سعیہ خان جو صرف اب بیوی تھی پہلے اس کی بہت اچھی دوست تھی کزن تھی جسے شہریار کسی بھی رشتے یا تعلق کے حوالے سے توجہ، مان اور عزت دینے پر تیار نہ تھا، بلکہ اپنی سنگدلانہ اور بے مہر طبیعت کے ذریعے اس کی سوچ اور ذہن کے سب زاویے شفاف طبع سے چڑچڑے اور ملال زدہ کرنے پر تلا ہوا تھا، کیسے بکھیر رہا تھا اسے کہ سمیٹنے کی کوئی کوشش بھی مفقود تھی، مجبوری اور مصلحت کی خاطر قبول کیے گئے اس فیصلے نے اسے مہرہ بنا کر شہریار کے ہاتھوں میں تھما دیا تھا یہاں روز خود کو نئے سرے سے بکھرتے اور ریزہ ریزہ ہوتے دیکھنا تھا۔

وہ یک لخت ٹھنڈی اور خاموش ہو کر صوفے میں دھنس گئی اور شہریار نے اس پسپائی کو جانچا تھا تو اک سکون اور طمانیت آمیز پر لطف کیفیت اس پہ غالب آنے لگی اس کی سلگتی مردانہ انا کو جیسے چین اور ٹھنڈک محسوس ہوئی۔

"کیا تھی یہ زندگی سراسر ڈرامہ، دھوکہ، فراڈ اپنی ہر لحظہ توہین اور استحصال دیکھنا سہنا پھر سب کے سامنے سب اچھا ہے کا امیج برقرار رکھنا سعیہ کے اندر کوئی رویا تھا، خاندانی تقاریب اور اپنی بیاہتا کزنز کے خالص خواتینی سوالات ہر بار ہر ملاقات پر کچھ چھیڑ چھاڑ، پوچھ تاچھ اور وہ اپنی اداسی، ناگواری، بے بسی کو ہلکی مسکراہٹ کے پردے میں چھپائے اس شخص کا بھرم رکھا کرتی تھی اس سے زیادہ اپنا اور حقیقت میں اس کو شہریار کی طرف سے نہ قربت کی نرمی و گرمی میسر تھی نہ محبت و اپنائیت کا احساس بلکہ ہر لحظہ اس کی عزت نفس کو مٹاتا مقدور بھر ہتک کرتا وہ اس پہ زندگی کتنی تنگ کر رہا تھا، وہ کیسے بتاتی کہ اکلوتی غمگسار صبا بھی ان دنوں مصروف تھی سعیہ کے بوتیک کا سارا کام وہ دیکھ رہی تھی اور سعیہ خود کو بے بسی کی انتہا پہ محسوس کرتی کوئی ہمدرد کندھا ڈھونڈ رہی تھی جس کے اوپر سر رکھ کر بہت سا رو سکے۔"

محبت کیش اسیری سے رہائی مانگتے رہنا
بہت آساں نہیں ہوتا جدائی مانگتے رہنا
ذرا سا عاشق کر لینا ذرا سی آنکھ بھر لینا
عوض اس کے مگر ساری خدائی مانگتے رہنا

☆☆☆

بہت اچھی ڈریسنگ نفاست سے کیا گیا ہلکا میک اپ اور فلیٹ شوز پہنتے ہوئے وہ حجاب پہنتی آئینے میں یکبارگی اپنا جائزہ لے کر مڑی تو جویریہ اور ربیعہ کو اپنے جانے کا بتا کر کچھ لمحے امی کو کھڑی دیکھتی رہی پھر اک گہرا سانس لے کر ان کے دائیں ہاتھ کو پکڑ کر چوما اور بیرونی دروازہ پار کرنے لگی اسی پل شہباز لڑکھڑاتا ہوا اندر داخل ہوا تھا، اریبہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی لہرا گئی خوشی کی وہ فوراً اس کے آگے ہو کر بولا۔

"ارے آپی بڑے دنوں بعد دکھائی دی ہو۔"

"میں تو دنوں بعد دکھائی دے جاتی ہوں تم مہینوں بعد بھی نظر آنے سے گئے۔" اریبہ نے

ناگواری سے دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجہ میں کہا۔
"کیا کریں اپنے پاس ٹائم نہیں ہوتا، تم بتاؤ کدھر جا رہی ہو اتنا سج سنور کے۔" شہباز کا لہجہ اور انداز ایسا لو دینے والا تھا کہ وہ تپ گئی۔
"بکواس مت کرو، راستے سے ہٹو، مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔"
"کچھ پیسے دیدو، مجھے پڑیا لینی ہے۔" شہباز نے جیسے اس کی بات سنی نہ تھی۔
"شہباز تنگ مت کرو، میرے پاس چینج نہیں ہے۔" وہ بمشکل تحمل سے بولی۔
"ارے بندھے دیدو، تمہارا بھائی ہوں کون سا غیر ہوں۔" وہ گڑگڑایا۔
"بھائی ہو مگر بھائیوں جیسا احساس ذمہ داری اور غیرت مر گئی ہے تمہارے اندر سے، غیر نہیں مگر غیروں سے بدتر ہو گئے ہو اور......"
"اتنا اوکھا ہونے کی ضرورت نہیں، آرام سے پیسے نکالو ورنہ ابھی سارے محلے میں جھنڈا لگا دوں گا تمہارا، جو روز بن سنور کر یاروں سے ملنے جاتی ہو۔" اسی پل محلے کی دو خواتین گھر کے اندر داخل ہوئیں وہ اکثر نجمہ بیگم کا پتا کرنے آتی رہتی تھیں اب بھی اسی غرض سے آئی تھیں ان کے سامنے ایسا واضح توہین آمیز فقرہ وہ بھی سگے بھائی کے منہ سے اریبہ کو جیسے یکدم شدید اہانت و اشتعال نے سرخ کر دیا اور اس نے دفعتاً ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر جڑ دیا وہ لڑکھڑا کر پرے جا گرا۔
"تمہیں ڈوب مرنا چاہیے پتا نہیں لوگ کیوں بیٹوں کی دعائیں کرتے ہیں، بیٹیوں پہ انہیں ترجیح دیتے ہیں اور تم مر جاتے نہ معاذ کی جگہ تو اچھا ہوتا کیا سہارا ہے ہمیں تمہارا، ارے بدبخت بھائی تو بہنوں کا سائبان ہوتے ہیں، تپتے سلگتے حالات میں انہیں سکون، عافیت دینے والے ایک تم ہو زمانے بھر کے آوارہ، لفنگے چور، اچکے تمہیں معلوم نہیں بہنیں کن حالات کو سہہ رہی ہیں کیسے گھر کا گزارہ ہوتا ہے، ماں کتنی بیمار اور ذہنی امراض کی کس سٹیج پر ہے ہمارے مالی حالات کیا ہیں مگر تم یہ سب کیوں سوچو گے تمہیں تو صرف اڑانے اور اجاڑنے کا ہوکا ہے باقی کوئی مرے جیئے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے تم کون سا بصارت رکھتے ہو کہ تمہیں بھوکے پیٹ کمزور وجود دکھائی دیں کون سا تمہاری سماعتیں سلامت ہیں کہ تمہیں معصوم بہنوں کی آہیں یا بوڑھی ناتواں ماں کا نوحہ سنائی دے، تم تو دیکھنے سننے، سوچنے سمجھنے کی سب حسوں سے محروم ہو بلکہ ساتھ بے غیرت بھی ہو چکے ہو...... تم تھے جسے اچھا مستقبل دینے کی خاطر میں نے گھر سے باہر قدم نکالے تھے نوکری کے لئے، در در کی ٹھوکریں کھائیں، اپنوں غیروں کے طعنے سنے اچھا برا سہا اور تم کیا نکلے، تم کیا لاج رکھ رہے ہو میرے تلاش رزق میں اٹھے قدموں کی خواری کی، بیچ بازار میں کھڑا کر کے میرے سر سے چادر کھینچ رہے ہو، تم بھائی نہیں زمانہ جاہلیت کے فرعونوں سے برے ہو بہت برے، تم کیوں اذیت بن گئے ہو ہمارے لئے، تم مر کیوں نہیں جاتے کیوں ہماری جان نہیں چھوڑتے......"
بے تحاشا لگاتار بولتی اس کا گریبان جھنجھوڑتی وہ اسے مارتی گئی ہانپنے لگی تو اسے زمین پر گرے ٹھوکر لگاتے بہتے آنسوؤں کے درمیان بولی تھی۔
"گھر کی ہر قیمتی شے تم اپنے نشے اور جوئے کے پیچھے بیچ چکے ہو اب سوائے ہم تین جانوں

کے یہاں کچھ نہیں رہا، اس سے پہلے کہ تمہاری بدبختی یہ نوبت ہم تک پہنچا دے، تم چلے جاؤ اس گھر کو چھوڑ کر، بخش دو ہمیں، ہماری زندگی ہماری خوشی یا اس گھر کو سکھ پہنچانے کے لئے کچھ اچھا نہیں کر سکتے تو اتنا برا تو مت کرو، میں آخر تمہاری بہن ہوں اگر اس گھر میں تڑپتی جانوں کے لئے کچھ کر رہی ہوں تو اس کو میرے لئے تہمت اور گالی مت بناؤ میرے پاؤں تو پہلے بہت لہولہان ہیں میرے راستوں پہ اور کانٹے نہ بکھیرو، میں پہلے کون سا سکھ میں ہوں، زندگی کو میرے لئے اور مشکل مت بناؤ، رحم کرو مجھ پر۔" وہ دونوں ہاتھ باندھے زاروقطار روتی بولی تو شہباز کو زبردستی کھینچ کر جویریہ اور ربیعہ نے پرے کیا پھر اسے چپ کرانے لگیں۔
"آپی پلیز خود کو ہلکان مت کریں اٹھیں اندر چل کر منہ دھولیں۔"
"کیوں کرتا ہے یہ ایسا کیا دیکھتا ہے، کس لئے ہمارے صبر کو آزماتا ہے۔" وہ بے طرح سسکتے ہوئے بولی تو جویریہ نے اک گہرا سانس بھرا۔
"نشے کی عادت نے اس کی آنکھوں سے حیا اور باتوں سے لحاظ ختم کر دیا ہے، بے حیا اور بدلحاظ بندہ کچھ بھی کہہ سکتا ہے جب رشتوں کی پہچان کھو جائے تو کیا رونا کیا واویلا کرنا، چھوڑیں آپ خوامخواہ میں صبح صبح برا شگون لے بیٹھیں، آفس سے الگ لیٹ۔"
"آفس اب کیا جانا تم ایسا کرو کہ میرا موبائل لاؤ میں اپنی طبیعت خراب ہونے کا بتا کر لیٹ ہونے کا بتاتی ہوں۔" اریبہ اٹھتی ہوئی اندرونی حصے کی جانب بڑھی۔
"برا نہ ماننا بیٹی بھلے وہ نشئی یا جواری ہے، ہے تو تیرا بھائی ناں اور بھائیوں کو ایسے منہ بھر بھر کر بددعائیں نہیں دیتے کسی وقت کا کہا سنا آنکھوں کے آگے آجاتا ہے۔" اس کی والدہ کے پاس بیٹھی انہی عورتوں میں سے ایک بولی تو اس کے ہونٹوں پر ایک زخمی مسکراہٹ پل بھر کو جھلک دکھا کر معدوم ہو گئی۔
"خالہ قسمت جتنا برا ہمارے ساتھ کر چکی ہے اور جتنا برا کر رہی ہے اس سے زیادہ برا کیا ہو گا۔" وہ قسمت سے شاکی لہجہ میں بولی۔
"آئے ہائے پگلی ایسا نہ کہہ اللہ ناراض ہوتا ہے۔" دوسری عورت بولی۔
"اللہ تو کب سے ناراض ہے ہم سے اور ایسا ناراض کہ ہماری سب خوشیاں، سکھ اور مسکراہٹیں لے لیں، آنسو دیے، محرومیاں دیں، افلاس و غربت دی، ماں کو ذہنی امراض کا شکار کر دیا، بھائی کو نشئی جواری، اب زیادہ سے زیادہ کیا برا ہو گا، اللہ کے ناراض ہونے سے مر جائے گا وہ میرے کہنے سے مر جائے، زندہ ہو کے کون سا خوشیوں کے انبار لگا رہا ہے، ہمارے لئے۔" اس کا لہجہ حد درجہ تلخ تھا۔
"اکو اک بھائی ہے باجی ایسے تو نہ کہو۔" ربیعہ دہل کر بولی تو وہ سر جھٹکتی جویریہ سے موبائل لے کر آفس کال کرنے لگی۔
"او کے مس اریبہ آپ کی اچانک خرابی طبیعت کا عذر ہم مانتے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کو فوراً آفس پہنچنا پڑے گا کیونکہ آج بہت اہم کاروباری میٹنگ ہے پھر کمپنی کی مالک و انچارج آج خود آفس کا دورہ کریں گی آپ کا جاب پر حاضر ہونا آپ کی مستحکم پوزیشن کے لئے بہت اہم

ہے۔"

اس کے ایکسپوز کو سن کر جس قدر رسان اور شائستگی سے اگلی بات کہی گئی وہ خود کو ڈھیلی پڑتی محسوس کرنے لگی اور ڈھلے ہوئے چہرے پر ہلکا بف کر کے پھر سے تیار ہو گئی وہ آفس پہنچی تو کمپنی کا معمولی سے لے کر خاص عملہ تک تمام لوگ مستعد اور چاق و چوبند تھے، اسے پہنچے کچھ ہی دیر ہوئی تھی جب کمپنی کے ایم ڈی تشریف لائے تھے، اسے پورا مہینہ ہو گیا تھا آفس آتے لیکن کمپنی کے ایم ڈی سے براہ راست ملاقات کا یہ پہلا موقع تھا اور برانچ منیجر بطور خاص اسے ایم ڈی سے ملوانے مین آفس لائے۔

"سر یہ سارا ڈیٹا مکمل ہے اور تمام آنیشل اور نان آنیشل، جن کمپنیز کی ڈیل ڈن ہو گی میٹنگ کے بعد تو پریزینٹیشن لیٹرز ایشو کر دیے جائیں گے۔"

فیروز نظامی صاحب تفصیلاً بولے تو ایم ڈی صاحب کمپیوٹر پہ جھکے جھکے بولے تھے۔

"ہوں آپ بیٹھیں پلیز، میں دیکھتا ہوں۔"

برانچ انچارج، فیروز نظامی صاحب نے اریبہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا پھر خود بھی بیٹھے۔

"کئی ملٹی نیشنل کمپنیز ہمارے مقابلے میں اچھی انوسٹمنٹ کرنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن یہ لانچنگ ہمارے نام ہی ہونی چاہیے۔" مخصوص مالکانہ رعب داب سے پرسوچ میں کچھ ڈوبا سا لہجہ پھر ابھرا تھا۔

"سر آپ فکر ہی مت کریں، بزنس پوائنٹ آف ویو کے حوالہ سے آپ کی دونوں کمپنز کی مارکیٹ ویلیو اپر لیول پر ہے پھر جن کمپنز کے شیئرز ہمارے ساتھ ہوتے ہیں، ان کا پرافٹ تخمینہ بھی زبردست ہے۔" منیجر صاحب بولے۔

"سو تو ہے، مگر ہمارے ورکرز کی سپورٹ، محنت اور لگن نے بھی اس مقام تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔" وہ ویب سائٹ چیک کرتے ہوئے بولے جبکہ اریبہ ان دونوں کی گفتگو سے یکسر بے نیاز اپنے الجھے ذہن کے ساتھ لگژری اسٹائل کے سجے اس شاندار آفس کو دیکھ رہی تھی جو بہت کشادہ ہونے کے ساتھ اعلیٰ معیار کے فرنیچر سے بھی آراستہ تھا، آفس کا انداز سجاوٹ و نفاست واقعی اپنے مالک کے شاہانہ مزاج و حیثیت کی گواہ تھی۔

"سر آپ کی کامیابی اور اس کی مورل سپورٹ کو اتنی انکساری سے تسلیم کرنا ہی شاید مزید کامیابیوں کی دلیل ہے۔"

"انسان ہمیشہ وہی بہترین کا حقدار رہتا ہے جو بہتر پر بنا مغرور ہوئے بنا کسی کو لیٹ ڈاؤن کیے مزید اچھے کے لئے کوشش کرتا ہے، اینی وے آپ یہ فائلز دکھائیں مما بھی کچھ دیر تک پہنچنے والی ہوں گی اور باقی شرکاء بھی یقیناً آدھ گھنٹہ تک موجود ہوں گے۔" وہ اٹھ کر ان کی جانب بڑھے تو قدم جیسے ٹھٹک سے گئے۔

بڑی نفاست سے کیے گئے میک اپ میں نفیس سی ڈریسنگ کے ساتھ بے حد ملکوتی حسن کا احساس دلاتی دراز قد لڑکی یقیناً اس میں کچھ خاص تھا جو پہلی نظر میں دیکھنے والی نگاہوں کو پلک نہ جھپکنے دیتا اور ایک عجیب بے چین کرنے والا تاثر ابھرتا۔

"یہ؟" انہوں نے لمحہ بھر میں ہی اپنے متاثر ہو جانے والے تاثرات چھپا کے پوچھا، تو میز کے دوسری جانب بیٹھے فیروز صاحب مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

"یہ مس اریبہ اشفاق ہیں جو الیس کے کمپنی سے مائیگریٹ ہو کر اسی ماہ ہمارے ہاں اپائنٹ ہوئی ہیں اور مس اریبہ یہ ہماری کمپنی کے منیجر ڈائریکٹر شہریار خان۔"

"اوہ یاد آیا، ان کی سی وی دکھائی تھی مما نے مجھے، ماسٹرز شاید ابھی آپ کا انڈر رزلٹ ہے اگر میں غلط نہیں تو......" وہ اپنی سیٹ پہ بیٹھے تو اریبہ نے بمشکل جی کہا، وہ تو اتنے ہینڈسم، ڈیشنگ اور ینگ سے مالک کو دیکھ کر حقیقی معنوں میں پریشان ہو گئی، اسے رئیسانہ حیثیت کے بگڑے اور اوباش امیر زادے ہمیشہ خوف زدہ کر دیتے تھے، بظاہر اچھا نظر آنے والا یہ شخص کیسا ہو گا؟ اس کے دل میں یکدم بہت سے خدشات نے سر ابھارا تھا کہیں ایسا نہ ہو اس جاب سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں۔

"یا اللہ تو اس بندے کو میرے معاملہ میں راست ہی رکھنا۔" اس نے چپکے سے دعا کی۔

☆☆☆

پاکستان ٹورزم اور پنجاب ٹورزم اینڈ ڈویلپمنٹ کی جانب سے انہیں ایک اچھا بہتر اور آسان ترین پیکج مل چکا تھا جس میں ان کے یہاں میڈیکل وفد کی ریسرچ و تحقیقی مصروفیات سیمینارز اور میٹنگ میں شرکت کے ساتھ سیاحت کے لئے ایسا شیڈول بتایا گیا تھا کہ وہ اپنا تھیس ورک مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ پورے پاکستان کی سیر بھی کر سکیں، پہلے ہر ہفتہ میں چار دن ان کے کام کے حوالہ سے اہم تھے تو بقیہ تین دن سیاحت کے لئے۔

سیاحتی پیکج ان کے ورک شیڈول کو مدنظر رکھتے ہوئے ترتیب دیا گیا تھا اور ہر مقام کے حوالہ سے سعید صاحب کے علاوہ ایک مقامی گائیڈ کی سہولت بھی ان کے لئے موجود تھی تا کہ کہیں بھی کچھ خریدنے، پوچھنے یا جاننے میں زبان و بیان کی دشواری حائل نہ ہو، ان سب کو یہ پیکج اپنی سہولیات و مصروفیات کے حوالہ سے بہت پسند آیا اور متفقہ طور پر اسے اوکے کر دیا گیا۔

ان کا پہلا سیمینار نیشنل یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے آڈیٹوریم میں منعقد ہو رہا تھا، جس میں ان کے علاوہ کئی اور ممالک کے میڈیکل وفود بھی شرکت کر رہے تھے ان کی اس ریسرچ و تحقیق کا مرکزی موضوع چونکہ دنیا بھر میں تیزی سے پھیلتی خطرناک بیماری ہیپاٹائٹس سی اور گردوں، جگر پتہ کے امراض تھے، جن کے اسباب و وجوہات کے ساتھ، بچاؤ کے حفاظتی اقدامات اور اپنے اس سلسلے میں کیے گئے ریسرچ ورک سے خاص و عامتہ الناس کو آگاہی دینا تھا، سو ہر ملک کے مشہور تعلیمی ادارے اس ضمن میں بھرپور تعاون کر رہے تھے ان کے ساتھ پاکستان میں بھی اسلام آباد کے تعلیمی اور صحت کے ادارے کسی بھی قسم کی ردوکد کے بغیر ان کے ساتھ سیمینار آگاہی صحت و صفائی پروگرام کا ہر ممکن انعقاد یقینی بنا رہے تھے۔

نیشنل یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کی طرف سرکاری سیکورٹی کے ہمراہ روانہ ہوتے ہوئے تمام لوگ خاصے پرجوش تھے عورتوں کے لباس کے متعلق انہیں اپنے قونصل خانے کی جانب سے پہلے ہی خصوصی ہدایت تھی سو سب خواتین پورے ملبوس میں تھیں، کشادہ سڑکیں، سرسبز جنگلات اور حسین ترین ولوز جدید و روایتی طرز سے مزین عمارات وہ سب متاثرانہ انداز میں اس خوبصورت

شہر کے نظاروں کو دیکھ رہے تھے اور اس کا اظہار بھی کر رہے تھے۔

''بلاشبہ اسلام آباد دنیا کے خوبصورت ترین دار الحکومتوں میں سے ایک ہے، اسلام آباد کا محل وقوع کچھ یوں ہے، مشرق میں کوٹلی ستیاں اور مری کا خوبصورت علاقہ واقع، شمال مشرق میں مری اور کہوٹہ واقع ہیں، شمال مغرب میں پائے جانے والے ملحقہ علاقہ جات میں ٹیکسلا، واہ کینٹ اور ضلع اٹک ہیں جنوب مشرق میں گجر خان، کلر سیداں، روات اور مندرہ وغیرہ کے علاقہ جات کی حدیں جبکہ جنوب مغرب میں قدیم شہر راولپنڈی واقع ہے، اسلام آباد اور راولپنڈی کے درمیان ایک روڈ جسے پیرودھائی روڈ کہتے ہیں دونوں شہروں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے ان دونوں شہروں کو جڑواں شہر بھی کہا جاتا ہے جبکہ یہ شہر پنجاب کے مغرب میں صوبہ سرحد سے بھی جا ملتا ہے۔''

ان کے گائیڈ سعید صاحب بڑی روانی سے انگلش بولتے ہوئے انہیں بتا رہے تھے۔

''یہ وہ علاقہ تو نہیں ہے شوسیالوجی کے متعلق جہاں پر وسطی ایشیا سے آنے والے آریاؤں نے پڑاؤ ڈالا۔'' جیفر لوسن نے پوچھا۔

''Exetlly بلکہ اسی راستہ سے آتے ہوئے تمام حملہ آوروں نے ہندوستان کے شمالی اور شمال مغربی علاقوں پر حملہ کیا، اس شہر کے ایک کنارے پر قدیم انڈس ویلی کی تہذیب کے نشانات ہیں۔'' سعید صاحب نے تفصیلاً بتایا۔

''کیا ہم تھوڑا ٹائم نکال کر راستے میں نظر آتے مناظر براہ راست دیکھتے گزر سکتے ہیں۔'' فطری صناعیوں کی عاشق ماریا جوزف پر شوق لہجہ میں بولی۔

''یقیناً دیکھ سکتے اگر لیٹ ہو جانے کا خدشہ نہ ہوتا، واپسی کچھ جلد ہوگئی تو آپ کو راستے میں کچھ نہ کچھ دکھا دیں گے۔'' ان کے ڈرائیور کا لہجہ بھی شستہ انگریزی والا تھا۔

یونیورسٹی میں وائس چانسلر سے لے کر سٹوڈنٹس تک سب انہیں پھول تھاتے ایک خوشگوار مسکراہٹ لیے ملے ماریا کی دلچسپی کا مرکز طالبات تھیں جو جدید مغربی لباس سے لے کر جدید مشرقی پہناوے کے ساتھ حجاب واسکارف اوڑھے بھی تھیں اور اپنے ساتھی سٹوڈنٹس سے خوش گپیوں میں بھی مصروف تھیں اور یہ یقیناً ایک جدت پسند اسلامی معاشرے کی تصویر تھی، جو اسے قدرے حیران کر رہی تھی کیونکہ یہاں اکا دکا لوگوں کو چھوڑ کر تمام لڑکے یا مرد کلین شیوڈ تھے، وہ اس سلسلے میں اپنے اندر ابھرتے سوالات وتحیر کو دور کرنا چاہتی تھی مگر سیمینار شروع ہو جانے کی وجہ سے یہ خواہش دل میں دبائے وہ ڈائس پر بولتے سکالرز، دانشوروں، محقق و عالمی ریسرچرز کو سننے لگی، طب اور اس سے وابستہ ہر قسم کا مواد اس کے لئے دلچسپی سے یکسر ناپید تھا، اسے نہ تو عجیب وغریب قسم کی بیماریوں کے متعلق جاننے کا اشتیاق تھا نہ ہی سمجھ میں نہ آنے والی احتیاطی تدابیر وعلاج سے غرض تھی، لیکن یہاں بیٹھے رہنا بھی اس کی مجبوری تھی کہ بہر طور وہ اس وفد کا ایک رکن تھی اب خود وہ بھلے کسی مقصد سے آئی ہو اس کی روانگی وموجودگی اسی حیثیت سے تھی اور اس حیثیت سے تمام نہ سہی کچھ نہ کچھ تو اسے برداشت کرنا تھا، سو وہ بڑے صبر سے تمام مقررین کو سنتی رہی اور تقریب کے اختتام پر ایک اچھے میوزک پیریڈ کا اہتمام تھا کچھ جدید سنگرز جو اپنے مشہور گانے پرفارم کر رہے

تھے پھر ایک بہترین لنچ جو سہ پہر ہونے کی وجہ سے برنچ میں بدل چکا تھا، سب کو ایک تو بھوک شدید لگ رہی تھی کچھ کھانوں کا ذائقہ ایسا مزیدار اور ورائٹی اتنی خوش رنگ کہ سب نے اپنی استطاعت معدہ سے بھر کر کھایا پھر کوک مشروبات سے ہضم کرنے کی کوشش کی، ڈاکٹر نزہت جو اس سیمینار کو اٹینڈ کرنے خصوصی طور پر لاہور سے پہنچی تھیں سب کو اپنی دلچسپ باتوں اور چٹکلوں سے ہنسا رہی تھیں۔

پھر جانے سے پہل ان سب نے یونیورسٹی کو گھوم پھر کر دیکھا مرکزی لائبریری اور تمام ڈیپارٹمنٹس نایاب طرز تعمیر کا نمونہ تھے وہ یونیورسٹی سے نکلے تو آس پاس کی مساجد سے اذان عصر کی خوش الحان صدائیں سماعتوں کو عجیب ساسحر عطا کرنے لگیں۔

ماریا جوزف نے بے اختیار اپنے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا اشارہ کیا تھا اور اپنی سائیڈ کا دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل آئی۔

اللہ اکبر ، اللہ اکبر
اللہ اکبر ، اللہ اکبر
اشھد ان لا الہ الا اللہ
اشھد ان لا الہ الا اللہ
اشھد ان محمد رسول اللہ
اشھد ان محمد رسول اللہ

کس قدر حسین تھے یہ الفاظ، کتنی دلنشین پکار تھی جس کو سنتے ہوئے اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو رہا تھا کوئی مہر و محبت سے معمور چیز دل و دماغ کے بند دروازوں پر دستک دے رہی تھی، اس کا شعور ماضی کے لاشعور میں کہیں دور مگن ومدغم ہو رہا تھا۔

حی علی الصلوہ
حی علی الصلوہ
حی علی الفلاح
حی علی الفلاح

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے قدم آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے وہ بنا رکے عین سڑک کے درمیان میں چلی جا رہی تھی۔

اللہ اکبر ، اللہ اکبر
لا الہ الا اللہ

اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کی وجہ سے پوری ٹریفک ڈسٹرب ہے اور اردگرد سے کتنی گاڑیوں کے سائرن اسے خبردار کر رہے ہیں وہ تو اپنی لے میں مگن بڑھ رہی تھی کہ یکدم سے کیتھرین نے پیچھے سے آ کر اسے بری طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

''You are maid , oh poor foalish girl''۔

''کیا ہو رہا ہے تمہیں، پوری ٹریفک جام ہے تمہاری وجہ سے، کیوں گاڑی سے نکلی تھیں تم،

واپس چلو Lets go۔'' ماریا کا بازو دبوچتے ہوئے کیتھرین نے اسے کھینچا تو گم صم سی کیفیت میں کھڑی ماریا نے چند ثانیے اسے خالی نگاہوں سے دیکھا پھر ایک اجنبی تاثر کے ساتھ اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑاتی اسلام آباد کی اس بڑی شاہراہ کے وسط میں جا پہنچی جس کے چاروں جانب گھاس کے سبز لان اور چہار اطراف مین سڑکیں تھیں جن پر ٹریفک رواں دواں تھی شام ڈھلے چلنے والے فوارے پانی اچھالتے دلکش منظر پیش کر رہے تھے مگر اس کی توجہ کا مرکز وہ شخص تھا جو اپنی گاڑی سائیڈ پہ کھڑی کر کے جائے نماز گھاس پر بچھا رہا تھا اس پر کھڑے ہو کر ہاتھ کانوں کی لو تک اٹھائے اور ناف کے اوپر باندھ لیے پھر کچھ دیر کھڑا رہا پھر دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکا سیدھا کھڑا ہوا پھر سجدے میں چلا گیا، وہ یک ٹک کھڑی اس عمل کو دیکھتی رہی یہاں تک کہ اس شخص نے عبادت ختم کی اپنا مصلی اٹھایا اور چل دیا جوانی کے حسن و وجاہت سے مالا مال اس شخص چھوٹی داڑھی والے نورانی چہرے پر اسے جو ایمان و ایقان نظر آیا وہ ماریا کو مضطرب کر گیا اس نے حیرانگی سے سوچا تھا کہ شہر کے وسط میں چلتی ٹریفک کے درمیان وہ شخص کیا کر رہا تھا، اس نے سوچا کہ سڑک عبور کرتے کرتے اس نوجوان شخص کو جا لے اور پوچھے یہ کیسی عبادت ہے جو دوران سفر بھی جاری ہے، وہ کیسا خدا ہے جس کے ہونے کا احساس اتنا قوی ہے کہ انسان کو ہر حال میں اپنے سامنے راضی برضا رکھتا ہے، مگر اس کے اور اس شخص کے درمیان یکے بعد دیگرے گزرنے والی ٹریفک نے خلل ڈالا کئی منٹ بعد سڑک قدرے صاف ہوئی تو وہ شخص اور اس کی گاڑی کہیں نہ تھی، کچھ پا کر کھو دینے کا احساس اتنا شدید تھا کہ اس کی آنکھوں میں رکے آنسو ایک بار پھر پوری رفتار سے بہہ نکلے اور وہ بے جان جسم کو گھسیٹتی ڈھیلے قدموں سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگی، یہاں کھڑے وفد کے تمام اراکین اس سر پھری لڑکی کو سخت خائف اور جھلائے ہوئے انداز میں دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

اگر پلکیں آنسو رولنے والی ہوتیں
تو تجھے احساس ہوتا خاموش آہوں کا
اگر دل درد آشنا ہوتا
تو جان جاتے تم کہ
کیسے ہنستے ہنستے یکدم
آنکھیں کیوں بھیگ جاتی ہیں
اگر سانسیں مہر و وفا سے دوستی کرتیں
تو تم بھی جان لٹانے کی حد تک
وفادار ہوتے!

آئینے میں نظر آتا اس کا سراپا خوبصورت تھا سیاہ ساڑھی کے ساتھ سیاہ نگینوں کا بے حد خوبصورت نیکلس اس کی صراحی دار گردن میں سج کر کچھ اور بھی قیمتی اور دلکش لگ رہا تھا قیمتی آویزے جو ہلکورے لیتے رخساروں کی صباحت کو چھو رہے تھے۔

ایک کلائی میں سونے کے بھاری جڑاؤ کنگن اور دوسری میں ساڑھی کے بارڈر سے میچنگ سیاہ مینے والی چوڑیاں، کیا کمی تھی بھلا اس میں، کتنی حسین اور مکمل لڑکی تھی وہ مگر درحقیقت ایک نامکمل عورت جسے اس کا شوہر شادی کی پہلی رات ہی انتہائی بے رغبتی سے دھتکار چکا تھا۔

اور عورت چاہے لاکھ درجہ نازک اندام و حسین ہو شوہر کی توجہ چاہت نہ ہو تو سارا حسن بے کار سارا وجود ہزار ہا دلکشی کے باوجود نامکمل اور ادھورا، جب سارا کچھ بے کار تھا تو کیا فائدہ اس ڈھونگ کا کیوں وہ محض ایک مجبوری کو نبھانے کے لئے شو پیس بنی دنیا کے سامنے اس شخص کا بھرم رکھتی پھرے۔

وہ شخص جو اسے صرف شطرنج کے مہرے کی سی حیثیت دیتا تھا وہ کیوں اس کا حکم بجا لانے پر مجبور تھی اور مجبوری میں بھی بجھے دل سے سہی ہر جگہ ہر موقع اور ہر تقریب میں خود کو فریش خوش ایک بھرپور ازدواجی زندگی کا حصہ ظاہر کرتی جبر سا جبر تھا خود پہ اور جبر کی یہ صورت کتنی بدصورت تھی کوئی سعیہ خان کے دل سے پوچھتا جو روز نئے سرے سے ٹوٹنے بکھرنے اور جڑنے کے عمل سے گزرتی تھی۔

تھا منیر آغاز ہی سے اپنا الگ راستہ
اس کا اندازہ سفر کی رائیگانی سے ہوا

سوچوں کے درد بھلے سمندر میں ڈوبتے ابھرتے، اپنے آپ کو مٹی ہوتے دیکھ کر اشتعال، دکھ، بے بسی اور مجبوری کے الاؤ میں سلگتے کتنا دل چاہا تھا سب کچھ اتار کر پھینک دے ہر چیز سے پیچھا چھڑا کر بھاگ جائے یہاں شہریار خان نہ ہو، نہ اس سے وابستہ کوئی چیز اور شاید وہ ایسا کر بھی گزرتی جو اپنی عزیز از جان دوست صبا کا خیال نہ ہوتا، صبا جس نے اپنے دو عدد بھائیوں عدیل اور راحیل کے امریکہ سے واپسی کی خوشی میں اسے دعوت پہ بلایا تھا، شہریار سے وابستہ رشتے اور تعلق کو لے کر اس کی طبیعت بھلے لاکھ مکدر ہوتی، اپنی اکلوتی دوست کی خوشی کو مدھم نہیں کر سکتی تھی، سو تیار تھی۔

شہریار بھی تیار سیاہ ڈنر سوٹ میں خوشبوؤں میں رچا بسا کی چین اٹھائے پورچ میں منتظر کھڑا تھا وہ بلاشبہ دل میں اترتی جا رہی تھی کہ بلا ارادہ ہی دیکھتے شہریار کی آنکھوں میں اس کے لئے ستائش اور پسندیدگی کی چمک لہرائی تھی یہ شاید اس کی نگاہوں کا ہی ارتکاز تھا کہ وہ جسے محسوس کر کے اپنے آپ میں سمٹ سی گئی اور خوامخواہ ہی ساڑھی کا پلو درست کرتی آگے بڑھی تو پاؤں اٹکا تھا اور وہ لڑکھڑائی تو شہریار نے بے اختیار ہی آگے بڑھ کر شانوں سے تھامتے ہوئے اس کے دلنواز سراپے کو گرنے سے بچایا تو اس کو بہ غور دیکھا سلیولیس بلاؤز کا گہرا گلا اور مرمریں دودھیا بازو قاتلانہ دلربائی لئے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ، شہریار کے ہاتھ بے ساختہ ہی اس کے بازوؤں سے سرکتے نرم ہاتھوں تک آئے اپنے مضبوط مردانہ ہاتھوں میں وہ روئی کے گالوں جیسے بے حد ریشمی ہاتھ تھامے تو نگاہوں میں اک نا مانوس سی سلگتی کیفیت در آئی، سعیہ کو لگا ساری دنیا شہریار کی نظروں اور ہاتھوں میں در آئی ہو اور وہ ان ہاتھوں اور نگاہوں سے لمحہ بہ لمحہ پگھل رہی تھی، کیا تھا یہ اک بے مہر شخص کا بلا ارادہ لمس اور کم توجہ نظر اور اس کے دل و دماغ خوابیدہ ذہن پر شہریار کے حوالہ سے لاکھ بدگمانی سہی تھا تو وہ اس کا شوہر چاہے یہ رشتہ دور کہیں کاغذوں میں لکھا رہ گیا ہو مگر ہر پل

توجہ کا متقاضی تو تھا ناں اور یہ توجہ ہی کا اثر تھا شاید کہ اس پل شہریار کی بہت پرشوق تاثر سے بجی آنکھوں نے اسے ملتفت کیا تھا، سنعیہ کا دل ہاتھ پیروں میں دھڑکنے لگا تھا۔

''اگر سنبھل کر چلنے اور ایسے لباس کو پہننے کا سلیقہ نہیں تھا تو کیا ضرورت تھی ہیروئن بننے کی، اب کیا میں ساری تقریب میں تمہیں تھام کر گرنے سے بچاتا فلمی سچوئیشن کری ایٹ کرتا رہوں گا۔'' اس کے تاثرات سے قطعاً برعکس لہجہ کھردرا اور طنزیہ تھا وہ جو اس کے ہاتھوں کے مردانہ لمس اور سحر طراز نگاہوں کے اشتیاق سے لمحہ بہ لمحہ پگھل رہی تھی، ایک پل میں آسمان سے زمین پہ آ گری دل جل کر خاک ہو گیا کیسا سنگدل شخص تھا لمحوں میں بے توقیر کر دینے کے فن سے آشنا، حالات اور موقع سے فائدہ اٹھا کر ہر جگہ طنز کرنا اور ٹوکنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

''اتنے ہیرو نہیں ہیں آپ کہ میں جسے رجھانے کے لئے فلمی انداز اپناؤں اگر میں نے یہ لباس پہنا ہے تو صرف اپنی پسند سے، مجھے نائیٹ فنکشنز میں یہی پہناوا اچھا لگتا ہے۔'' بمشکل اپنے لہجے کو بھیگنے سے بچاتی وہ بولی تو شہریار گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے بولا۔

''تمہیں پتہ ہے کہ یہ مخلوط فنکشن ہے حیدر صاحب مشہور بزنس مین ہیں اور پارٹی میں میرے جاننے والے بھی ہو سکتے ہیں، تمہیں یہ بیہودہ اور فضول پہناوا ہی پسند آیا پہننے کو۔''

''یوں تیار کروا کے ساتھ لے جاتے ہوئے مسلسل میری بے عزتی کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں، لے جانا نہیں چاہتے تو صاف کہہ دیں، مگر یہ روک ٹوک مت کریں۔'' نا چاہتے ہوئے بھی وہ تلخ ہو گئی اور یک لخت ہنس دیا تھا اس کی بات سے لطف لیتے ہوئے۔

''تمہیں چاہیے کسی بھی عظیم مقصد کی خاطر اس رشتے کے لئے حامی بھرنا پڑی ہو مگر اسی رشتہ کی رو سے تم دنیا کی نظر میں میری بیوی ہو، ہمارے درمیان اندرونی حالات خواہ کیسے ہی ہوں، بیڈ روم سے باہر تمہاری ہر کمی بیشی میرے ہی نام لکھی جائے گی، کیونکہ تم اس وقت اس گھر میں میری بیوی کی حیثیت سے موجود ہو اور اپنی بیوی کے لئے شہریار خان بڑا پوزیسیو ہے، ہمارے ہاں بیوی شوہر کی عزت ہوتی ہے اور اپنی عزت کو کیسے سنبھالا جاتا ہے، یہ میں بخوبی جانتا ہوں۔''

''ہاں بیوی ہوں یہی تو سب سے بڑی بے بسی اور کمزوری ہے اور تم اس کمزوری سے جی بھر کر فائدہ اٹھا رہے ہو، ورنہ سنعیہ خان کو ڈاج دینا اتنا آسان نہیں، لاکھ ہوشیار سہی تمہارے جیسے دس تو میں کھڑے کھڑے خرید سکتی ہوں۔'' وہ جیسے پھٹ پڑی تھی اور شہریار اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھتے گاڑی مین گیٹ سے باہر نکالتے ہوئے ذرا سا اس کی طرف جھکا اس کی شربتی آنکھوں کی نمی دیکھتے اک طمانیت آمیز پرلطف لہجہ میں بولا۔

''میں ایک تم سے برداشت نہیں ہوتا سویٹ ہارٹ کجا کہ مجھ جیسے دس۔'' اور وہ دکھ کے حصار میں گھری بے بسی سے پلکیں جھپکاتی خود کو باہر دوڑتے بھاگتے مناظر میں گم کرنے لگی، بقیہ راستہ اسی سرد سی خاموشی میں کٹا تھا اگرچہ شہریار نے میوزک پلیئر پہ لیڈی گاگا کا لگا رکھا تھا مگر اس کے جلتے دل اور مٹی ہوتے جذبات کو اس سے کیا فرق پڑنا تھا اندر کا موسم اچھا نہ ہو تو باہر خواہ کیسی دلکشی ہو سب برا لگتا ہے۔

اور پھر زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجائے خود کو ایک خوش باش مطمئن میرڈ لائف گزارتی

سب کے درمیان راجہ اندر بنا کھڑا وہ شخص کتنا پر اعتماد تھا کیسے اسے جلا سلگا رہا تھا ہر ایک جانی انجانی لڑکی کو ہلکی توجہ بھری مسکراہٹ سے نوازتا اسے صاف نظر انداز کر گیا تھا، سنعیہ کو اس بھری محفل میں یوں اکیلی خود کو محسوس کر کے سراسر اپنی تضحیک کا احساس ہو رہا تھا، اس کا جی چاہا تھا سب چھوڑ چھاڑ گھر بھاگ جائے، شہریار مصروفیت کے باوجود اس کے تیور بھانپ رہا تھا اسی پل قریب آ کر دھیمے مگر تحکمانہ لہجے میں بولا تھا۔

''اس رشتے کے تقاضے اور رسم دنیا اگر میں نبھا سکتا ہوں تو تم بھی آؤ، یہاں میرے سرکل کے لوگ، فرینڈز موجود ہیں اپنی بیویوں کے ساتھ، سب سے ملو۔''

شادی کے بعد اس کی بیوی کی حیثیت سے اس کے سرکل میں مکس گیدرنگ کا اٹینڈ کرنا پہلا موقع تھا، سوسلیولیس بلاؤز کے ساتھ ساڑھی پہننے کے فیصلے پر نادم ہوتی فطری جھجک سے اٹک کر چلتی وہ اس کے قدموں سے قدم ملاتی علیک سلیک کرنے لگی، بلاشبہ ان کا کپل شاندار تھا اور سب کی نظریں انہیں سراہ رہی تھیں۔

''ہیلو یار! تم تو عید کے چاند ہو گئے ایک شہر میں رہ کر مہینوں ملتے نہیں۔'' بہت پرجوش انداز میں بولتے ہوئے کوئی شہریار سے گلے ملا تھا، سنعیہ نے کچھ متجسس ہو کر گردن کو موڑا تو ٹھٹک سی گئی۔

(باقی اگلے ماہ)

ایک کہانی میری زبانی

صبا احمد

وہ جیسے ہی باہر آئی، صحافیوں کا ایک جم غفیر اس کی جانب بڑھا، ہمیشہ کی طرح وہ خوبصورت لگ رہی تھی، بے تحاشا خوبصورت، کئی کیمروں کی فلیش لائٹ ایک ساتھ چمکیں اور اس کے خوبصورت سراپے کو مقید کر گئیں۔

''ایکسکیوزمی میم! ون کویچن پلیز۔'' کئی مائک ایک ساتھ اس کی طرف بڑھے، بیک وقت آوازیں ابھریں، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی جستجو دوسرے کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش وہاں موجود ہر شخص اس جدوجہد میں تھا کہ پہلے اس کی آواز سنی جائے۔

''میم! اس وقت جبکہ آپ کی فلم ریلیز ہوئے ابھی صرف دس دن ہوئے ہیں اور جتنا بزنس ابھی تک اس فلم نے کیا، آئی تھنک اٹس امیزنگ دین واٹ آر یو فیلنگ اباؤٹ اٹ؟'' ایک مشہور چینل کا تیز طرار جرنسلٹ جو کہ انتہائی کوشش سے اپنا مدعا بیان کر سکا تھا، کافی پرجوش تھا۔

''آپ کے خیال میں مجھے کیا فیل کرنا چاہیے؟'' اس کا لہجہ اس کے چہرے کی طرح پرسکون تھا۔

''Obviously آپ کو خوش ہونا چاہیے بی کاز ناؤ آ ڈیز یو آر آن دا ٹاپ۔'' اس صحافی نے جواب دیا۔

''لیکن میں ایسا کچھ محسوس نہیں کر رہی۔'' ٹھنڈا برف لہجہ۔

مخاطب کو شاید اس جواب کی توقع نہیں تھی، تبھی وہ ابھی تک حیران کھڑا تھا، ایسا پہلی بار ہوا

مکمل ناول

تھا شاید، کہ کوئی فلمی ایکٹریس، اپنی کامیابی پر اس قدر سرد ردعمل ظاہر کرے۔

''میم! اپنی تھنگ اباؤٹ یور فیوچر، آئی مین اپنی مووی، اف یو ڈونٹ مائنڈ پلیز؟'' ایک اور سوال جو کہ دوسری جانب سے آیا تھا۔

''آئی ڈونٹ ہیو اینی آئیڈیا اباؤٹ اٹ۔'' اس نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

وہ بہت گہری تھی، یہ خیال وہاں موجود ہر شخص کا تھا۔

''میم لاسٹ کوسچن پلیز۔'' وہ جانے کو مڑی تبھی ایک آواز پر اس کے قدم تھمے، اس نے مڑتے ہوئے اس عجلت بھری نسوانی آواز کو دیکھا۔

''آپ جو اس وقت کامیابیوں کے عروج پر ہیں، کیا آپ بتانا پسند کریں گی کہ اس میں سب سے زیادہ کس کا ہاتھ ہے؟'' اور...... مر جان کو لگا شاید کسی نے کتنے ہی سنگ ایک ساتھ اس کی طرف اچھال دیئے ہوں۔

''میری بدقسمتی کا۔'' جواب دینے کے بعد وہ وہاں رکی نہیں تھی جبکہ وہاں موجود تمام لوگ ابھی تک اس کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش میں تھے حیران اور بے یقین سے۔

☆☆☆

''میم آپ کی کامیابی میں سب سے زیادہ کس کا ہاتھ ہے؟'' راکنگ چیئر پر جھولتے ہوئے آواز کی بازگشت اسے سنائی دی۔

''میری بدقسمتی کا۔'' اسے اپنا جواب یاد آیا۔

''تو کیا وہ بدقسمت ہے؟'' اس نے خود سے سوال کیا۔

''یہ عالیشان محل، یہ آسائش، یہ شہرت، کیا یہ ہر ایک کی قسمت میں ہو سکتے ہیں؟ تو پھر کیا وہ نا شکری ہے؟'' اس نے سوچا۔

''میڈم! باقر صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں؟'' سونی کی آواز پر اس کی چیئر تھم گئی، و[illegible] حقیقت کی دنیا میں واپس آ گئی۔

''کیوں ملنا چاہتے ہیں؟'' بے تاثر لہجے میں اس نے سوال کیا۔

''بتایا تو نہیں لیکن، میرا خیال ہے کہ فلم کی مبارکباد دینا چاہتے ہیں۔'' سونی نے مودب لہجے میں کہا، مرجان نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کی۔

''ٹھیک ہے بھیجو انہیں اندر۔'' ہاتھ سے بال ٹھیک کرتے ہوئے اس نے کہا انداز میں واضح بے زاری تھی۔

''ہیلو بے بی، کانگریچولیشنز، واٹ اے گریٹ وکٹری۔'' کہتے اس کی طرف بڑھا[illegible] انہوں نے مرجان کی توقعات کے عین مطابق پرجوش لہجے میں کہا۔

''تھینکس۔'' کہتے ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اس نے نارمل انداز میں شکریہ ادا کیا جبکہ ان کا مصافحے کے لئے بڑھایا ہاتھ اسے یکسر نظر انداز کر دیا، مردوں سے سلام لینا، ہاتھ ملانا اسے کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا، باقر صاحب کھسیا گئے، بہرحال اب اتنی بڑی ہیروئن، اتنے نخرے تو وہ برداشت کر ہی سکتے تھے۔

''سرور صاحب کی تو مانو پانچوں گھی میں ہیں دونوں ہاتھوں سے پیسہ کما رہے ہیں۔'' ملازم ٹرالی دھکیلتا ہوا داخل ہوا تو وہ ذرا رکے۔

''ویسے میڈم آپ کو نہیں لگتا کہ آپ کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے؟'' انہوں نے آنکھیں پھیلا کر خواہ مخواہ تجسس پھیلانے کی کوشش کی۔

مرجان سمجھ گئی، سرور صاحب اور باقر آپس میں حریف تھے، کسی ایک کی کامیابی دوسرے کے لئے ناقابل برداشت۔

''باقر صاحب! میرے خیال میں ایسا کچھ نہیں ہے جتنا میں نے کام کیا مجھے اس کا معاوضہ ملا، اب بقیہ پرافٹ ان کا ہے۔'' اس نے ان کی کوشش ناکام بنائی۔

''پر میڈم دیکھیں نا، فلم تو آپ کی وجہ سے ہٹ ہوئی ورنہ اس سے پہلے بھی وہ کئی فلمیں بنا چکے ہیں۔'' ایک اور کوشش۔

''لیکن یاد رہے سرمایہ کمپلیٹلی ان کا تھا اپون میرے ڈریسز تک ان کے تھے سو میں نہیں سمجھتی کہ میرے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔'' اس نے صاف بات کی اور باقر صاحب کو خود پر غصہ آیا زندگی میں پہلی بار ان سے کسی انسان کو پرکھنے میں غلطی ہوئی تھی یہ لڑکی اس سے بالکل مختلف تھی جیسا وہ سوچ رہے تھے۔

''او...... اچھا اچھا دراصل میرے علم میں نہیں تھا خیر...... میں تو آپ سے کہنا چاہتا تھا کہ اب آگے آپ کا جو بھی ارادہ ہو، خادم کو ضرور یاد رکھیے گا۔'' اصل بات بالآخر زبان پر آ ہی گئی۔

''میڈم جی پوری فلم انڈسٹری میں آپ کو مجھ سے زیادہ ایماندار اور پرخلوص انسان نہیں ملے گا۔'' مرجان کو حیرت ہوئی، لوگ اتنی آسانی سے جھوٹ کیسے بول لیتے ہیں۔

''ہونہہ...... ایماندار ہونا تو اس فیلڈ میں قطعاً نہیں تھا ان کے خلوص کا مظاہرہ وہ ابھی ابھی دیکھ چکی تھی۔

''اچھا میڈم چلتا ہوں۔'' اسے بدستور خاموش دیکھ کر باقر صاحب نے اجازت چاہی۔

جواباً مرجان نے رسمی سا بھی مسکرانے کی کوشش نہیں کی وہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

''عجیب لڑکی ہے۔'' گھر سے نکلتے ہوئے

باقر صاحب نے خود کلامی کی۔

☆☆☆

وہ ایسی ہی تھی، گم صم، خاموشی کی دبیز تہوں میں چھپی ہوئی، پراسرار اور گہری۔

اس کے چار سالہ کیرئیر میں آج تک کسی نے اسے کھل کر ہنستے نہیں دیکھا تھا، بہت سے ہاتھ اس کی طرف بڑھے لیکن وہ...... سمندر تھی اور کوئی اس سمندر کی گہرائی نہیں جانچ سکا۔

''آپی! ایک سوال پوچھوں؟'' اس کے سر کا مساج کرتے ہوئے سونی کیا پوچھنا چاہ رہی ہے وہ پہلے سے جانتی تھی پانچ سال سے وہ اس کے ساتھ تھی اور مرجان اس کو اتنا تو جان ہی گئی تھی۔

''آپ ہنستی کیوں نہیں سب کی طرح؟'' ایک بچکانہ سا سوال جو کہ وہ پہلے بھی کئی دفعہ کر چکی تھی، مرجان زخمی سا مسکرائی۔

''سونی تم ایسے سوال کیوں کرتی ہو جن کا جواب میرے پاس بھی نہیں۔'' آنکھیں بند کیے اس نے جواب دیا سونی جانتی تھی اب وہ مزید اداس ہو جائے گی، اسے افسوس سا ہوا، اتنے سال سے وہ میڈم کے ساتھ تھی وہ اسے پسند کرتی تھی کیونکہ مرجان نے کبھی اس کے خود سے جدا نہیں سمجھا تھا وہ اس کی بات سن لیتی تھی، اکیلے میں سونی اسے آپی کہا کرتی، عجیب سی اپنائیت کی خوشبو مہکا کرتی اس لفظ سے۔

''صبح سے کالز کا تانتا بندھا ہوا ہے، بلکہ اسی دن سے جس دن آپ کی فلم ریلیز ہوئی ہے، سیونتھ سکائی پروڈیوسر تو آپ سے ملنا چاہ رہے ہیں باقاعدہ۔'' سونی کو لگا کہ ان کی توجہ بٹانے کے لئے یہ موضوع بہترین ہے۔

''ٹھیک ہے تم خود سے کوئی ڈیٹ سلیکٹ کر کے انہیں بتا دینا۔'' مرجان کو غنودگی سی محسوس ہو رہی تھی سونی کے ہاتھ میں جادو تھا، یہ بات مرجان اچھی طرح جانتی تھی۔

''اور انڈس موویز کے۔''

''ان کو نیکسٹ ڈے بلا لینا۔'' اس نے سونی کی بات کاٹی۔

''آپ شاید تھک گئی ہیں۔'' اس کی بے توجہی محسوس کرتے ہوئے سونی نے کہا۔

''ہاں تھک گئی ہوں بہت، سونا چاہتی ہوں۔'' لیٹتے ہوئے مرجان نے یاسیت سے کہا تھا۔

''اور کسی بھی قسم کی کال آئے مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔'' اس نے ہدایت دی۔

حالانکہ ایسا کہنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی سونی جانتی تھی کہ کبھی کبھار ہی اسے ایسی نیند میسر آتی تھی ورنہ کبھی یہاں شوٹنگ تو کبھی وہاں، کمبل اس پر ڈالتے ہوئے وہ خاموشی سے کمرے سے نکل آئی۔

☆☆☆

آرٹسٹک انداز میں تیار کیے گئے لان میں ہر طرف جلوے ہی جلوے تھے، رنگ و بو کا ایک سیلاب سا اُمڈ آیا تھا۔

مشہور اداکار، ہر دلعزیز اداکارائیں، معزز شخصیات شوبز سے تعلق رکھنے والے وہ لوگ جن کی جھلک دیکھنے کو لوگ بے تاب ہو رہے تھے سب وہاں مدعو تھے، میک اپ سے مزین چہرے، جن کے نیچے کے تاثرات جاننا بہت مشکل تھا اور نفیس نظر آنے والے مرد، جو کہ بظاہر مہذب نظر آئیں، لیکن موقع ملنے پر بھیڑیے کی طرح اپنے شکار کو نوچ ڈالیں۔

گاڑی سے اترتے ہوئے اس نے ایک نظر اس سجاوٹ کو دیکھا جو کہ خاص طور پر اس کے لئے کی گئی تھی، وہ ایک شان اور تمکنت سے چلتی آگے بڑھی وہ تمکنت جو کہ صرف اسی کا خاصہ تھی۔

اس نے جیسے ہی اندر قدم رکھے، سب کی دھڑکنیں جیسے تھم سی گئیں، خوبصورتی اور وقار، رکھ رکھاؤ جب ملیں تو کیا حال ہوتا ہے، وہی جو اس وقت وہاں موجود ہر شخص کا تھا، مرد ساکت تھے اور عورتیں حیران، اتنی خوبصورت ہیروئن فلم انڈسٹری کو پہلی دفعہ نصیب ہوئی تھی اور یہ بات وہاں موجود مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی تسلیم کرتی تھیں۔

سفید ساڑھی جس کے پلوؤں پر سلور آرٹ ورک، سفید ہی جیولری، سلکی بال کندھوں پر پھیلائے وہ انہیں کسی حور کے مشابہ لگی جو کہ غلطی سے زمین پر آ گئی ہو۔

سبک سبک چلتے وہ نزدیک آئی، سرور صاحب تیزی سے اس کی طرف لپکے، انہوں نے بڑی محبت سے اسے خوش آمدید کہا تھا مرجان کو ان کا لہجہ ہمیشہ کی طرح مہربان لگا۔

ہر شخص اس سے ملنا چاہتا تھا، مرد اس کے نظر کرم کے منتظر تھے، آج کی پارٹی کی مہمان خصوصی تھی وہ، اس قدر پزیرائی پر وہ حیران نہیں تھی اسے پہلے سے اسی کی توقع تھی۔

سب نے اسے مبارکباد دی تھی، ہر عورت جو وہاں موجود تھی اس کی آنکھوں میں ایک ہی جذبہ تھا رشک کا، حسد کا، سالوں کام کرنے کے بعد بھی وہ اس بلندی تک نہیں پہنچ پائیں تھیں جس پہ اس وقت وہ انہیں کھڑی نظر آ رہی تھی۔

دھڑا دھڑا آفرز، مستقبل کے بارے میں سوال وہ بہت جلد اکتا گئی لیکن، اب وہ اتنی جلدی واپس نہیں جا سکتی تھی، بعض اوقات ہمیں وہ سب برداشت کرنا پڑتا ہے جو ہم نہیں کرنا چاہتے۔

گلیمر کی دنیا میں ہر چیز دھوکا، ہر رویہ منافقت بھرا تھا، منہ پہ شہد ٹپکانے والے پس پشت ہر وقت دوسرے کو زیر کرنے کی فکر میں ہوتا ہر انسان خول چڑھائے اپنی اصلی شخصیت کو چھپانے کی کوشش کرتا نظر آتا تھا۔

''مرجان ان سے ملو یہ ہیں کامران زیدی، حال ہی میں شکاگو سے ایکٹنگ کی ڈگری لے کر لوٹے ہیں۔'' سرور صاحب نے ایک سوٹڈ بوٹڈ اور ویل ڈریسڈ شخصیت کی طرف اشارہ کیا تو اس نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی، اسے وہ بالکل ویسا ہی لگا تھا جیسا کہ ایک ہیرو کو ہونا چاہیے، مرجان نے سر کے اشارے سے اس کے ''ہیلو'' کا جواب دیا۔

''نائس ٹو میٹ یو، ویسے یہاں آتے ہوئے مجھے ذرہ بھر پتا نہیں تھا کہ میری قسمت اتنی مہربان ہو گی آج کہ، میری ملاقات آپ جیسی سپر اسٹار سے ہو گی۔'' کامران نے مسکرا کر کہا تھا۔

اس طرح کے فقرے اسے اکثر سننے کو ملتے تھے سو اس نے صرف ہلکا مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''آفرز تو ہو رہی ہوں گی آف کورس، بی کاز ہر شخص آپ کو کاسٹ کرنا چاہیے گا، آپ کا کیا پلان ہے فیوچر کے بارے میں۔'' کامران نے بغور اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''پھر وہی سوال۔'' ہر شخص سے ایک ہی سوال کی تکرار سن کر وہ بے زار سی ہو گئی تھی۔

''ابھی میں نے سوچا نہیں اس بارے میں۔'' مرجان نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''آئی ڈونٹ نو کہ یہ آپ کو کیسا لگے بٹ میری خواہش ہے کہ آپ میرے ساتھ کام کریں مجھے بہت خوشی ہو گی۔'' وہ اس کی سرد مہری کو محسوس کرنے کے باوجود بولا۔

''سوچوں گی۔'' اس نے جان چھڑوائی۔

بمشکل ایک گھنٹہ وہاں گزارنے کے بعد وہ چلنے کے لئے تیار ہو گئی، قہقہے لگاتے ہوئے خوشامدانہ انداز لئے مرد جو کہ ہر وقت عورتوں کے

گردمنڈلاتے رہتے وہ بہت جلد بور ہو گئی تھی، ایسی محفلیں اسے کبھی خوش نہیں کر سکی تھیں، اس کی انتہائی کوشش کے باوجود یہ سب کچھ اسے اٹریکٹ نہیں کرتا تھا نہ جانے کیوں۔

☆☆☆

بار بار ہوتی کال بیل پر اس نے سونی کو بلایا تھا چوکیدار موجود نہیں تھا سو، سونی کو خود ہی جانا پڑا، گیٹ کھولتے ہی اسے ٹھٹکنا پڑا ایک اجنبی شخص کو سامنے دیکھ کر اس نے ناک چڑھائی، ''ایک اور امیدوار'' اس نے سوچا۔

اس نے کہا تھا کہ وہ مرجان سے ملنا چاہتا ہے سو وہ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر میڈم کو بلانے گئی تھی سونی نے بتایا کہ وہ اجنبی سا آدمی ہے وہ اسے نہیں جانتی۔

''ایسا کون سا شخص ہے اس فیلڈ میں جسے سونی نہ جانتی ہو۔'' ڈرائنگ روم تک آتے آتے وہ سوچ رہی تھی اور اندر داخل ہوتے ہی اسے اس کا جواب مل گیا۔

''کامران زیدی! شوبز کی دنیا میں نیا نام۔'' سلام کرتے ہوئے وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''سوری آپ کو ڈسٹرب کیا آپ شاید آرام کر رہی تھیں؟'' ایک نظر اس کے رف حلیے پر ڈالتے ہوئے کامران نے کہا۔

''اٹس او کے، نو پرابلم۔'' وہ صرف یہی کہہ سکتی تھی۔

''میں نے آپ سے ایک درخواست کی تھی اسی سلسلے میں حاضر ہوا تھا اگر آپ کو یاد ہو تو؟'' پتا نہیں کیوں اس کا (مرجان) سرد انداز اور اجنبی رویہ کامران کو کنفیوز کر دیتا تھا وہ چاہ کر بھی اس کے ساتھ ویسے بات نہیں کر سکا تھا جیسا اس نے سوچا تھا۔

''دراصل میں کوئی بھی کام سرور صاحب سے پوچھے بغیر نہیں کرتی، تو ابھی تک میں نے ان سے بات نہیں کی اگر وہ کہیں گے Then......'' اس نے کندھے اچکائے۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے بات کر لیتا ہوں۔'' مرجان کو غصہ آیا۔

''میرے خیال میں انڈسٹری میں بہت سی لڑکیاں ہیں جو کہ بخوشی آپ کے ساتھ کام کر سکیں گی اور آپ کو انتظار بھی نہیں کرنا پڑے گا۔'' اس نے طنز سے کہا۔

''ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے اچھی چیز ملے بہتر سے بہتر کی تلاش کس کو نہیں ہوتی اور اس جلد بازی کا مقصد بھی یہی ہے۔'' کامران نے جواب دیا۔

''او کے میں بات کروں گی ان سے آئی ول انفارم یو۔'' یہ کہتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں انتظار کروں گا۔'' وہ پلٹ گیا تھا اور مرجان نے اسے جاتے ہوئے بہت غور سے اسے دیکھا تھا اور اسی شام اسے سرور صاحب کی کال موصول ہوئی۔

رسمی سلام دعا کے بعد انہوں نے وہ بات شروع کی جس کے لئے انہوں نے فون کیا تھا، انہوں نے اس سے کامران کے بارے میں پوچھا تھا۔

''صرف دو ملاقاتوں سے آپ کسی کے بارے میں کیا رائے قائم کر سکتے ہیں۔'' مرجان نے جواباً کہا۔

''اس کے فادر کا اپنا پروڈکشن ہاؤس ہے اور وہ فلم بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟'' مرجان جانتی تھی وہ کیا کہنے والے ہیں۔

''کامران نے بات کی تھی مجھ سے تمہارے بارے میں اور میرے خیال میں اس

ہونا چاہیے تھا۔'' ریسور میں سے مرجان کی آواز آئی تھی۔

''اونہہ نخرے۔'' کامران نے سر جھٹکا۔

''میں غلط تھا میں تسلیم کرتا ہوں۔'' کامران نے لہجے میں شرمندگی لانے کی کوشش کی جو کہ باوجود کوشش کے نہ آسکی۔

''اٹس او کے۔'' اس نے فون بند کرنا چاہا تو کامران نے اسے تیزی سے منع کیا تھا۔

''مرجان پلیز آئی ہیوٹو سے یوسم تھنگ۔''

''واٹ؟'' مرجان نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

''آئی وانٹ تو میری ود یو۔'' کامران نے کہا تو وہ شاکڈ رہ گئی اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیسا ردعمل ظاہر کرے۔

''میں آپ کی ہاں سننے کا منتظر رہوں گا۔'' اس کی طویل خاموشی سے اکتا کر کامران نے فون بند کر دیا۔

''ایک فلم کیا ہٹ ہو گئی خود کو آسمان پر سمجھنے لگی ہے ایک بار شادی ہو جائے دماغ ٹھکانے لگا دوں گا۔'' کامران نے غصہ سے سوچا۔

''اور اگر نہ مانی تو......'' اس کے دل میں سوال اٹھا تھا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا، آ گڈ لکنگ ہیرو۔'' بے پناہ پراپرٹی وہ کسی کا بھی خواب ہو سکتا تھا، دماغ نے اس کو پرفیکٹ قرار دیا تھا۔

لیکن مقابل بھی مرجان تھی، ستاروں سی چمک لئے، چاند کسی سی چاندنی سمیٹے، کائنات کی دلکشی خود میں سموئے وہ فلم انڈسٹری کی شان تھی، اتنی بلندیوں پر کہ اس کو چھونا کسی دیوانے کا خواب لگتا، لیکن وہ پھر بھی...... پر امید تھا۔

☆☆☆

''سونی! یہ پھول مرجھاتے کیوں جا رہے ہیں۔'' وہ لان میں ننگے پاؤں چل رہی تھی ٹھنڈی گھاس ذہن و نظر کو تراوٹ بخش رہی تھی جب اس کی نظر پھولوں پر پڑی، پھول اسے بے پناہ پسند تھے۔

''اکرام چھٹی پہ ہے، ان کی ٹھیک سے کیئر نہیں ہو رہی اس لئے ڈل سے لگ رہے ہیں۔'' سونی نے جواب دیا۔

''آپی! آپ نے کیا سوچا ہے پھر؟'' ذرا سے وقفے سے سونی نے پوچھا۔

''کس بارے میں؟'' سونی جانتی تھی وہ انجان بن رہی ہیں اس نے بغور مرجان کی طرف دیکھا۔

اس کا چہرہ گلاب سا تھا، کلیوں سا روپ لئے، اس کا روپ اس کی تازگی وہاں موجود پھولوں سے کہیں بڑھ کر تھی۔

''شادی کے بارے میں۔''

''میرا ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' ایک پھول کو پیار سے چھوتے ہوئے مرجان نے کہا۔

''لیکن کیوں، دوسرے لوگ تو شاید یہ انتظار کرتے ہوں کہ ان کا کیریئر اسٹیبلش ہو جائے جبکہ آپ کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔''

''لیکن میرا دل نہیں مانتا۔'' مرجان نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپی!'' سونی نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''آپ کسی کو پسند کرتی ہیں؟ میرا مطلب ہے محبت وغیرہ؟'' اس کی شفاف سیاہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' مرجان نے ذہن میں سوچا لیکن کوئی تصویر اس کے دھیان کے پردوں پر کہیں لہرائی تھی۔

''لیکن سونی میں کامران کے بارے میں

ایسا کچھ نہیں فیل کرتی۔'' وہ بے بس سی ہوگئی۔

''سوواٹ؟ آپی آپ کیا سمجھتی ہیں یہاں، اس فیلڈ میں جو شادیاں ہوتی ہیں وہ پیار محبت پہ بیس کرتی ہیں؟ تو...... ایسا کچھ نہیں ہے، یہاں صرف ڈیل ہوتی ہے ایوں کہ شادی بھی ایک ڈیل کی طرح ہوتی ہے، یہاں ہر ایک کو سند چاہیے بس، صرف یہ پروف کہ وہ شادی شدہ ہیں پھر ان کے راستے جاہیں جدھر کو بھی مڑ جائیں۔'' وہ ذرا سا رکی۔

''کامران اچھا ہے ہر طرح سے، اس میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو کہ کسی میں ہونی چاہیے ہو سکتا ہے وہ آپ سے پیار بھی کرتا ہو اور میرے خیال میں یہ خسارے کا سودا نہیں ہے۔'' مرجان نے خاموش نظروں سے اسے بولتے سنا وہ سونی تھی، اس کی منظور نظر اور یہ سب صرف وہی کہہ سکتی تھی اور کسی کو اس کی اجازت نہیں تھی۔

''ٹھیک ہے میں سوچ کر بتاؤں گی۔'' وہ اپنے کمرے میں جانے کو مڑ گئی، سونی نے محبت سے اسے دیکھا وہ پھول تھی اور سونی نہیں چاہتی تھی کہ اس پھول کی تازگی ختم ہو اور وہ مرجھا جائے اور ٹھیک دو دن بعد جب کافی سوچنے کے بعد وہ کامران کو ہاں کہنے والی تھی جب اسے وہ شخص نظر آیا جسے دیکھتے ہی اسے احساس ہوا تھا کہ ''محبت اچانک ہو جاتی ہے بلا سوچے سمجھے، شکل وصورت دیکھے بنا۔''

وہ شوٹ پر جا رہی تھی، ڈرائیور نے جیسے ہی ٹرن لیا ایک بائیک اس کے سامنے آئی تھی، ڈرائیور نے ایک جھٹکے سے بریک لگائی۔

تیزی سے باہر نکلتے ہوئے ڈرائیور نے بائیک اور اس کے مالک کو کھڑا کیا جو کہ ہلکی سی ٹکر کے نتیجے میں بائیک سمیت نیچے آپڑا تھا، مرجان لیٹ ہو رہی تھی مرجان نے ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی اور وہ نظر ہی پلٹنے کو انکاری ہوگی۔

''کاش وہ اسے نہ دیکھتی۔'' اس نے سوچا۔

تیکھے نقوس، بے پناہ معصومیت، وہ خوبصورت اتنا نہیں تھا لیکن پھر بھی مرجان کو وہ خوبصورت لگا تھا اور پرکشش بھی۔

تیز لہجے میں غصے سے کچھ کہتا وہ برہم سا لگ رہا تھا بلیک لیدر بیگ اور ایک ہینڈل سا تھا جو کہ اس نے زمین سے اٹھایا تھا، پھر وہ بائیک پر بیٹھ کر تیزی سے گاڑی کے پاس سے گزرتا چلا گیا اور اس کا روٹھا روٹھا ناراض سا چہرہ مرجان کی آنکھوں میں رہ گیا، ڈرائیور واپس آیا تو وہ ہوش میں آئی۔

''سوری میم ایکچوئیلی غلطی میری ہی تھی مجھے یہ ٹرن......''

''یہ کون تھا؟'' اس کی بات کاٹتے ہوئے مرجان نے پوچھا۔

''یہ...... میم یہ رمان ہے، اخبار بیچتا ہے ہماری لین میں بھی آتا ہے ہر روز۔'' ڈرائیور نے بتایا تھا مرجان کو صرف یہی سمجھ آسکی کہ وہ رمان ہے اور ہر روز آتا ہے۔

اسے حیرت ہوئی، کہاں تو وہ خود سے بھی لاپرواہ رہنے والی، اور کہاں وہ ایک اخبار بیچنے والے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔

''رمان!'' اس نے زیر لب نام دہرایا۔

وہ شوٹ سے کتنا لیٹ ہو چکی ہے اسے یاد نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

اس دن اس نے کامران کو کہہ دیا کہ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی، اسے آج سین کروانے کی جلدی تھی وہ جلدی گھر جانا چاہتی تھی، آج اس کا کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔

وہ شام کو گھر آئی تو سونی نے حیرت سے

اسے دیکھا آج بھی وہ ہمیشہ کی طرح اپنے کمرے میں چلی گئی تھی لیکن کچھ مختلف لگا تھا اسے شاید اس کے چہرے کی چمک یا شاید اس کی آنکھوں کی بے چینی۔

مرجان کو رات اتنی لمبی کبھی نہیں لگی تھی جتنی کہ آج کی رات تھی اسے صبح کا انتظار تھا اس نے کلاک کی سمت نظر دوڑائی، ابھی صرف گیارہ بجے تھے۔

''او گاڈ، آج وقت کیوں نہیں گزر رہا۔'' ٹہلتے ٹہلتے وہ تھک گئی تھی، وہ بیٹھ گئی اور پھر بمشکل صبح ہوئی تھی ایک طویل انتظار کے بعد، صبح کی سفیدی نمودار ہوئی تو وہ لان میں چلی آئی۔

پنک لان شرٹ اور وائٹ ٹراؤزر میں، نفیس سی بلیک چپل پہنے وہ اس لاپرواہ حلیے میں بھی دلکش تھی سلکی بال کندھوں پر پڑے تھے جو کہ ہوا سے اڑتے اور اس کے گلاب کی پنکھڑیوں سے لبوں کو چوم لیتے آنکھوں میں سرخ ڈورے اس کی شب خوابی کی چغلی کھا رہے تھے۔

وہ تیسری دفعہ گیٹ پر آئی تھی جب اسے بائیک رکنے کی آواز آئی، اس نے بھاگ کر گیٹ کھولا تھا، چوکیدار نے حیرت سے اپنی میڈم کو دیکھا۔

رمان جو کہ اخبار اندر پھینکنے کی غرض سے اپنی دھن میں آگے بڑھ رہا تھا ٹھٹک کر رک گیا، وہ اس چہرے کو پہلے بھی کئی دفعہ دیکھ چکا تھا لیکن اتنا بے خود کبھی نہیں ہوا تھا، نزدیک سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ وہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی جتنی کہ وہ سکرین پر نظر آتی۔

''حسن مجسم۔'' اس نے فوراً اسے خطاب دیا تھا گردوپیش سے بے خبر

''سنو...... تمہیں میڈم بلا رہی ہیں۔'' چوکیدار نے اس کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا تو وہ چونکا۔

وہ پتا نہیں کب وہاں سے جا چکی تھی، اس نے رمان کو اندر بلایا تھا وہ مسمرائز سا چوکیدار کے پیچھے چلتا رہا۔

ڈرائنگ روم تک آتے آتے وہ اچھا خاصا مرعوب ہو چکا تھا اس نے کبھی خواب میں بھی ایسے گھر کو نہیں دیکھا تھا۔

''وہ بھی مرجان کو قریب سے دیکھے گا۔'' سوچا تو اس نے یہ بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

ان دنوں اس کی فلم تکمیل کے مراحل میں تھی رمان سے اس کی ملاقاتیں طویل ہوتی جا رہی تھیں۔

اس کے بارے میں وہ صرف یہ جانتی تھی کہ وہ ایم بی اے کر رہا تھا دو بہنوں کا اکلوتا بھائی، وسائل کی عدم دستیابی کی بنا پر وہ پارٹ ٹائم جاب کر رہا تھا، اس سے زیادہ جاننے کی اسے جستجو بھی نہیں تھی۔

وہ کامران کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا نہ شکل وصورت میں اور نہ اسٹیٹس میں، یہ بات سونی کے لاکھ سمجھانے کے باوجود اسے سمجھ نہیں آئی تھی، اسے وہ پہلی نظر میں اچھا لگا تھا معصوم سا اور محبت کرنے والا دل رکھنے والا۔

وہ رفتہ رفتہ اس کی اسیر ہو رہی تھی، اسے رمان کی مسکراہٹ پسند تھی، شفاف اور بے ریا، اسے اس کی آنکھیں اچھی لگتی تھیں خلوص کی چمک لئے اور بالآخر فلم کے مکمل ہونے تک وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی، رمان سے شادی کا فیصلہ۔

☆☆☆

مرجان نے رمان کو بلایا تھا، وہ اسے شاپنگ کروانا چاہتی تھی اس نے بارہا محسوس کیا تھا کہ وہ اس سے کچھ مرعوب سا رہتا ہے، وہ اس

کی جھجک دور کرنا چاہتی ہے اسے ہر قسم کے خوف سے بالاتر لائف پارٹنر چاہیے تھا جو مکمل اعتماد سے سر اٹھا کر اس کے ساتھ چلتا۔

شاپنگ کے بعد مرجان نے اسے چائے کی آفر کی تھی جو کہ تھوڑی سی پس و پیش کے بعد رمان نے قبول کر لی۔

''رمان!'' چائے پیتے ہوئے اس نے اسے پکارا تو اس نے نظر اٹھائی تھی، وہ اس کے سامنے نظر کیوں نہیں اٹھا پاتا تھا یہ بات وہ آج تک نہیں سمجھ سکا تھا۔

''ایک معمولی سا، عام سا لڑکا اور فلم انڈسٹری کی ملکہ کی یہ تمام مہربانیاں۔'' یہ مسٹری بھی اسے ابھی تک سمجھ نہیں آئی تھی۔

''مجھ سے شادی کرو گے؟'' اس نے سکون سے پوچھا تو رمان کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے کھلی رہ گئیں۔

''وہ آسمان کا ستارہ تھی اور کہاں وہ معمولی سا اخبار بیچنے والا۔'' رمان کو یقین نہ آیا۔

''آپ مذاق کر رہی ہیں۔'' کم از کم اسے یہ مذاق ہی لگا تھا۔

''اس میں مذاق والی کیا بات ہے؟'' کندھے اچکاتے ہوئے مرجان نے اسے دیکھا۔

''میرا مطلب ہے کہ...... کہاں میں اور کہاں آپ؟'' وہ بے یقین سا تھا۔

''آئی ڈونٹ کیئر۔'' مرجان نے مختصر جواب دیا۔

''لیکن پھر بھی......'' رمان کی سمجھ نہ آئی کہ کیا کہے۔

''بتا ہے رمان یہ جو زندگی میں گزار رہی ہوں نا یہ...... ایک برزخ ہے، میں اس سے نکلنا چاہتی ہوں میں اس دنیا میں رہتے ہوئے آگ میں نہیں جلنا چاہتی، میرا دل چاہتا ہے کہ جنت سا گھر ہو ہر قسم کی چمک دمک سے پاک، یہ مصنوعی سجاوٹیں، یہ دکھاوے کی محبتیں مجھے اپیل نہیں کرتیں۔'' کپ کی سطح پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے خوبصورت چہرے پر اضطراب تھا۔

''لیکن آپ نے میرا ہی انتخاب کیوں کیا؟ بہت سے لوگ ہیں جو کہ آپ کا ہاتھ تھامنا چاہتے ہوں گے اور مجھ سے بہت بہتر ہوں گے؟'' ہچکچاتے ہوئے رمان نے سوال کیا۔

''ہوں گے ضرور ہونگے، لیکن...... وہ تم سے نہیں ہونگے اور ویسے بھی میں ایک برزخ سے دوسرے برزخ میں چھلانگ نہیں لگا سکتی۔'' اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

رمان نے ایک نظر اس کے فیصلے پر اسے غور سے دیکھا تھا اور پھر نظر جھکا لی۔

اسے لگا اس کا دماغ سن ہو چکا ہے، اچانک اتنا بڑا فیصلہ۔

اس نے سوچنے کا وقت مانگا تھا، وہ اپنے گھر والوں سے بات کرنا چاہتا تھا وہ اپنی ماں کا نہایت فرمانبردار بیٹا تھا اور یہ اس کی اضافی خوبی تھی جو کہ مرجان کو بہت پسند تھی اسی شام فون پر رمان نے اسے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

''مجھے آپ سے شادی پر کوئی اعتراض نہیں لیکن میری ایک شرط ہے۔'' ائیر پیس سے ابھرتی آواز پر مرجان نے حیرت سے اس کی آواز کو سنا۔

''شرط...... کیسی شرط؟'' اس نے سوال کیا۔

☆☆☆

اس کی فلم مکمل ہو چکی تھی جبکہ ریلیز ہونے میں ابھی کچھ دیر تھی جب اس نے ایک فیصلہ کیا تھا۔

''اس کے فلم انڈسٹری چھوڑنے کی خبر۔'' ہر ایک پر بجلی بن کر گری تھی، ایک تہلکہ مچا دینے والی خبر جو کہ آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی، ہر کوئی حیرت زدہ تھا ہر کوئی انگشت بدنداں، سب کے ذہن میں ایک ہی سوال ابھر رہا تھا ''کیوں؟'' سب اس اچانک فیصلے کی وجوہات جاننا چاہتے تھے۔

''آپ پاگل ہو گئی ہیں؟'' سونی ابھی تک صدمے سے دوچار تھی۔

''نہیں میں نے مکمل ہوش و حواس میں یہ فیصلہ کیا ہے۔'' بلیو ڈارک کلر میں وہ دمک رہی تھی ایک الوہی چمک لئے، کچھ پا لینے کی خوشی سے سرشار۔

''لیکن...... یہ سب اچانک...... یہ سب کیا ہے؟'' سونی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیسے سمجھائے۔

''اتنی کامیابیاں، اتنا عروج، اتنی شہرت اور آپ اسے چھوڑ کر جا رہی ہیں جسے پانے کو لوگ عمر بتا دیتے ہیں۔''

مرجان خاموشی سے ٹی وی اسکرین دیکھتی رہی جہاں اس کے انڈسٹری چھوڑنے کی خبر بریکنگ نیوز کے طور پر آ رہی تھی۔

''آپ یہ سب ایک معمولی سے لڑکے کی شرط پوری کرنے کے لئے کر رہی ہیں؟'' سونی نے ایک بار پھر سوال کیا۔

''ہاں یہ اس کی شرط بھی ہے لیکن...... مجھے پہلے بھی یہ سب چھوڑنا تھا، میں یہ زندگی مزید نہیں گزار سکتی، مجھے یہ فیصلہ کرنا ہی تھا آج یا کل، سو میں نے آج ایک بہتر فیصلہ کیا ہے اور مجھے اس کا یقین ہے۔'' مرجان نے سونی کی کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اس نے اسے سمجھانا چاہا وہ اس کی پر خلوص ساتھی تھی مرجان کو اس کا علم تھا۔

''لیکن......'' سونی کو لگا اب اس کو سمجھانا عبث ہے۔

''رمان بہت عام سا لڑکا ہے لیکن میرے لئے بہت خاص، مجھے لگا کہ میں اس کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزار سکتی ہوں۔'' اس کے لہجے میں یقین تھا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' سونی نے دل میں اس کی خوشیوں کی دعا کی تھی۔

''یہ گھر میں نے تمہارے نام کر دیا ہے، میں نہیں جانتی میں پھر تم سے ملنے آ سکوں گی یا نہیں۔'' مرجان نے دھیان ٹی وی کی طرف مرکوز کرنا چاہا گلے میں پھندا لگنے لگا تھا اس نے آنسو پینے کی کوشش کی۔

سونی سے اس کا تعلق کافی پرانا تھا اس نے ہر لمحہ ہر مشکل وقت میں مرجان کا ساتھ دیا تھا۔

''آپی! ایسے تو نہ کہیں میں...... میں کیسے رہ پاؤں گی آپ کے بغیر؟'' سونی نے کہا تو وہ جو رونا نہیں چاہتی تھی ایکدم سے اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

شادی سے محض دو دن پہلے اس کی ملاقات رمان کی والدہ اور اس کی بہنوں سے ہوئی تھی جو کہ حیران سی نظروں سے اسے ایسے دیکھ رہی تھیں گویا وہ کسی اور دنیا کی باسی ہو۔

وہ نہایت محبت سے ان سے ملی تھی، جبکہ وہ ایک ٹک اس کے مبہوت کر دینے والے حسن کو دیکھ رہی تھیں، اتنی بڑی اسٹار کو ان کے بھائی میں کیا نظر آیا تھا یہ ان کے لئے ایک بڑا معمہ تھا لیکن یہ سوچنے کا ان کے پاس وقت نہیں تھا اس وقت وہ صرف اپنی قسمت پر رشک کر رہی تھیں۔

اس کی ساس کا رویہ البتہ اسے کچھ عجیب سا لگا تھا مبہم اور سرد، لیکن مرجان نے زیادہ سوچنا ضروری نہیں سمجھا، وہ اپنی محبت حاصل کرنے والی تھی سو وہ کچھ بھی ایسا ویسا نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

نکاح نہایت سادگی سے طے ہوا تھا اس کی طرف سے سونی اور صرف سرور صاحب تھے اور کسی کو بھی بلانے سے رمان نے منع کر دیا تھا خاص طور پر میڈیا کے لوگ، شہر کے پوش علاقے سے اٹھ کر ایک دم سے تنگ گلیوں سے گزرنا یقیناً مشکل ہوتا ہے اسے گھٹن سی محسوس ہوئی۔

''جہاں رمان ہے وہاں یہ سب چیزیں بے معنی ہیں کیونکہ اسے اس سے محبت تھی اور محبت احساسات کا نام ہے آسائشات کا نہیں۔'' مرجان نے خود کو یقین دلایا۔

ریڈ کامدار لہنگا پہنے وہ ہوشربا حسن سمیت قاتل سراپا لئے جب رمان کے سادہ سے تین کمروں کے گھر میں داخل ہوئی تو وہ اس ماحول میں بالکل اجنبی محسوس ہوئی تھی۔

''وہ اس ماحول کا حصہ نہیں لگ رہی تھی۔'' یہ خیال سب کا تھا یہاں تک کہ رمان کا بھی، وہ تو کوئی شہزادی لگ رہی تھی، کسی ریاست کی ملکہ جو غلطی سے یہاں آ پہنچی تھی۔

رمان خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہا تھا، خوشی بے پناہ تھی، عجیب سا فخر کچھ بہت زیادہ پا لینے کا احساس۔

اسے لگا یہ ایک خواب ہو جیسے، مرجان کا ایک معمولی سے لڑکے پر فدا ہونا، جبکہ ایک دنیا اس کی نظر کرم کی منتظر ہو، ایک خواب نہیں تو اور کیا تھا۔

''اور وہ اس خواب سے جاگنا نہیں چاہتا تھا کبھی بھی۔'' مرجان کے ساکت کر دینے والے حسن کو دیکھتے ہوئے رمان نے خوشی سے سوچا۔

☆☆☆

وہ اسے پا کر خوش تھی تو وہ اسے حاصل کر لینے کے احساس سے سرشار، مرجان خوش تھی بہت خوش، رمان اس کی توقعات سے کہیں بڑھ کر اچھا تھا، اس کا یقین سچا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کہیں بھی خوش رہ سکتی ہے۔

رمان کی بہنوں کا رویہ اس کے ساتھ بہت اچھا تھا وہ فخر سے لوگوں کو اس کے بارے میں بتاتیں لوگ جوق در جوق اسے دیکھنے کو آتے مرجان ان کی معصومیت پر مسکرا دیتی۔

رمان کی سنگت میں دو ماہ کا عرصہ کب گزرا اسے پتا نہ چل سکا تھا وہ نئے گھر میں شفٹ ہو گئے تھے جو کہ مرجان نے اپنی ساس کو گفٹ کیا تھا، لیکن وہ اپنی ساس کے رویے کو آج تک نہ سمجھ پائی تھی، مرجان کے پرخلوص رویہ کے باوجود وہ اس سے کھنچی کھنچی سی رہتیں۔

اس نے رمان سے ذکر کیا تو وہ کچھ دیر تک خاموش نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا پھر اس نے اسے بتانے کا فیصلہ کیا تھا۔

''امی اس شادی پہ خوش نہیں ہیں۔'' رمان کی آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

''دراصل امی چاہتی تھیں کہ کوئی سادہ سی اور گھریلو سی لڑکی ہوتی۔'' رمان نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''آئی تھنک یو کین انڈرسٹینڈ، انہیں لڑکیوں کا کام کرنا پسند نہیں خاص طور پر فلموں میں کام کرنا، اس لئے ان کا رویہ کچھ ایسا ہے۔'' بات ختم کرتے ہوئے اس نے مرجان کے چہرے کی سمت دیکھا جو کہ سپاٹ چہرہ لئے بیٹھی تھی۔

''لیکن وہ سب میرا ماضی تھا جو میں چھوڑ چکی ہوں۔'' کچھ دیر بعد اس کی ٹھہری ہوئی آواز رمان کو سنائی دی۔

''ڈونٹ وری ایوری تھنگ ول بی آل رائٹ۔'' اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے رمان نے کہا تو وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ مسکرائی۔

اس نے ایک جنت کا خواب دیکھا تھا

جہاں ہر طرف خلوص ہو، محبت ہو، چاہت کا بسیرا ہو لیکن اس کا ماضی، رمان تو اس کے ساتھ تھا اور پھر اس کی بہنوں کا اپنائیت بھرا احساس اس نے شکر ادا کیا۔

جو بھی تھا اس دنیا سے کہیں بہتر تھا جو وہ چھوڑ کر آئی تھی، ہر قسم کی غلاضتوں سے پاک دنیا، یہی وہ چاہتی تھی۔

اور جہاں تک ساس کی بات تھی تو جہاں پر محبت ہو وہاں کچھ برداشت کرنا بھی پڑ جائے تو جائز ہے۔

''وہ انہیں بہت جلد اپنا کر لے گی۔'' سوچتے ہوئے وہ پرامید تھی۔

☆☆☆

رمان کا ایم بی اے کمپلیٹ ہو چکا تھا وہ بہت خوش تھی کہ اس کی ہر خوشی اس سے ہی وابستہ تھی۔

''ویسے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی، تمہیں آخر کیا نظر آیا مجھ میں؟'' اس کی بے پناہ محبت پر کبھی رمان پوچھتا تو وہ مسکرا دیتی۔

آج اس کا انٹرویو تھا، مرجان نے اس کے لئے بے شمار دعائیں کیں تھیں وہ اسے ہر موڑ پر کامیاب دیکھنا چاہتی تھی۔

اس کی ساس کا رویہ رفتہ رفتہ نارمل ہو رہا تھا، وہ ابھی ان کو چائے دے کر آئی تو انہوں نے اس کے نرم و ملائم ہاتھوں کو دیکھا۔

''تم یہ کام کیوں کرتی ہو؟ نوکر کس لئے ہیں۔'' انہوں نے اس کے خوبصورت وجود پر نظر ڈالتے ہوئے کہا تو وہ خوش ہو گئی وہ اب کبھی کبھی اس سے بات کر لیتی تھیں ان کی اس توجہ پر اسے سکون سا محسوس ہوا۔

''مجھے خوشی ہوتی ہے۔'' ان کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے کہا وہ رشتوں کی پیاسی تھی اسے لگا وہ ان کی شکل میں ایک ماں کو حاصل کر سکتی ہے جواباً انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو خوشی کے بے پایاں احساس سے اس نے ان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

لیکن یہ خوشی نہایت عارضی ثابت ہوئی تھی دروازے پر دستک ہوئی تو اس کی ساس اٹھ کر جانے لگی تھیں۔

مرجان نے توجہ نہیں دی وہ سرشاری سی اپنے کمرے میں آ گئی ریان کے بعد آج وہ اس کی ماں کو بھی جیت چکی تھی آج کے دن وہ پرسکون تھی۔

☆☆☆

اور وہی دن اس کی سیاہ بختی کی خبر لے کر طلوع ہوا تھا رمان آج کچھ زیادہ ہی لیٹ ہو گیا تھا اس نے پریشانی سے سوچا۔

''یہ سب بالکل، خواب سا لگتا ہے۔'' کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

''اس نے رمان چاہا تھا اور وہ اسے بغیر کسی پریشانی کے مل گیا تھا، وہ اسے عزت بنا کر گھر لایا تھا، ورنہ وہ کیا تھی، محض ایک فلم ایکٹرس، وہ بھی سرور صاحب کی مہربانی سے اگر وہ نہ ہوتے تو وہ کیا ہوتی۔'' اس نے جھرجھری سی لی کھٹکے کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا، رمان شوز اتار رہا تھا۔

خیالوں کے تانے بانے بنتے اسے خبر نہ ہو سکی کہ وہ کب آیا تھا۔

''آپ کب آئے؟'' مرجان نے جوتے اٹھانے کو ہاتھ بڑھائے مگر وہ اس سے پہلے ہی اٹھا چکا تھا شوز ریک میں رکھتے ہوئے وہ واش روم کی سمت چل دیا۔

مرجان کو حیرت سی ہوئی، رمان نے اسے ایک نظر دیکھا بھی نہیں تھا اور یہ آج پہلی بار ہوا تھا۔

''شاید کچھ تھک گیا ہو۔'' دماغ نے اسے تسلی دی۔

''لیکن ایسی بھی کیا پریشانی......'' دل نے فوراً اس تاویل کو رد کیا۔

''آخر ہوا کیا ہے؟ رمان نے تو کہا تھا آج کھانے اکٹھے کھائیں گے۔'' وہ ابھی سوچ رہی تھی جب وہ تولیے سے منہ صاف کرتا کمرے میں داخل ہوا۔

''کھانا لاؤں آپ کے لئے؟'' وہ اس کے رویے کی وجہ جاننا چاہ رہی تھی لیکن...... یہی کہہ سکی، اس کے چہرے پہ موجود سختی نے اسے کچھ پوچھنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

''نہیں۔'' اس نے پتھریلے لہجے میں جواب دیا مرجان کو اس کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا، وہ تو بہت نرم مزاج تھا، اسے اس طرح بولتے دیکھنا، مرجان کے لئے یہ بالکل نیا تجزیہ تھا۔

''رمان، سب خیریت ہے نا، آپ انٹرویو کے لئے گئے تھے کیا بنا اس کا۔'' اس کی طرف دیکھتے ہوئے مرجان نے استفسار کیا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے سابقہ جواب دہرایا۔

''کیا نہیں کچھ نہیں...... موڈ کیوں آف ہے؟'' مرجان نے اس کے بازو پہ ہاتھ رکھتے ہوئے سوال کیا، مگر دوسرے ہی لمحے اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، رمان نے اس کا ہاتھ بری طرح جھٹک دیا تھا۔

''ڈونٹ ٹچ می۔'' آواز پھنکار کی مانند لگی تھی اسے، وہ سن سی کھڑی رہ گئی اس قدر شدید ردعمل۔

''رمان واٹ از دس؟'' مرجان نے اس کے اس ردعمل پر اس کی وجہ جاننا چاہی۔

''آپ نے صبح بھی کھانا نہیں کھایا تھا اور اب بھی اگر کوئی پریشانی ہے تو آپ شیئر تو کر سکتے ہیں نا۔'' اس کے پریشان اور الجھے ہوئے انداز پر اب کی دفعہ اس نے نرمی سے استفسار کیا۔

''شٹ اپ جسٹ شٹ اپ، کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟ بہت بڑی قربانی دی ہے تم نے؟ میرے لئے اپنا سارا کیریئر داؤ پر لگا دیا اور پوری دنیا کو حیران کر دیا، لیکن...... میں میں نہیں جانتا تھا کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے؟'' وہ غصے سے چیخا۔

''رمان کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''ہاں بہت معصوم ہو تم، میں بھی یہی سمجھتا تھا، یہ کیا ہے؟'' اس نے میز سے کچھ اٹھایا تھا اور پھر اس کے منہ پر دے مارا تھا۔

''کیا ہے یہ سب......؟'' اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے تصویر اٹھائی، پہلی تصویر اٹھاتے ہی جیسے ہی اس کی نظر پڑی آسمان جیسے اس کے سر پر گرا تھا۔

''یہ...... یہ سب......'' اس کی قوت گویائی جیسے کسی نے سلب کر لی ہو مرجان کو ایسے ہی لگا۔

''میری ماں نے ہمیشہ کہا کہ گلی کا گند ہمیشہ گند ہوتا ہے چاہے لاکھ مخمل چڑھایا جائے اور حیران تو میں بھی تھا، لیکن......'' وہ سانس لینے کو رکا۔

''محبت...... ہاہ محبت...... تم نے کہا مجھے محبت ہو گئی ہے تم سے اور میں نے یقین کر لیا۔'' وہ استہزائیہ ہنسا۔

''رمان...... یہ...... یہ سب جھوٹ ہے بلیو می ایسا کچھ نہیں ہے۔'' ہکلاتے ہوئے اس کے سامنے کھڑے ہوئے مرجان نے کہا۔

''شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ او کے۔'' انگلی اٹھاتے ہوئے اس نے وارن کیا۔

''بہت بے وقوف بنا لیا تم نے بٹ نو مور، آئی کانٹ بلیو یو، کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ اس شخص سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور مجھے تو شک ہے کہ اس کے علاوہ بھی نجانے کتنے لوگوں سے......''

''رمان!'' اس الزام تراشی پر وہ پوری قوت سے چلائی۔

''چٹاخ۔'' زوردار تھپڑ سے وہ ایکدم سے گری تھی ڈریسنگ ٹیبل کا کونا عین ماتھے پر لگا تھا خون کی ہلکی سی لہر اس کی گردن تک آئی۔

''گیٹ لاسٹ فرام ہیئر، میں مزید تمہارا وجود یہاں برداشت نہیں کر سکتا۔'' وہ ساکت بیٹھی اسے دیکھتی رہی، وہ شاید یقین کرنا چاہتی تھی کہ یہ سب اسی نے کیا ہے۔

''تو آج یہ تو طے ہوا کہ تمہیں کبھی مجھ سے محبت نہیں رہی کیونکہ جس سے محبت کی جاتی ہے اسے تکلیف نہیں دی جاتی۔'' تکلیف کی شدت سے آنکھیں میچتے ہوئے مرجان نے سوچا۔

''تم نے مجھے غلط سمجھا مرجان بی بی، ہم غیرت مند لوگ ہیں اور...... طوائفوں کے لئے اس گھر میں کوئی جگہ نہیں۔'' اس نے سنگدلی سے کہا تو مرجان نے ایک جھٹکے سے نظریں اٹھائیں وہ جانتی تھی یہ سچ نہیں لیکن اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔

''میں رمان اسد بہوش و حواس تمہیں طلاق دیتا ہوں۔'' رخ موڑے موڑے اس نے اس کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا۔

ایک اور قیامت اس پر گزری تھی، اس نے چاہا کہ وہ اٹھے اور اسے کسی طرح روک دے لیکن اس کی ٹانگیں بے جان تھیں، وہ اٹھ نہ سکی صرف پتھرائی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''طلاق دیتا ہوں۔'' مرجان نے ایک بار پھر اٹھنا چاہا وہ اس کے قدموں میں گرنا چاہتی تھی اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ بے قصور ہے لیکن، وہ ایک بار پھر بے بس تھی۔

''میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔'' اور اس کی قسمت کا فیصلہ مکمل ہو گیا تھا، اب کہنے کو کیا بچا تھا، وہ قسمت کی اس ستم ظریفی پر حیران تھی، اس کا ماضی ایک بار پھر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

''مرجان! ہوں ویری بیوٹی فل نیم لائک یو، کس نے رکھا تھا؟'' اس کے سرخ و سفید گال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس عورت نے پوچھا تھا۔

''امی نے۔'' اس نے شرماتے ہوئے کہا۔

''اچھا، تو مطلب کیا ہے اس کا؟'' اس نے نہایت محبت سے پوچھا۔

''مطلب؟'' مرجان نے زیر لب دہرایا۔

''ہاں امی نے ایک دفعہ کہا تھا کہ اس کا مطلب ہے موتی ''چمکنے والا۔'' اس نے شوق

سے بتایا۔

"واؤ ویری گڈ، لگتا ہے تم جب چھوٹی سی تھی تو اتنی ہی پیاری تھی، تبھی تو انہوں نے تمہارا یہ نام رکھا۔" انہوں نے اس کے سلکی بالوں میں ہاتھ پھیرا تو وہ صرف مسکرا سکی۔

"خوبصورت گرین ساڑھی، خوبصورت میک اپ بھاری زیورات۔" سامنے بیٹھی عورت یقیناً کافی امیر تھی، اس نے سوچا لیکن اس پر اتنی مہربان کیوں تھی اس کی وجہ وہ جاننے سے قاصر تھی۔

"کاش یہ سب میرے پاس بھی ہو۔" اس کے خوبصورت پرس اور قیمتی موبائل کو دیکھتے ہوئے اس نے حسرت سے سوچا۔

"مرجان! میرے ساتھ چلو گی؟" اس کی آنکھوں میں چھپی حسرت شاید ان کو نظر آ گئی تھی، ان کی بات پر مرجان نے حیرت سے انہیں دیکھا خواہشیں اتنی جلدی پوری ہوتی ہیں یہ اسے آج پتا چلا تھا۔

ابو کی وفات کے ٹھیک دو ماہ بعد جب اچانک امی بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئیں تو کتنے ہی دن اسے خود کو یقین دلانے میں گزر گئے کہ وہ ایسا اس دنیا میں اکیلی ہے اس وقت اس کی عمر صرف دس سال تھی، اس کے ماموں اسے اپنے ساتھ تو لے آئے تھے لیکن اتنی بڑی ذمہ داری، شاید کوئی بھی اٹھانے کو تیار نہیں تھا اور بمشکل ایک سال بعد اسے یتیم خانے بھجوا دیا گیا۔

یہاں کی زندگی اس کے لئے کافی مشکل ثابت ہوئی تھی، ماں باپ کے بغیر ایکدم سے اجنبی ماحول میں رہنا، وہ سخت بد دل تھی اس جگہ سے، اب اگر اچانک اسے یہاں سے نکلنے کا کوئی وسیلہ ملا تھا، تو اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا، دوسرے تمام بچوں سے ملتے ہوئے وہ خود کو ان سے بہت الگ محسوس کر رہی تھی۔

اور اس شام یتیم خانے سے نکلتے ہوئے اس نے آزاد زندگی کا تصور کیا، وہ بہت خوش تھی، یہ یتیم خانے میں اس کا آخری دن تھا۔

وہ خوش تھیں بہت زیادہ، مرجان وہ واقعی موتیوں کی طرح تھی سرخ و سفید موتی انہوں نے اس کے چمکتے کھلتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا جو اشتیاق سے دوڑتی ہوئی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔

وہ ہیرا تھی اور اس کی پہچان انہوں نے کی تھی وہ وہاں موجود ہر بچے سے مختلف تھی حسن میں، چمک دمک میں۔

مستقبل میں وہ ان کے لئے کافی فائدہ مند ثابت ہو گی انہیں یقین تھا کیونکہ گھاٹے کا سودا انہوں نے آج تک نہیں کیا تھا۔

"اترو بیٹا۔" انہوں نے کہا تو وہ چونکی، گھر آ چکا تھا اس نے حیرت سے بلند و بالا عمارت کو دیکھا بالکل ایسا ہی گھر تو وہ چاہتی تھی، اس کی خوشی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

"تھا تیھا تھا تیھا تھا۔" اندر داخل ہوتے ہی سب سے پہلی آواز جو اس کے کانوں میں پڑی وہ طبلے کی تھی، جسے وہاں بیٹھا ایک شخص بجا رہا تھا جس کا منہ پان سے لتھڑا ہوا تھا۔

اس کے سامنے چھ سات لڑکیاں ناچ رہی تھیں یا شاید کچھ سیکھ رہی تھیں۔

مرجان نے حیرت سے ان کے پیروں میں بندھے گنگھروؤں کو دیکھا، ان کے اندر داخل ہوتے ہی ایک لمحے کو ان کے پیر تھمے، دوسرے ہی لمحے وہ اپنے سابقہ کام میں مصروف ہو گئیں۔

مرجان کو یہ سب عجیب سا لگا، تبھی وہ اسے لئے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہو گئیں۔

کمرے کی شان و شوکت دیکھ کر وہ ابھی کچھ دیر پہلے کا منظر بھول گئی نرم نرم قالین پر پاؤں رکھتے ہوئے وہ ڈر گئی اتنی نرمی اسے لگا وہ کہیں نیچے ہی نیچے اتر رہی ہے۔

"کاش وہ یہیں پیدا ہوئی ہوتی۔" ایک اور سوچ نے اس پر حملہ کیا تھا۔

"بعض اوقات خواہشات کے حصول کے لئے بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔" یہ چھوٹی سی بات اس گیارہ سالہ لڑکی کو بہت دیر سے سمجھ آئی تھی۔

☆☆☆

اسے یہاں آئے ہوئے ایک ماہ ہو چکا تھا یہاں وہ سب کچھ تھا جو کوئی بھی چاہ سکتا ہے، اچھا لباس، بہتر خوراک اور فرحت ہی فرحت لیکن پھر بھی کچھ تھا، جو کہ مختلف تھا اور جسے اس کا شعور سمجھنے سے قاصر تھا۔

سارا دن طبلے اور گھنگھروؤں کی صدائیں آیا کرتیں یا پھر چنچل شوخ حسیناؤں کے قہقہے، معنی خیز باتیں، حسن پر تبصرے ہوتے اور خوبصورتی بڑھانے کی ترکیبیں ایک دوسرے کو بتائی جاتیں۔

رات ہوتے ہی ایک رونق کا سماں ہوتا خوب لمبی لمبی گاڑیاں آ کر رکتیں جن میں سے سوٹڈ بوٹڈ لوگ نکلتے، ہر طرف جشن کا سا سماں ہوتا، رنگ، خوشبوئیں، ساز سنگیت ہر طرف بکھر جاتے۔

آدھی رات تک یہ محفل رنگ و بو لگی رہتی اور پھر...... ہر طرف تاریکی کا راج ہوتا اور اس تاریکی سے نئی نئی کہانیاں جنم لیتیں۔

اسے اس پراسرار سے ماحول سے الجھن سی ہوتی سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز جو اسے حیران کیے رکھتی، وہ یہ تھی کہ وہاں کوئی مرد نہیں تھا، نہ کسی کا ابو اور نہ بھائی، وہ سوچنے میں مصروف رہتی۔

یہ ماحول یقیناً نیا تھا جو اس کی سمجھ سے بالاتر تھا اس کے لئے مشکلوں کا آغاز اس دن ہوا تھا جب اس نے رنگوں اور سنگیتوں کی دنیا کو اپنانے سے انکار کیا وہ اس پراسرار تاریکی کا حصہ نہیں بننا چاہتی تھی، جس تاریکی کا انجام نہایت بھیانک ہوتا۔

"میں یہ سب نہیں کروں گی۔" اس نے نفرت سے ان گھنگھروؤں کو دیکھا جو اس کے سامنے پڑے اس کی بے بسی کا مذاق اڑا رہے تھے۔

عمر کی منزلیں طے کرتے وہ کب جوانی کی دہلیز میں داخل ہوئی اس کا اندازہ انہیں بھی نہ ہو سکا تھا اور یہی وہ وقت تھا جس کا ان کو شدت سے انتظار تھا، اس کے ہوشربا وجود اور دلفریب سراپے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے ایک بار پھر خود کو داد دی، ماضی میں کیا گیا اپنا فیصلہ انہیں بالکل صحیح لگا تھا۔

"ارے گڑیا...... اتنا غصہ؟" اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھاتے ہوئے انہوں نے محبت سے پوچھا تھا۔

"میڈم آپ مجھے یہاں لے کر آئیں، مجھے تعلیم دلوائی آپ کا یہ بہت بڑا احسان ہے مجھ پر لیکن ان احسانات کا بدلہ یوں مت لیجئے۔" اس نے ایک دم سے ان کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔

"پلیز میں یہ سب نہیں کر سکتی۔" وہ رونے لگی تھی۔

"لیکن چندا یہاں سب ہی کرتے ہیں، یہی ہمارا پیشہ ہے اور یہی روزگار کا ذریعہ۔" وہ چاہتی تھیں کہ یہ کام آسانی سے نبٹ جائے سو انہوں نے حتی الامکان لہجے کو نرم رکھا تھا، لیکن وہ

ایک دم سے بھڑک اٹھی تھی۔

"ذریعہ روزگار، آپ کا ہوگا میرا نہیں میری رگوں میں دوڑنے والا خون ایک غیرت مند عزت دار اور عبادت گزار باپ کا ہے اور میری ماں اس نے ہمیشہ میرے لئے سیدھی راہ کی دعا کی ہے، میں یہ سب نہیں کرسکتی آپ مجھے واپس چھوڑ آئیں جہاں سے مجھے لائیں تھیں۔" ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے اس نے کہا تو بدر بیگم کا پارہ ہائی ہوگیا تھا۔

"واپس چھوڑ آؤں، اتنی دیر کی محنت کا ثمر کسے اور کے حوالے کر دوں، ایک بات کان کھول کر سن لو، بہت انتظار کرلیا میں نے اب اور نہیں، تمہیں یہی رہنا ہے اور یہی کام کرنا ہے، اگر آسانی سے یہ بات سمجھ جاؤ گی تو اسی میں تمہاری بھلائی ہے ورنہ......" انہوں نے ایک نظر اس کے سراپے پر ڈالی۔

"ٹیڑھے کو سیدھا کرنا مجھے بخوبی آتا ہے۔" بات مکمل کرتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھیں۔

"اور ہاں تمہیں واپس چھوڑنے کی غرض سے میں کبھی بھی نہیں لے کر آئی تھی۔" گردن موڑ کر انہوں نے کہا اور پھر اک ادا سے ساڑھی کا پلو لہراتے ہوئے باہر نکل گئیں، جبکہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ شدت سے رو دی تھی۔

☆☆☆

وہ اس کے ساتھ کیا کرنے والی تھیں وہ نہیں جانتی تھی لیکن ان سے اب کسی قسم کی نرمی کی امید رکھنا یا کسی بھلائی کی توقع عبث تھی ان کی آنکھوں میں موجود واضح دھمکی۔

وہ سوچ سوچ کر پاگل ہوئی جا رہی تھی، اس دن کے بعد ان کی طرف سے مکمل خاموشی تھی اور یہ خاموشی کس طوفان کا پیش خیمہ تھی یہ اس کے لئے ایک سوالیہ نشان تھا، اس نے ایک ہاتھ سے دکھتے سر کو دبایا، مسلسل سوچنے سے ابھی تک، سوائے پریشانی کے کچھ ہاتھ نہ لگا تھا بلکہ ذہن مزید الجھ گیا تھا۔

یہ تو اس نے پکا ارادہ کرلیا تھا کہ وہ اس دلدل میں نہیں اترے گی اس کے لئے اسے جو بھی کرنا پڑا وہ کر گزرے گی لیکن وہ کرے گی کیا؟ یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"وہ یہاں سے بھاگ جائے۔" ایک خیال اس کے دماغ میں آیا تھا لیکن اتنی کڑی پہرے داری کے سبب یہ ممکن نہ تھا اس نے یہ خیال رد کر دیا۔

"بدر بیگم کے ہاتھ ایک دفعہ جو شکار لگ جائے پھر وہ بچ کر نہیں جا سکتا۔" یہ بات وہاں موجود ایک لڑکی نے اسے بتائی تھی۔

"کیا کروں...... کس سے کہوں۔" اس نے ایک بار پھر بے بسی سے سوچا۔

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" اس نے خود کو مطمئن کرنا چاہا لیکن دل اس عارضی تسلی سے مطمئن نہیں ہو سکا تھا۔

☆☆☆

وہ جو غیر مرئی نقطے کو دیکھتے ہوئے سوچوں کی وادی میں گم تھی دستک کی آواز پر اچھل کر کھڑی ہوگئی۔

"ک...... کون؟" اسے لگا فیصلے کی گھڑی آ پہنچی ہے، سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے دروازے کی سمت دیکھا۔

"مرجان یہ میں ہوں، دلربا۔" آواز آئی تھی اور اس نے سکون کا سانس لیتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

اتنے سالوں میں اگر اس کی کسی کے ساتھ دوستی ہوئی تھی تو وہ یہی تھی اور یہاں اگر وہ کسی پر یقین کرسکتی تھی تو وہ بھی دلربا ہی تھی اس کے آتے ہی اس نے دروازہ ایک بار پھر بند کر دیا۔

بیڈ پر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے اس نے خاموشی سے اسے دیکھا وہ بھی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔

"مرجان! کیا سوچا ہے تم نے؟" وہ جانتی تھی کہ وہ یہ سوال ضرور کرے گی، مرجان خاموشی سے اپنی ہتھیلی کو دیکھتی رہی جس میں موجود لکیریں بالکل واضح تھیں لیکن ان میں موجود اس کی قسمت نہایت پیچیدہ تھی، مرجان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے۔" اس کے دوبارہ کہنے پر اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تمہارے خیال میں مجھے کیا سوچنا چاہیے۔" اس نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے؟"

"دلربا تم بتاؤ میں کیا کروں؟" اس نے بے چارگی سے پوچھا۔

"میرا دل، میری روح یہ سب قبول نہیں کرتی، میں کیسے سمجھاؤں خود کو؟ اور کوئی راستہ کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا۔" وہ بے بسی سے رو دی تو دلربا نے اسے گلے لگاتے ہوئے اسے تسلی دینے کی کوشش کی کہ وہ بھی اتنی ہی بے بس تھی جتنی کہ وہاں موجود ہر لڑکی۔

"پتا ہے جب میں یہاں آئی تو بالکل یہی حالت تھی میری، لیکن پھر میں نے اسے تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کرلیا۔" اس نے آنسو صاف کیے۔

"بدر بیگم وہی کرتی ہیں جو وہ سوچ لیتی ہیں ان کے پاس ہزار طریقے ہیں۔" وہ چاہتی تھی کہ مرجان کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح سوچ لے۔

"یہاں کوئی بھی تمہاری مدد نہیں کرسکتا، لیکن میں دعا کرونگی کہ اللہ تمہیں ہر مشکل سے بچائے اور تمہاری حفاظت کرے۔" یاسیت سے کہتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھی تھی، دل کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی، اس کو روتے دیکھ کر دل بوجھل سا ہوگیا تھا۔

نجانے کیا بات تھی کہ وہ پیاری سی لڑکی، جو وہاں موجود سب لوگوں سے الگ وجود رکھتی تھی دلربا کو اس سے ایک خاص انسیت سی تھی لیکن وہ اس کے لئے کچھ نہیں کرسکتی تھی اس بات پر اسے شدید دکھ تھا۔

☆☆☆

"مونا! یہ سب کیا ہے؟" مرجان نے حیرت سے اس کے ہاتھ میں موجود شاپرز کو دیکھ کر پوچھا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی بدر بیگم کمرے میں داخل ہوئی تھیں انہوں نے مونا کو جانے کا اشارہ کیا۔

"میرے خیال میں اب تو تم کافی ریسٹ کرچکی ہو اور بیڈ ریسٹ کرنے کے لئے اتنے دن تو کافی ہوتے ہیں۔" اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"صاف لفظوں میں یہ کہ آج تمہاری تقریب رونمائی ہے، نیچے سارے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں تم بس جلدی سے تیار ہو کر نیچے پہنچو مہمان بس آیا ہی چاہتے ہیں، اس شاپر میں سامان موجود ہے۔" تفصیلی جواب پر اس نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔

"تقریب رونمائی۔" انہوں نے اسے کہا تھا جیسے اسے صدیوں سے اسی تقریب کا انتظار ہو۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"
"وہی جو تم سن رہی ہو۔" اس کی بات کاٹتے ہوئے انہوں نے کہا۔
"لیکن میں آپ کو بتا چکی ہوں۔"
"بس......" ہاتھ اٹھائے ہوئے انہوں نے اسے بولنے سے روکا۔
"تم میری نرمی کا کافی سے زیادہ فائدہ اٹھا چکی ہو، میں اپنی بات کے جواب میں نہ سننے کی عادی نہیں ہوں تیار ہو کر فوراً نیچے پہنچو۔"
"لیکن میں یہ سب نہیں پہنوں گی۔" اس نے شاپرز میں موجود کپڑوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"اچھا......تو تم ایسے نہیں مانو گی۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا۔
"میں آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں اور میرا فیصلہ ابھی بھی وہی ہے چاہے آپ مجھے قتل کروا دیں۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔
"قتل ایسی غلطی میں کبھی نہیں کروں گی، میں تمہیں قتل نہیں کرواؤں گی۔" انہوں نے پراسرار لہجے میں کہا۔
"اسلم، ارشد۔" انہوں نے وہیں سے آواز دی تو دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تھا اور اندر آنے والوں کو دیکھ کر اس کے قدموں سے جان نکل گئی تھی، وہ اس کے ساتھ کیا کروانا چاہتی تھی وہ جان گئی تھی، میڈم کے اشارہ کرنے پر انہوں نے اسے باہر کی جانب دھکیلا تھا۔
"یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ، میں...... میں نہیں جاؤں گی چھوڑو مجھے۔" اس نے خود کو چھڑانا چاہا۔
"چھوڑو مجھے۔" اس کے چیخنے کے باوجود ان پر کوئی اثر نہ ہوا تھا، وہ اسے گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے تھے جب اچانک ایک آواز پر ان کے قدم رکے۔
"رکو۔" دلکش مردانہ آواز پر مرجان نے دوپٹہ درست کرتے ہوئے مڑ کر دیکھا لیکن آنکھوں میں موجود دھند کی وجہ سے وہ صحیح طرح سے دیکھ نہ سکی، مگر دوسری طرف اس پر نظر پڑتے ہی ایک قیامت تھی جو "طلال قریشی" پر گزری تھی ایسا حسن۔
مگر اس وقت جو اس کی حالت تھی وہ اسے کسی قیامت سے کم نہیں لگی تھی، گرفت ڈھیلی پڑتے ہی وہ تیزی سے وہاں سے بھاگی تھی اس کے سامنے سے ہٹتے ہی اس کو ہوش آیا تھا۔
"کون تھی یہ لڑکی؟" اس نے پرشوق انداز میں استفسار کیا۔
"یہ مرجان ہے۔" ان میں سے ایک نے جواب دیا۔
"مرجان!" اس نے زیر لب دہرایا۔

☆☆☆

پوری رات اس نے دعا مانگتے گزاری تھی اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کی۔
دستک کی آواز پر اس نے گردن موڑتے ہوئے دروازے کو دیکھا، دل کی دھڑکن ایک دم سے تیز ہوئی تھی۔
اپنے آپ کو ہر قسم کی مشکل کے لئے تیار کرتے ہوئے اس نے دروازہ کھول دیا، لیکن سامنے موجود شخص کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی، سامنے وہی شخص تھا جس کی وجہ سے وہ کل محفوظ رہی تھی۔
"آپ؟"
"اندر آنے کو نہیں کہیں گی؟" طلال نے اسے باور کروایا تھا۔
"او......سوری......آئیے۔" اس نے اسے اندر آنے کی جگہ دی۔
"کسی بھی شخص کے دل کا حال اس کی

آنکھیں بخوبی بیان کر سکتی ہیں۔" اگر وہ خریدار ہوتا تو کسی اور طرح اس کے سامنے آتا، سو وہ اس پر اعتبار کر سکتی تھی تبھی اس نے بے جھجک اسے اندر آنے کو کہا تھا، وہ صوفے پر بیٹھ چکا تھا سو مرجان بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔
"میں نہیں جانتی کہ آپ کون ہیں لیکن آپ میرے محسن ہیں میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی لیکن میں باہر نکلنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی اس لئے......" مرجان کو لگا کہ اسے اس شخص کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔
"مجھے طلال کہتے ہیں۔" اس نے اپنا تعارف کروایا تھا۔
"میں کوئی اتنا شریف آدمی نہیں ہوں، دولت بے پناہ ہے لیکن مصرف کوئی نہیں، تو اس دولت کو لٹانے یہاں آ جاتا ہوں۔" وہ ہنسا تھا، مرجان نے اس عجیب سے شخص کو دیکھا جو عجیب سے انداز میں اپنا تعارف کروا رہا تھا اور وہ یہ سب اسے کیوں بتا رہا تھا وہ اس پہ بھی حیران تھی۔
"میں دراصل ایک بہت ضروری بات کہنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔" اس کی بات پر مرجان نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔
"آپ کے بارے میں ساری معلومات مجھے مل چکی ہیں، مزید جاننے کی مجھے خواہش نہیں، ایکچوئیلی میں یہ کہنے کے لئے آیا تھا کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے جیسے دھماکہ کیا تھا، مرجان نے اچنبھے سے اسے دیکھا، شاید وہ مذاق کر رہا تھا۔
"میں کسی قسم کا مذاق نہیں کر رہا اور نہ ہی یہ جھوٹ ہے، میں نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے۔" اس کی آنکھوں میں موجود سوالات کا جواب دیتے ہوئے اس نے مرجان کے حسین چہرے کو نظر بھر کر دیکھا۔
اگر یہ مذاق نہیں تھا تو......؟ تو کیا...... یہ رب کی طرف سے اس کے لئے موقع تھا، اس خوبصورت قید سے نکلنے کا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔
بدر بیگم کس طرح رضامند ہوئی تھیں اسے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا لیکن اس نے یقیناً اتنی بڑی رقم ضرور لی ہو گی جس سے اس کے پانچ دس سال آرام سے گزر سکیں، وہ موتی تھی اور بدر بیگم نے اس کی قیمت ایک جوہری کی طرح ہی وصول کی ہو گی، اس بات کا مرجان کو یقین تھا۔
طلال بہت شاندار سراپے کا مالک تھا اور وہاں موجود ہر لڑکی نے مرجان کی قسمت پہ رشک کیا تھا اسے نہ صرف ایک خوبصورت ہم سفر مل رہا تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسے اس زندگی سے نکلنے کا ذریعہ مل رہا تھا جس کو گزارنے پر وہ سب مجبور تھیں۔
پھر اس کی منگنی بہت خوبصورت انداز میں ہوئی تھی طلال نے اسے بتایا تھا کہ وہ ابھی صرف منگنی کرے گا، تاکہ اس پر اپنا حق قائم کر سکے، شادی کے لئے اس نے ایک ماہ کا عرصہ مانگا تھا، وہ نہیں جانتی تھی کہ اس میں کیا راز ہے لیکن اس قدر عزت دینے پر وہ اس کی ممنون تھی۔
وہ چاہتا تو اسے دوسرے طریقے سے حاصل کر سکتا تھا، وہ طریقہ جو یہاں آنے والا ہر شخص اپناتا تھا، لیکن وہ اسے اپنی زینت بنا کر لے جانا چاہتا تھا، جس پر وہ اس کی بے پناہ مشکور تھی۔
"بہت بہت مبارک ہو، پتا ہے تم بہت خوش قسمت ہو۔" دلربا نے اسے مبارک دیتے ہوئے کہا تھا۔
"اچھا، وہ کیوں؟" اس نے ہنستے ہوئے

پوچھا۔
''تم پہلی لڑکی ہو جو اس طرح یہاں سے جا رہی ہو اور وہ بھی اس صورت میں کہ بدر بیگم نے اپنا مستقبل تم سے وابستہ کر رکھا ہو۔''
''اس کی کیا وجہ کیا ہو سکتی ہے۔'' ایک سوال مرجان کے دماغ میں کلبلایا۔
''شاید اس لئے بھی کہ طلال، بدر بیگم کا منظور نظر تھا اور اس کی وجہ اس کی بے پناہ دولت تھی۔'' دلربا نے جواب دیا۔
''ہوں۔'' مرجان نے گردن ہلائی۔
''مرجان! تم جانتی ہو طلال نے تم سے شادی کی بجائے منگنی کیوں کی ہے ابھی۔'' اس کے سوال پر مرجان نے چونک کر اسے دیکھا۔
''نہیں تو۔'' اس طرف تو اس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔
''کیا مطلب؟ تمہیں طلال نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' دلربا نے بے یقینی سے استفسار کیا۔
''بتایا تو تھا کہ وہ اتنا شریف آدمی نہیں ہے اور یہ کہ اس کے پاس بہت زیادہ دولت ہے۔'' اس جواباً کہا۔
''تم واقعی بہت معصوم ہو۔'' دلربا نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے اسے کہا۔
''لیکن...... دل بات کیا ہے، تم یہ کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو صاف بات کرو۔'' اسے بے چینی سی ہو رہی تھی۔
''وہ کینیڈا گیا ہے۔'' دلربا نے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی اس کی انگوٹھی کو دیکھا جو طلال نے اسے پہنائی تھی۔
''اپنی پہلی بیوی سے شادی کی اجازت لینے۔'' بات مکمل کرتے ہوئے اس نے آئینے میں مرجان کو دیکھا جو ساکت کھڑی بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

اس نے ایسا کیوں کیا تھا وہ نہیں جانتی تھی لیکن اگر وہ پہلے سے شادی شدہ تھا تو اسے اس کی کیا ضرورت تھی، الجھن تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی، بے شمار سوالات تھے جو اس کے ذہن میں آ رہے تھے لیکن ان کا جواب اسے تبھی مل سکتا تھا جب وہ واپس آتا۔
اس کے لئے وقت گزارنا مشکل ہو رہا تھا ہر لمحہ بھاری تھا ایک ماہ کا عرصہ اس نے کیسے گزارا یہ صرف وہی جانتی تھی، لیکن اس کی اصل پریشانی تب شروع ہوئی تھی جب ایک ماہ گزر جانے کے باوجود وہ واپس نہیں آیا تھا۔
''آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے۔'' بار بار یہی سوال اس کے دماغ میں گردش کر رہا تھا، وہ اسے دھوکا نہیں دے سکتا تھا کیونکہ مرجان نے اس کی آنکھوں میں سچائی دیکھی تھی، وہ سچے دل سے اس کا طلب گار تھا۔
''تو کیا اس کی بیوی نے اسے آنے نہیں دیا؟'' اسے عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔
اپنی عزت اسے ایک بار پھر خطرے میں لگ رہی تھی۔
''اب کیا ہو گا؟ کیا یہی زندان اس کا مقدر ہے؟'' ایک بڑا سا سوالیہ نشان تھا جو اس کے سامنے تھا، بدر بیگم نے اسے بلایا تھا۔
دو ماہ کا عرصہ بیت چکا تھا، اسے نہ آنا تھا نہ ہی آیا سخت مایوسی سے اس نے یہ وقت گزارا تھا، اب وہ اس کا انتظار کرنا چھوڑ چکی تھی، اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا۔
آخر ایک دن اسے بدر بیگم نے بلایا۔
''بیٹھو۔'' انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا خلاف توقع وہ نرمی سے پیش آ رہی تھیں، وہ ان

کے سامنے بیٹھ گئی۔
''تمہیں پتا ہے کہ ہم کبھی ڈیلنگ نہیں کرتے لیکن تمہارے معاملے میں، ہم نے یہ بھی کیا اور پھر طے شدہ مدت سے زیادہ ہونے کے باوجود تمہیں تنگ نہیں کیا گیا، لیکن آخر کب تک؟ یہ تو زیادتی ہے نا اور خلاف اصول تھی۔'' وہ کیا کہنا چاہ رہی تھیں مرجان کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔
''تمہیں بہت زیادہ وقت دیا گیا ہے جبکہ عام حالات میں ایسا نہیں ہوتا، تم سمجھ رہی ہو نا میں کیا کہہ رہی ہوں۔'' مرجان نے بیزاری سے سر ہلایا اسے اس تقریر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔
''طلال کا فون آیا تھا وہ نہیں آ سکتا۔'' لاپرواہی سے کہتے ہوئے انہوں نے اس کے تاثرات دیکھے وہ پلکیں جھپکائے بنا انہیں دیکھ رہی تھی۔
''تو وہی ہوا تھا جس کا خطرہ تھا۔'' مرجان نے سوچا۔
''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے؟'' مرجان نے بے تاثر نظروں سے انہیں دیکھا، وہ ان کے رحم و کرم پر تھی۔
''اب وہی ہو گا جو وہ چاہیں گی۔'' اس نے خود کو یقین دلایا۔
''ایک بڑے پرڈیوسر ہیں انہیں فلم میں ایک خوبصورت لڑکی کی ضرورت ہے۔'' وہ ذرا سا رکیں۔
''انہوں نے تمہارا نام لیا ہے اور میں نے ان کو ہاں کہہ دی ہے۔'' انہیں لگا تھا وہ احتجاج کرے گی، چیخے چلائے گی لیکن وہ خاموشی سے سامنے لگے پوٹریٹ کو دیکھتی رہی۔
''کل ان کی گاڑی آئے گی تمہیں لینے۔'' انہوں نے مزید کہا۔
''مجھے منظور ہے۔'' اس نے جواب دیا تو وہ حیرت زدہ سی اسے دیکھتی رہ گئیں۔
وہ ایک بار پھر بک چکی تھی لیکن اس دفعہ خریدار کی نوعیت مختلف تھی، اس کی بے پناہ کوشش کے باوجود اگر قسمت کا یہی فیصلہ تھا تو وہ اسے بدل نہیں سکتی تھی۔
وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئی، بدر بیگم نے بے یقینی سے اسے جاتے دیکھا تھا وہ اتنی جلدی مان جائے گی انہیں اس بات کی توقع نہیں تھی۔

☆☆☆

وہ بے حس ہو گئی تھی، دلربا سے ملتے ہوئے اس کی آنکھ سے ایک آنسو تک نہ بہا۔
وہ جس دنیا میں جا رہی تھی وہ اس زندگی سے قطعاً مختلف نہ تھی، دونوں کے کام کی نوعیت تھوڑے سے فرق سے ایک ہی جیسی تھی ہاں لیکن ایک میں شہرت حاصل ہوتی تھی اور دوسری میں بدنامی مقدر بنتی۔
اس نے ایسی شہرت کی خواہش کبھی نہیں کی تھی جو اپنی قیمت چکا کر حاصل کی جائے لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتی، یہ دنیا تھی جہاں سب کچھ ممکنات میں سے تھا۔
ایک ادھیڑ عمر شخص نے اس کا استقبال کیا تھا، اس کے اندازے کے مطابق یہی وہ شخص تھا جس نے اسے خریدا تھا، بدر بیگم یقیناً بہت خوش ہوں گی، وہ دو دفعہ اس کے ذریعے سے کافی سے زیادہ رقم سمیٹ چکی تھی۔
فطرتاً وہ شخص ایک شریف النفس آدمی تھا یہ بات وہ تین دن میں جان چکی تھی، اس نے اسے صرف فلم میں کام کرنے کے لئے ہی حاصل کیا تھا، مرجان کو یقین آ چکا تھا اس کا سلوک، ان دو دنوں میں اس کے ساتھ کافی عزت و احترام کا سا تھا۔

اس کوٹھی میں آئے اسے ایک ہفتہ سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا تھا، وہ شخص کبھی کبھی آتا اور اسے تھوڑا سا سمجھانے کے بعد چلا جاتا، پھر وہ ہوتی اور اس کی کل وقتی ملازمہ۔

ایک گاڑی اسے لینے آئی تھی وہ چپ چاپ بیٹھ گئی لیکن جس جگہ گاڑی اسے لے کر آئی تھی وہ جگہ دیکھ کر وہ ایک دفعہ لرز اٹھی، اسے یہاں ڈانس سکھانے کے لئے لایا گیا تھا وہ اندر داخل ہو گئی۔

''اور نماز قائم کرو، نیکی کرو اور برائی سے بچو۔'' اس نے جیسے ہی ناچنے کے لئے قدم اٹھائے ایک آواز اس کے کانوں میں آئی تھی جو کہ اس معزز اور پاک آدمی کی تھی جو اسے قرآن پڑھانے کے لئے آیا کرتے تھے۔

اسے اچھی طرح یاد تھا جب امی اسے باقاعدگی سے نماز پڑھاتیں، ان کے ساتھ نماز پڑھنا اسے بہت اچھا لگتا، امی اسے بتایا کرتیں۔

''نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔''

اس نے آخری دفعہ کب نماز پڑھی تھی؟ اسے کوشش کے بعد بھی یاد نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

آگے ہی آگے بڑھتے ہوئے وہ شہرت کی بلندیوں کو چھوتی گئی، اس کی اٹھی ہوئی گردن جہاں اس کے وقار میں اضافہ کرتی وہیں اس کا بے نیازی اور سنجیدگی بھرا انداز اسے ایک تمکنت عطا کرتا اور اس کی یہ خوبیاں اسے سب سے انوکھا اور منفرد بنا دیتی تھیں۔

موبائل کی تیز بپ پر وہ جھٹکے سے حواسوں کی دنیا میں واپس آئی تھی، اس وقت اس کا کسی سے بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا سو اس نے موبائل آف کر دیا۔

ماضی کے گرداب میں گم ہوتے ہوئے اسے ایک بار پھر وہ منظر یاد آیا جب رمان نے اسے گھر سے نکلنے کو کہا تھا اور مرجان کے لئے اس ساری صورتحال کو سمجھنا اور اس پر یقین کرنا بہت مشکل تھا، وہ ابھی تک ہوش میں تھی اسے اس بات پر حیرت تھی۔

اور پھر اس گھر کی دہلیز پار کرتے ہوئے، جس گھر میں داخل ہوتے وقت اس نے سپنوں کا ایک گھر تعمیر کیا تھا، اس کی دہلیز پار کرتے وہ لڑکھڑائی تھی اور پھر شاید بے ہوش ہو گئی تھی انہوں نے خود ہی اسے گھر پہنچا دیا تھا، سونی نے بتایا تھا کہ تین دن تک وہ بخار سے بے سدھ پڑی رہی تھی۔

طلال نے اسے ایک باعزت زندگی دینے کا وعدہ کیا تھا اس پر وہ اس کی مشکور تھی لیکن اسے اس سے محبت نہیں تھی جبکہ رمان کو اس نے خود چنا تھا، اپنے خوابوں کی تکمیل کے لئے اس نے جس شخص کا انتخاب کیا تھا وہ بھربھری مٹی کی طرح ثابت ہوا تھا۔

اسے دکھ اس بات کا نہیں تھا کہ رمان نے ان تصویروں پر اعتبار کیا بلکہ دکھ تو اس بات کا تھا کہ اس نے مرجان پر یقین نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

''واٹ...... آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' چائے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ سونی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''اس میں اتنا حیران ہونے والی کون سی بات ہے؟'' مرجان نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو سونی نے اسے ایسے دیکھا تھا جیسے اسے سمجھ نہ پا رہی ہو۔

چار ماہ کی طویل خاموشی کے بعد آج انہیں کی خاموشی ٹوٹی تھی اور اس پر سونی کو خوشی تھی لیکن جو فیصلہ اس نے کیا تھا وہ اس پر اس سے متفق نہیں تھی۔

''لیکن...... آپ تو کہتی تھیں کہ آپ کا دم گھٹتا ہے یہاں، یہ فیلڈ ایک برزخ ہے جس میں ہر گھڑی جلنا پڑتا ہے، تو پھر...... آپ کیوں دوبارہ اسی برزخ میں قدم رکھنا چاہتی ہیں۔'' اس نے اسے یاد دلایا تھا جیسے۔

''ہاں کہا تھا میں نے لیکن تب میں غلطی پر تھی، ایک حسین پاکیزہ زندگی کا تصور کرتے ہوئے اور عام لڑکیوں کی طرح خواب دیکھتے ہوئے میں یہ بھول گئی کہ ہمارا معاشرہ ایک بڑی اسکرین پر ڈانس کرنے والی ایکٹریس کو تو قبول کر لیتا ہے لیکن بازار حسن میں رہنے والی لڑکی کو کسی صورت قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔''

''اور تم شاید بھول رہی ہو کہ میں بھی ایک طویل عرصہ اس جگہ پر رہنے کی سعادت حاصل کر چکی ہوں جہاں باعزت معاشرے کے باعزت لوگ دل لبھانے تو ضرور جاتے ہیں لیکن اگر کسی پہ سنگ برسانے کا کام انہیں سونپا جائے تو سب سے پہلا پتھر انہی کی طرف سے اس عورت پر پڑے گا جس کے حسن کو وہ گھنٹوں خراج تحسین پیش کیا کرتے تھے۔'' اس نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''تو گویا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟'' تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تو مرجان نے دھیان سے اسے دیکھا۔

سونی اس کی راز داں، اس کے ہر غم میں شریک اور اس کی ہر خوشی میں شامل ہوتی، اسے آج بھی یاد تھا کہ اسے بدر بیگم سے حاصل کرنے کے لئے اسے کیا کچھ کرنا پڑا تھا۔

وہاں جو دلربا تھی یہاں وہ اس کی سونی تھی جو ساری زندگی اس کے ساتھ دینے کا وعدہ کرتے ہوئے وہاں سے آئی تھی اور جو ایک بہن کی طرح اس کے لئے فکر مند ہوتی اور ایک ماں کی طرح اس کے لئے دعائیں کیا کرتی۔

''تم جانتی ہو میں اپنے فیصلے نہیں بدلا کرتی۔'' مرجان کے کہنے پر وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

وہ جانتی تھی کہ وہ شوبز میں واپس لوٹنا محض اس کی ایک ضد تھی ورنہ وہ جانتی تھی کہ اسے اس فیلڈ سے کس قدر نفرت تھی وہ صرف انتقام لے رہی تھی۔

کس سے؟ یہ سونی نہیں جانتی تھی، رمان سے؟ اس معاشرے سے؟ یا پھر خود سے......؟

☆☆☆

شام سے ہی ٹھنڈی ہواؤں کی وجہ سے سردی کی تیز لہر نے موسم کافی ٹھنڈا کر دیا تھا، رات کو بارش برسنا شروع ہو گئی تھی تیز شور پر اس کی آنکھ کھلی تھی، گہری نیند سے اٹھنے کی بنا پر وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ کیا ہو رہا ہے پھر ایکدم سے اسے احساس ہوا تھا کہ یہ دروازہ زور زور سے کھٹکھٹانے کی آواز تھی۔

بادل ایکدم سے گرجے تھے، پاس پڑا دوپٹہ اٹھاتے ہوئے اس نے تیزی سے دروازہ کھولا چوکیدار اسے کچھ بتانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بادلوں کے گرجنے میں اس کی آواز اسے سنائی نہیں دی۔

''کون ہے؟'' بمشکل سنتے ہوئے اسے صرف یہ سمجھ آ سکی تھی کہ باہر کوئی ہے چوکیدار یہی بتانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''پتا نہیں بی بی صاحب، کوئی بابو سا آدمی ہے ایک بریف کیس سا پکڑا ہوا ہے مسافر لگتا ہے پناہ مانگتا ہے۔''

''اگر کوئی چور ڈاکو ہوا تو......؟'' ایک لمحے کو اس نے سوچا۔

''لیکن اسے کیا پڑی ہے کہ اتنے خراب

موسم میں چوری کرنے آئے؟'' لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی بارش کو دیکھتے ہوئے اس نے اس امکان کو رد کر دیا۔

''ٹھیک ہے تم ان کو گیسٹ روم میں ٹھہرا دو۔'' اس نے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا، لیکن پھر وہ رک گئی۔

''اسے کم از کم اس شخص کو دیکھنا چاہیے، اگر وہ واقعی کوئی ایسا ویسا آدمی ہوا تو؟'' وہ کانپ سی گئی، کمرے کے گرم ماحول سے نکلتے ہوئے اسے ماحول میں خنکی کا احساس ہوا تھا ٹھنڈی ہوائیں بدن میں سرائیت کر رہی تھیں۔

''ایسے میں جو شخص بارش میں کھڑا ہے اسکا کیا حال ہوگا۔'' اسے ایکدم سے اس دن دیکھے انسان پر حیرت ہوئی تھی اور ترس سا آیا تھا۔

تبھی وہ اندر داخل ہوا تھا، بیگ ہاتھ میں پکڑے، براؤن پینٹ کوٹ میں وہ کافی سے زیادہ بھیگ چکا تھا۔

''آپ کا بہت شکریہ، دراصل میں راستے میں تھا کہ میری گاڑی خراب ہو گئی نزدیک یہی گھر تھا، بارش بھی ہو رہی تھی اس لئے آپ کو تکلیف دی، اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔'' اس کا چہرا اندھیرے میں ہونے کے سبب وہ صرف اس کی آواز ہی سن سکی، اسے کچھ مانوس سی لگی تھی۔

تبھی چوکیدار نے لائٹ آن کی تھی اور کچھ کہنے کے لئے کھلنے والے مرجان کے لب کھلے رہ گئے تھے، دونوں اپنی اپنی جگہ پر ساکت رہ گئے تھے، مرجان کو اس کی آواز مانوس کیوں لگی تھی، وہ جان گئی تھی۔

☆☆☆

''لیکن اتنی صبح اچھا نہیں لگتا اور میرا خیال ہے وہ خود ہی چلا جائے گا، اسے یوں کہنا مناسب نہیں لگتا۔'' سونی کو صبح سویرے اس کا پیغام ملا تھا، وہ تیزی سے آئی تھی لیکن اس کا مطالبہ سنتے ہی وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

''لیکن میں اسے یہاں نہیں دیکھنا چاہتی۔'' اس نے قطعیت سے کہا۔

''ٹھیک ہے میں کہہ دیتی ہوں۔'' وہ باہر نکل گئی تھی۔

طلال کو دیکھتے ہی اس کے زخم نئے سرے سے تازہ ہو گئے تھے ایک اور ماضی کا حوالہ اور وہ ماضی کے کسی حوالے کو دیکھنا یا سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے وہ کافی دیر سونی کا انتظار کرنے کے بعد باہر کی طرف چل دی لیکن وہ سامنے کا منظر دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئی تھی۔

وہ بڑے مزے سے ناشتہ کرنے میں مصروف تھا اور سونی اس کے پاس کھڑی شاید اس کو کوئی بات بتا رہی تھی غصے کی تیز لہر نے اس کا احاطہ کیا تھا۔

''سونی!'' تھوڑا سا قریب جا کر اس نے پکارا تو اس نے چونک کر اسے دیکھا جو سخت غصے میں لگ رہی تھی۔

''وہ...... میں نے ان سے کہا تھا جانے کو، مگر۔'' سونی نے وضاحت دیتے ہوئے کہا۔

مرجان نے ایک نظر اسے دیکھا جو ذرا سا بھی کنفیوژ ہوئے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے فضول لوگوں کا وجود اس گھر میں پسند نہیں ہے، ان سے کہو فوراً سے پیشتر یہاں سے چلے جائیں ورنہ مجھے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔'' اپنی بات مکمل کرتے ہوئے وہ اس کے تاثرات دیکھے بغیر واپس مڑ گئی تو سونی نے ایک نظر طلال کو دیکھا جو کہ کچھ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

اس کا ارادہ آج پریس کانفرنس کرنے کا تھا وہ چاہتی تھی کہ اپنی واپسی کا باضابطہ اعلان کرے سو وہ اسی سلسلے میں تیار ہو رہی تھی خود کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھتی وہ باہر آئی لان میں طلال کو بیٹھے دیکھ کر ایک لحظے کو اس کے قدم رکے تھے مگر دوسرے ہی لمحے وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

وہ گاڑی کا دروازہ کھولنے ہی والی تھی جب اسے اس کی آواز سنائی دی تھی مرجان نے سن گلاسز اتارتے ہوئے سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں پلیز مجھے کچھ ٹائم دو؟'' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''سوری مجھے کہیں ایمرجنسی پہنچنا ہے۔'' اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

''لیکن میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔'' اس کے تیزی سے کہنے پر اس نے زور سے دروازہ بند کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

''کہیے۔''

''مرجان! تم یہ سب کیوں کر رہی ہو۔'' آپ سے تم تک کا فاصلہ ایک لمحے میں طے کرتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

''کیا کر رہی ہوں؟'' کندھے اچکاتے ہوئے اس نے الٹا سوال کیا۔

''یہی شوبز میں واپسی، تمہیں نہیں لگتا کہ یہ ایک غلط فیصلہ ہے جو تم کر رہی ہو۔''

''مسٹر طلال قریشی، اٹس مائی پرسنل میٹر اور میں اپنے پرسنلز میں کسی کی انٹرفیئرنس پسند نہیں کرتی۔'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''لیکن......''

''سوری آئی ایم گیٹنگ لیٹ۔'' اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے مڑ گئی جبکہ وہ متاسف نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا وہ ایک دفعہ پھر اپنے لئے ایک غلط راستے کا انتخاب کر رہی تھی۔

☆☆☆

اداس سا ہے دل اور شام غم کا عالم
واہ رے محبت تیری بے نیازیاں

وہ کچھ سوچنے میں مصروف تھا جب دستک کی آواز پر اس نے دروازے کی سمت دیکھا آنے والی سونی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

''نتھنگ اسپیشل۔'' کندھے اچکاتے ہوئے اس نے جواباً کہا۔

''تم نے بات کی؟'' سونی نے غور سے اسے کے الجھے ہوئے انداز کو دیکھا۔

''ہوں...... کی تھی۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''پھر......؟'' سونی نے مختصر نظروں سے اسے دیکھا۔

''میرے خیال میں اسے منانا اتنا آسان نہیں جتنا تم نے سوچا تھا۔'' طلال نے پر سوچ انداز میں کہا۔

''وہ یہ سب ضد میں کر رہی ہے لیکن وہ یہ سب ٹھیک نہیں کر رہی۔''

''شاید وہ تمہیں اس کا قصوروار سمجھتی ہے۔'' اس نے سونی نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''مجھے......؟ بٹ وائے؟'' طلال نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ اگر تم واپس آ جاتے تو شاید حالات اس سے مختلف ہوتے وہ یہ سب نہ کر رہی ہوتی۔''

''لیکن وہ انتظار تو کر سکتی تھی نا۔'' اس نے کہا۔

''بدر بیگم نے اس کے پاس کوئی آپشن ہی کہاں چھوڑا تھا، انہوں نے کہا تھا کہ تم واپس نہیں آؤ گے، تو اس کے پاس اقرار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، ایک طرف کھائی تھی اور دوسری طرف کنواں سو جو اسے بہتر لگا اس نے وہ کیا۔'' بات مکمل کرتے ہوئے سونی نے اسے دیکھا۔

''میں بتا چکا ہوں کہ میں کتنا مجبور تھا، میں نے کوشش کی بٹ میں وقت پر نہیں آ سکا اور اس بات کا افسوس مجھے تاعمر رہے گا لیکن میں نے ہمیشہ اس کی خوشیوں کے طویل دور کی دعا کی ہے۔'' دھیمے لہجے میں بولتا ہوا، سونی کو وہ اداس سا لگا۔

''اب تم نے کیا سوچا ہے؟'' سونی کے سوال پر وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

''میرے خیال میں مجھے ایک دفعہ پھر اس سے بات کرنی چاہیے اور میں یہ کوشش ضرور کروں گا اور تب تک کرتا رہوں گا جب تک وہ مان نہیں جاتی، ایک پاکیزہ اور مکمل زیست کے حصول میں اگر میں اس کے لئے چراغ راہ کا کام دوں تو مجھے بے پناہ خوشی ہو گی۔'' مضبوط لہجے میں کہتا ہوا وہ پرعزم تھا۔

☆☆☆

میرے پپا کا تعلق فیوڈل فیملی سے تھا، پسند کی شادی کرنے کے بعد جب انہیں گھر سے نکالا گیا تو انہیں ہر وقت ایک ہی خدشہ لاحق رہتا اور وہ یہ کہ کوئی مما کو نقصان نہ پہنچا دے۔

شادی کے محض پانچ سال بعد جب میری عمر تین سال تھی پپا ہارٹ فیل ہونے کے باعث ہمیں چھوڑ گئے تو مما مجھے لے کر فارن چلی گئیں اپنے بھائی کے پاس۔

وقت گزرتا گیا، وہیں میری ملاقات بدر بیگم کے بیٹے ارسلان سے ہوئی، وقت کے ساتھ ساتھ میری دوستی اس کے ساتھ پختہ ہوتی گئی، اس نے مجھے اپنے بارے میں بتایا، رشتوں سے محروم وہ نہایت بے ضرر سا لڑکا تھا جو میری دوستی پر بے پناہ خوش تھا وہ اپنی ماں سے سخت متنفر تھا اور پاکستان کبھی بھی نہ آنے کا فیصلہ کر چکا تھا سیلنہ میرے ماموں کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی، جس سے شادی صرف اور صرف مما کی خواہش تھی، سیلنہ کے بی ایس سی کرنے کے فوراً بعد ہمارا نکاح ہو گیا جبکہ رخصتی اس کے ہاؤس جاب کے فوراً بعد قرار پائی۔

''انہی دنوں ارسلان نے بتایا کہ اس کی ماں اسے واپس بلانا چاہتی ہے، ارسلان کے مسلسل انکار پر میں نے پاکستان آنے اور ارسلان کی مما سے ملنے اور انہیں ارسلان کا پیغام پہنچانے کا فیصلہ کیا ارسلان کی ماں یعنی بدر بیگم کو اس کا پیغام پہنچانے کے بعد میں واپس جانے ہی والا تھا جب میری نظر تم پر پڑی، تمہاری دگرگوں حالت پر مجھے تم پر ترس آیا تھا لیکن تمہارے حالات سن کر میں نے تم کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔''

''میں نے سوچا تھا کہ یہاں سے جا کے مما کو تمام صورتحال بتا کر قائل کر لوں گا اور پھر......

لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا مما کی اچانک ڈیتھ پر میں بالکل تنہا ہو گیا، سیلنہ کو جب میں نے تمہارے بارے میں بتایا تو اس نے ایک طوفان اٹھا دیا، اس کے اس طرح ری ایکٹ کرنے پر ماموں نے مجھے سخت برا بھلا کہا اور مجھ پر دباؤ ڈالا کہ میں تمہارا خیال دل سے نکال دوں لیکن جب میں نے ان کی بات نہ مانی تو انہوں نے جھوٹا الزام لگا کر مجھے اندر کروا دیا، وہ میرے

لئے سخت مشکل وقت تھا اور اسی مشکل وقت میں ارسلان نے میرا ساتھ دیا مجھے وہاں سے نکالنے اور واپس پاکستان پہنچانے تک وہ مسلسل میرے ساتھ رہا، اپنوں کی بے رخی اور غیروں کی اپنائیت پر میں بے پناہ حیران تھا، یہاں آ کر پتا چلا کہ تم ایک نئی دنیا کی باسی ہو گئی ہو، پھر سونی یعنی دلربا کا ایڈریس لے کر جب میں یہاں پہنچا تو پتا چلا کہ تمہاری شادی ہو چکی تھی مجھے بے پناہ خوشی ہوئی، لیکن جب تم واپس آ گئیں تو سونی نے مجھے ساری صورتحال سے آگاہ کیا، میں جانتا تھا کہ تم نے شوبز میں آنے کا فیصلہ نہایت مجبوری میں کیا تھا لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ تم دوبارہ سے وہیں چلی جاؤ جہاں پہلی دفعہ تمہیں انتہائی مجبوری کے عالم میں جانا پڑا تھا اور شاید سونی بھی ایسا نہیں چاہتی تھی تبھی اس نے فوری طور پر مجھے یہاں بلایا اور میں فوراً یہاں پہنچ گیا۔'' بات کے اختتام پر اس نے مرجان کو دیکھا جو کہ خاموش نظروں سے کپ میں پڑی چائے کو دیکھ رہی تھی جو کہ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

''یہ سب بتانے کا مقصد......؟'' اس نے بے تاثر لہجے میں استفسار کیا۔

''تم شاید مجھے قصوروار سمجھتی رہیں حالانکہ اس سب میں میرا کوئی دوش نہیں تھا۔''

''پھر......؟'' مرجان نے بدستور اسی لہجے میں جواب دیا۔

''مرجان! کیا ہم دوبارہ سے......؟''

''اب ایسا ممکن نہیں۔'' اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہوئے مرجان نے اس کی بات کاٹی۔

''لیکن کیوں......؟'' طلال نے بے چینی سے پوچھا۔

''کیونکہ میں یہاں سے جا رہی ہوں۔''

''کہاں؟'' طلال نے تیزی سے کہا۔

”بٹاک...... ہمیشہ کے لئے۔“ وہ اٹھ کر چل دی تھی جبکہ طلال خاموش نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

”توبہ بہت سردی ہے آج اور برف باری امکان لگتا ہے ساری سنو فال آج ہی ہو جائے گی۔“ وہ بولتا ہوا کچن میں داخل ہوا تھا اور مرجان جانتی تھی کہ وہ اب کیا کرے گا۔

”او گاڈ! بہت سست ہو یار تم۔“ اس کے ہاتھ سے انڈا لے کر چھیلتے ہوئے اس نے مرجان کو چائے بنانے کا کہا تھا یہ اس کی محبت کا اپنا ہی انداز تھا جو کہ مرجان کو بے حد اچھا لگتا تھا طلال اور سونی کے اصرار پر اس نے وہ فیصلہ کیا تھا جس پر اسے بعد میں ہمیشہ فخر ہوا تھا، شوبز چھوڑنے اور طلال سے شادی کا فیصلہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے ایک اور فیصلہ کیا تھا اور وہ تھا ہمیشہ کے لئے اس ملک کو چھوڑنے اور پھر کبھی یہاں نہ آنے کا فیصلہ، یہاں ہر جگہ اس کے ماضی کے حوالے تھے اور اس کا یہی ماضی جو ایک دفعہ پہلے اس کا سب چھین کر لے گیا تھا وہ دوبارہ سے اس ماضی کی بھینٹ نہیں چڑھنا چاہتی تھی سو ہمیشہ کے لئے یہاں چلی آئی جہاں طلال کی بے انتہا محبت نے اسے پچھلی یادیں بھلانے میں بہت مدد کی تھی۔

”اُف...... ایک تو مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ میری اتنی حسین بیوی بار بار کہاں کھو جاتی ہے جبکہ اس کا حسین خوبصورت شوہر اس کے سامنے کھڑا ہے۔“ طلال کی شگفتہ آواز پر اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

”پتا ہے میں سوچ رہی تھی۔“

”یہی ناں کہ میں اتنا اچھا کیوں ہوں۔“ اس کی بات کاٹتے ہوئے طلال نے کہا تو مرجان نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا۔

”لیکن آپ کو کیسے پتا چلا۔“

”کیونکہ پچھلے تین ماہ میں تم سو دفعہ یہ بات مجھے بتا چکی ہو۔“ چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے طلال نے کہا تھا۔

وہ دونوں چلتے ہوئے ونڈو تک آئے تھے جہاں سے برف باری کو گرتے دیکھنا ہمیشہ سے ایک دلفریب نظارہ ہوتا۔

”کتنا خوبصورت منظر ہے نا۔“ مرجان نے سامنے درخت کو دیکھا جو مسلسل برف پڑنے کی بنا پر سفید ہو چکا تھا۔

”پتا ہے مرجان! مجھے آج تک تمہارا وہ اسٹائل (انداز) نہیں بھولتا۔“ طلال کے سنجیدہ انداز میں کہنے پر مرجان نے پرشوق نظروں سے اسے دیکھا۔

”کون سا......؟“

”جب میں برستی بارش میں تمہارے گھر آیا تھا اور صبح ناشتے کی میز پر تم نے پتا ہے کیا کہا تھا۔“ اس نے رک کر مرجان کی سمت دیکھا۔

”کیا؟“

”تم نے کہا تھا...... سونی ان سے کہو یہاں سے چلے جائیں ورنہ......“ شرارتی لہجے میں کہتے ہوئے اس نے مرجان کی نقل اتاری تھی۔

”طلال......!“ مرجان نے خفگی سے احتجاجاً کہا اور جواب میں اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

بلاتبصرہ

سمی کرن

”چھیماں اور پھیماں کہاں مرگئی؟ ارے ہاتھ ذرا تیزی سے چلا، توبہ کیسی سست عورت ہے، یہ صبح سے اتنا سا کام بھی ختم نہیں ہوتا تجھ سے، پتہ بھی ہے دس دفعہ بتا چکی ہوں کہ میں نے بہت ضروری میٹنگ پہ جانا ہے، الیکشن سر پہ ہیں اس قسم کے اجلاسوں کا کامیاب ہونا بہت ضروری ہے، اس لئے گھر کے تمام ملازمین بھی ساتھ جائیں گے، نعرے لگائیں گے تالیاں بجانا، مگر تم بدحرام لوگ مجال ہے کہ تم لوگوں کو مالک کی بات کا اثر یا لحاظ ہو۔“ بیگم حامد علی ابھی پارلر سے آئیں تھیں اور اب اپنی تیاری کو فائنل ٹچ دیتے ہوئے ملازمین پر برس رہی تھیں۔

اتنا وسیع و عریض بنگلہ مالی، چوکیدار، خانساماں دو ملازمائیں مگر جب تمام تر کام صرف ملازمین پر ہو اور بیگم صاحبہ کو اپنے ناز نخروں سے فرصت نہ ہو تو گھر کی سلطنت بدنظمی کا شکار ہو جاتی ہے، تمام امور سے خیر و برکت رخصت ہو جاتی ہے سیدھی سی بات ہے آپ کی جیب کا درد آپ کو ہی ہو سکتا ہے دوسرا بھلا آپ کا خیال کیوں کرے گا، یہی حالات یہاں بیگم حامد علی کے گھر تھے، ملازمین کو پتہ تھا بیگم صاحبہ کو کسی کام سے کوئی سروکار نہیں سو ہر کام میں لاپرواہی کے نتیجے میں

ایک کام بنتا اور سو بگڑتے، یہی حال کچھ آج تھا گو کہ بھی جلدی جلدی ہاتھ چلا رہے تھے مگر ہفتوں سے بگڑے حالات کوئی ایک دن میں سنورتے ہیں بھلا! پھر بیگم صاحبہ کو ان کی کوتاہیاں بھی اسی طرح کے کسی موقعے پر نظر آتی تھیں ورنہ تو ان کے اپنے معمولات تھے اور ان کوتاہیوں پر ان کو سوچنے کی ضرورت و فرصت کبھی نصیب نہیں ہوتی تھی کہ یہ گھر تو آخر میرا ہے جب اس کا خیال میں نہ رکھوں تو دوسروں کو آخر کیا پڑی ہے؟

''اری او چھیماں جلدی آمر اور ادھر سے یہ سارا کام سمیٹ کر اپنے کپڑے بھی بدل ہڈ حرام کبھی تو نمک حلالی کر لیا کر مجھے ابھی اپنی Speach بھی دہرانی ہے، دیکھ تو شازیہ نے دفتر سے Speach بھجوا دی ہے یا نہیں۔'' انہوں نے ایک بار پھر آواز لگائی، حامد علی کی سیکرٹری شازیہ کی اردو اچھی تھی اس لئے سپیچ لکھنے کی ذمہ داری اس کو سونپی گئی تھی۔

آخر کار یہ قافلہ اللہ اللہ کر کے روانہ ہوا ایک گاڑی میں بیگم صاحبہ دوسری میں دو کل وقتی ملازمیں دو دوسری اور ایک خانساماں، چوکیدار اور ڈرائیور کی بیوی، بیگم صاحبہ نے اپنے ساتھ کسی کو بٹھانے کی زحمت نہ کی کہ ان کی بو آتی تھی اور ساڑھی کی فال خراب ہونے کا بھی اندیشہ تھا، باقی ملازمائیں تو اسی میں خوش تھیں کہ اے سی والی گاڑی میں بیٹھ رہی تھیں مگر چھیماں صبح سے ہونی والی بے غیرتی اور پھر یوں گاڑی میں سات افراد کے ٹھونسے جانے اور بیگم صاحبہ کے اپنے ساتھ بٹھانے کی فرمائش پر بری طرح جھڑک دیئے جانے پر کچھ رنجیدہ و کبیدہ تھی۔

آخر وہ بہت کم سنی میں یہاں لائی گئی تھی یہیں جوان ہوئی پھر شادی کے بعد یہ ملازمت برقرار رہی اور اب تو ادھیڑ عمری کی طرف مائل تھی ان بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ رہ کر اس نے بہت کچھ سیکھا تھا اور وہ پاگل گنوار نہیں رہی تھی سمجھتی تھی محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

یہ اجلاس دراصل یوم مئی کے حوالے سے ورکنگ ویمن کے مسائل پر تھا اور بیگم صاحبہ مہمان خصوصی کے طور پر مدعو تھیں جہاں ان کو اپنی تقریر کرنی تھی اور بس اللہ اللہ خیر صلا ورنہ مسائل کے حل کی یہاں کسے پروا ہے؟ خیر جب مہمان خصوصی وہاں پہنچیں تو انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، ملازماؤں کو ان کے نعرے یاد دلوا کر تقریر پر خوب تالیاں پیٹنے کی ہدایات دہرائی گئیں اور ہال میں مختلف جگہوں پر بٹھا دیا گیا، جہاں پر حامد علی صاحب کے آفس کی بھی چند خواتین پہلے سے براجمان تھیں اور ان کو بھی اجلاس کو ''کامیاب'' کروانے کی ہدایات تھیں۔

خیر تقریب کلام پاک اور نعت خوانی سے شروع ہوئی بیگم صاحبہ نے بڑی نزاکت سے ساڑھی کا پلو ذرا سا سر پہ سرکا لیا، اس کے بعد رسمی کارروائی کے بعد بیگم صاحبہ کو تقریر کے لئے مدعو کیا گیا، تقریر شروع ہوئی تقریر تھی کہ فصاحت و بلاغت کا بہتا دریا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ بیگم حامد علی واقعی نبض آشنا ہیں لیکن کوئی نہ جانتا تھا کہ تقریر لکھنے والی خود ایک نچلے متوسط طبقے کی ورکنگ خاتون ہے اور اپنے درد کو بیان کرنا جبکہ قدرت بھی ہو بیاں کرنے کی تو اتنا مشکل کام نہیں۔

بیگم صاحبہ نے فرمایا رہی تھیں۔

''میں جانتی ہوں محنت کی عظمت کو یہ آپ کی محنت ہے کہ یہ گلشن ہرا بھرا ہے، کتنا مشکل ہوتا ہے جب آپ اپنے روتے بلکتے بچے اور بوڑھے والدین کو چھوڑ کر گھر سے اپنے فرائض کی تکمیل کے لئے نکلتی ہیں یا پھر آفس سے واپسی پر سکول

سے واپس آنے والے بچوں کی ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہوتی ہیں اور رات گئے تک دہری ذمہ داریاں نبھاتی ہیں آپ کی عظمت کو سات سلام لیکن میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر ہم حکومت میں آئے تو آپ کے مسائل کو حل کرنے اور کم کرنے کی کوشش کریں گے آپ کو پک اینڈ ڈراپ کی سہولت کے علاوہ آپ کی چھٹی اور آفس ٹائمنگ میں رعائیت برتی جائے گی اور......'' سارا ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔

جن میں مصنوعی تالیاں اور قدرتی دونوں شامل تھیں کہ تقریر واقعی بہت خوبصورت تھی اور ہماری بھولی عوام بہت جلد بیوقوف بن جاتی ہے تالیاں پیٹنے میں چھیماں بھی شامل تھی مگر اس کی آزردگی اس کے چہرے سے پڑھی جا سکتی تھی، جانے کیا سوچ رہی تھی وہ جانے احساس کے کس حصے پہ تازیانہ پڑا تھا حالانکہ تمام عمر یونہی بیت گئی تھی۔

☆☆☆

واپسی پر وہ بہت خاموش تھی، بیگم صاحبہ تھک کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئیں تھیں، شام گئے وہ آرام کر کے اپنے کمرے سے نکلیں تو حیران ہوتیں کہ چھیماں نے نہ تو جوس بنا کر آگے رکھا نہ ہی کوئی کام سمیٹا تھا بلکہ چپ چاپ کونے میں بیٹھی تھی بیگم حامد علی کا صبح کا غصہ عود کر آیا۔

''اری او ہڈ حرام کیا نحوست پھیلا رکھی ہے کیا مفت کام کرواتی ہوں اتنا پالتی ہوں آج نیا سوٹ دیا پیسے دیے مگر مجال ہے کہ تم لوگوں کے منہ سے شکریہ نکلے۔'' بیگم حامد علی نے اسے بری طرح لتاڑنے لگیں، چھیماں نے خاموشی سے انہیں عجیب سرد سی نظروں سے دیکھا اور توقف کے بعد بولی۔

''بیگم صاحبہ آپ نے اپنی تقریر ورکنگ عورتوں پر کی نہ ان کو عزت دینے کی بات سہولتیں دینے کی بات کبھی تسی سوچیا کہ میں بھی مزدور عورت ورکنگ ہوں اپنے روتے بچے چھوڑ کر آتی ہوں، ساس گالیاں بھی دیتی ہے خدمت بھی کرواتی ہے اور پھر بیٹے سے مار بھی پڑواتی ہے اور پھر آپ کی جھڑکیاں، آپ نے ان کو بونس دینے کی بات کی اور مجھے تھوڑے سے پیسے فالتو دے کر آپ سمجھتی ہو کہ احسان کر دیا، وہ پڑھی لکھی عورتیں میں ان پڑھ، ان کے کام سے گلشن ہرا بھرا تو بیگم صاحبہ میرے کام سے آپ کا گھر چلتا ہے ورنہ آپ نے تو کبھی چائے کا کپ نہیں بنایا، گیلا تولیہ اٹھا کر تار پر نہیں ڈالا آپ کو گھر کا کیا پتہ یہ گھر میرے جیسے لوگوں کی وجہ سے چل رہا ہے پھر ہم ورکنگ کیوں نہیں ہماری عزت کیوں نہیں، ہمارے مسئلے کیوں آپ کو نظر نہیں آتے، بیگم صیب آپ کیسی حکومت کرو گے اور کیسی عورتوں کے مسئلے حل کرو گے پہلے اپنے گھر کے پاسے دھیان مارو اور دیکھو کہ یہ تبھی ورکنگ عورت ہے اس کی عزت مان اور مسئلہ بھی ضروری ہے بیگم صیب ساری زندگی آپ کی غلامی کی، یہ سوچ کر کہ کیا در در کے دھکے کھانے ہیں، مگر آپ نے قدر نہ جانی، مگر مجھے سمجھ آ گئی ہے آپ کی تقریر نے ہور نہیں تو اتنا ضرور سمجھا دیا ہے کہ آپ جیسے لوگوں کو سمجھانے کے لئے چھیماں کو خود اپنا آپ ثابت کرنا پڑے گا ہم رزق حلال کھاتے ہیں ہماری وجہ سے آپ کے گھر ہرے بھرے ہیں تو پھر ہماری عزت کیوں عزت نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ اس بنگلے سے ہمیشہ کے لئے نکل گئی، پیچھے حیرت کی زیادتی سے بیگم صاحبہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، یہ چھیماں کیسے پل بھر میں انہیں آئینہ دکھا گئی تھی جس میں انہیں اپنی شکل پہچانی مشکل ہوئی تھی۔

☆☆☆

مانوس اجنبی

شہناز رانا

"آفس جاب کا تجربہ ہے تمہیں کرلوگی۔"
بھرے بھری لبوں والی کیوٹ سی اسماء پوچھ رہی تھی۔

"تجربہ تو نہیں ہے لیکن کرلوں گی ٹائمنگ اور پے کیا ہوگی۔" عروشہ نے اپنی بڑی بڑی فسوں خیز آنکھیں اٹھا کر کہا۔

"ٹائمنگ وہی نائن ٹو فائیو اور سیلری تو بہرحال یہاں سے اچھی ہی ہوگی۔" اسماء نے ایک کاپی چیک کرنے کے بعد اسے ٹیبل پر رکھا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں اماں سے مشورہ کر لوں، لیکن اتنی جلدی جاب ملے گی کیسے؟"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو یہاں اس سکول میں آنے سے پہلے میں آفس جاب کرتی تھی، وہ تو شادی اور بچی کی پیدائش کے بعد میں نے چھوڑی اسی آفس میں ریاض صاحب سے میں آج ہی بات کرتی ہوں وہ تمہارے لیے کوئی نہ کوئی جگہ ضرور نکالیں گے۔" اسماء نے اسے اطمینان دلایا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" عروشہ نے سرد آہ

ناولٹ

بھرتے ہوئے کہا تھا۔

"دیکھو تم بہادر بنو، اگر کوئی خاندان میں سے اعتراض کرتا ہے تو ٹھونک کر جواب دو، جب کھانے کو روٹی نہیں دے سکتے تو اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں۔" صاف گو سی اسماء نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

"ہوں۔"

"تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے ڈرنے کی۔" اس نے ایک بار پھر اس کی ہمت بڑھائی تھی۔

یہ شہر کے ایک اچھے پرائیویٹ سکول کا سٹاف روم تھا، باقی پرائیویٹ سکولوں کی نسبت یہ

سکول تنخواہ اچھی دیتا تھا، لیکن کہا یہ جاتا تھا کہ یہ لوگ ذرا سی بہتر تنخواہ کے بدلے ٹیچرز کا خون تک نچوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، عروشہ کی مجبوری تھی کہ اسے یہ جاب کرنا تھی، ہر صورت میں کیونکہ اس کے پیسوں سے گھر کا چولہا جلتا تھا، ابا کی اچانک موت اماں کی وہم کی بیماری اور بھائیوں کی آوارگی اور گھریلو معاملات سے لاتعلقی یہ سب باتیں ایسی تھی جن کو نہ بیان کیا جا سکتا تھا اور نہ انہیں آسانی سے برداشت کیا جا سکتا تھا، عروشہ چار بہنوں اور دو بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھی، بڑے بھائی نے رو دھو کر میٹرک کیا تھا اور ایک مل میں ملازم تھا لیکن اس نے کبھی ایک پیسہ بھی اماں کو لا کر نہ دیا، پھر عروشہ تھی ایم بی اے میں پوزیشن ہولڈر اس کے بعد بھائی جس نے مر مر کے تھرڈ ڈویژن میں بی ایس سی کی تھی اب ایک ہی رٹ تھی کہ امریکہ یا برطانیہ جاؤں گا یہاں اس ملک میں ہے ہی کیا کہ یہاں رہا جائے، اس سے چھوٹی انعم، ارم اور ہما بالترتیب میٹرک، مڈل اور چھٹی کلاس کی سٹوڈنٹس تھیں، ابا سوا سال پہلے ایک ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے اور اچھی خاصی سلیقہ مند اماں اس کے بعد سارا سارا دن ہاتھ دھوئے جاتیں واش روم سے فارغ ہونے کے بعد گھنٹہ گھنٹہ کوئی کپڑا لے کر اسے دھوتی رہتی۔"

کوئی بڑی بچت اس گھرانے کے پاس تھی نہیں کہ ابا خرچ کرنے کے بارے میں ہمیشہ کے شاہ خرچ تھے عزیزوں رشتہ داروں کو دل کھول کر دیا کرتے اور اماں ان کی خوشی میں خوش رہنے والی سیدھی سادی گھریلو عورت، یوں ابا کے گزرنے کے بعد جب عزیز رشتہ داروں کو اس گھرانے کی مالی حالت کا اندازہ ہوا تو وہ خود بخود دور ہٹتے چلے گئے، بھلا اب یہاں تھا ہی کیا جس کے لئے وہ یہاں بھاگ بھاگ کر آتے یوں اسے سارے قصے میں ایک عروشہ ہی تھی جس پر ساری ذمہ داری آ پڑی تھی، کتنی بھی حوصلہ مند سہی تھی تو وہ ایک نازک دل مڈل کلاس گھرانے کی لڑکی جسے اپنے نسوانی پندار کی سب سے پہلے فکر تھی۔

"نجانے دفتروں کا ماحول کیسا ہو؟" یہ سوچ کر اس نے ایک سکول میں سی وی جمع کرا دی اور چند دنوں بعد اس سلیکٹ کر لیا گیا لیکن پہلے دن سے اس برانچ کی ہیڈ میٹرلیس کو اس سے خدا واسطے کا بیر ہو گیا تھا، عروشہ کو اس کی ناپسندیدگی پہلے دن سے نظر آ گئی تھی۔

"پہلے کہیں جاب کی ہے؟" اس نے اپنی چنی آنکھوں سے عروشہ کو عینک کے پیچھے سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"نو میڈم۔" عروشہ تہذیب سے بولی۔

"تم ایم بی اے کرنے کے بعد سکول میں کیوں جاب کرنا چاہتی ہو؟"

"میڈم! آفس جاب کی اجازت نہیں ہے۔" عروشہ تھوک نگلتے ہوئے جھوٹ بولا، یہ کیسے بتاتی کہ وہ خود ڈرپوک ہے گھر میں اس کی فکر کسے تھی۔

"ہوں اچھا ٹھیک ہے، کسی شکایت کا موقع نہ ملے مجھے ورنہ میں ایک منٹ میں سکول سے نکلوا دوں گی اور تمہارا تبادلہ کسی اور برانچ میں نہیں ہونے دوں گی۔" بات تھی تو عجیب یوں جیسے کوئی پرانی دشمنی رہی ہو لیکن مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق عروشہ کو فی الفور پیسوں کی اشد ضرورت تھی سو اس نے صبر کرنے کا فیصلہ کیا اور بولی تو بس اتنا۔

"یس میم!"

"میں اپنی محنت اور بہتر کارکردگی سے اس عورت کا رویہ، بہتر کر لوں گی، اس نے سوچا تھا

لیکن یہ اس کی بھول تھی وہ اسے کبھی رام نہ کر سکی، مختلف اعتراضات اور دھمکیوں کے بعد آج اسے بالآخر برخاست کر دیا گیا تھا۔

اس کی تنخواہ سے کھینچ تان کر گزارہ ہو رہا تھا، پیٹ کے روٹی تو چاہیے تھی جو عروشہ کی تنخواہ سے ہی پوری ہوتی تھی، ارم، انعم ٹیوشن بھی پڑھاتی تھیں لیکن ان کے ارد گرد بھی ان جیسے ہی لوگ تھے، یوں فاقے کا عفریت منہ کھولے اس کے سامنے کھڑا تھا جس سے چھٹکارا پانے کا بس ایک ہی ذریعہ تھا کہ اسماء کی آفر قبول کر لی جائے۔

اسماء کی شہرت کچھ اتنی اچھی نہیں تھی، ٹیچرز کہتی تھیں کہ اس نے لو میرج کی ہے اور بے حد بولڈ ہے لیکن عروشہ کو وہ صاف گو اور مخلص لگی تھی اب نجانے یہ کہاں تک سچ تھا، بہر حال اس سکول سے بقایا جات لینے کے بعد عروشہ گھر آ گئی، شام میں جب وہ بچوں کو ٹیوشن پڑھا رہی تھی، اس کے موبائل پر اسماء کی کال آ گئی۔

"ہیلو، السلام علیکم عروشہ!" اسماء خود ہی شروع ہو گئی تھی۔

"سنو میری ریاض صاحب سے بات ہو گئی ہے فی الحال تمہاری تعلیم کے مطابق تو جاب نہیں ملی ہے لیکن اس کے لئے انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ کوشش کریں گے ابھی تو ایک پوسٹ ان کے آفس میں خالی تھی، یوں سمجھو سیکریٹری کی پوسٹ ہے، اس کے لئے تمہیں بلایا ہے۔"

"پرسنل سیکرٹری۔" عروشہ کے دماغ میں بہت سے ڈرامے گھوم گئے وہ بہت خوبصورت ہے اور حد سے زیادہ پرکشش اس کی گواہی آئینہ دیتا تھا اور دوران تعلیم اسے اس چیز کا ادراک اس کے ساتھیوں نے بھی کروایا تھا۔

"ہاں تم کہہ بھی سکتی اور نہیں بھی، کیونکہ تمہیں کچھ اوقات دفتر میں عام لوگوں کے ساتھ بھی کام کرنا ہو گا۔" اسماء بولی۔

"اچھا۔" بادل نخواستہ عروشہ نے کہا تھا۔

"اور سیلری بیس ہزار ہے ابھی ابتداء میں۔" اسماء نے مزید بتایا تھا۔

"ٹھیک ہے تھینک یو۔"

"یہ بڑھ بھی جائے گی تمہارا کام وغیرہ دیکھ کر میں نے یقین دلا دیا ہے، کہ تم بہت محنتی اور ایمان دار ہو اور ہاں دوستوں میں تھینک یو اور سوری نہیں ہوتا، اچھا اللہ حافظ۔" اپنی ہی سنا کر اسماء نے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

وہ صبح ملے جلے تاثرات میں گھری ہوئی گھر سے نکلی تھی، رات سے اسماء کے مختلف میسج آ رہے تھے۔

"گھر سے ایک بار آیت الکرسی پڑھ کر نکلنا۔"

"گھر سے نکلنے سے پہلے باوضو ہو کر اور تین بار تیسرا کلمہ پڑھ کر نکلنا اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔" اور اتنا خلوص دیکھ کر عروشہ کے آنسو نکل آئے تھے ابھی رات کو ہی تو وہ عشاء کی نماز پڑھ کر رو دی تھی کہ سب لوگوں کی مائیں ان کے لئے دعا کرتی ہیں اور ایک اماں ہیں کہ انہیں نماز پڑھنے کی بھی ہوش نہیں لیکن صبح کے وقت اس نے اپنے رب کا شکر بے ساختہ ادا کیا تھا، کہ اس نے اسے ایک احساس کرنے والی مخلص دوست سے نوازا تھا، وہ پونے نو تک دفتر پہنچی تو جاتے ہی ریاض صاحب اس کے ہاتھ میں ایک جھاڑن نما کپڑا پکڑا دیا اس کے سوالیہ انداز پر دیکھنے پر بولے۔

"سب لوگ اپنی ٹیبل خود صاف کر کے بیٹھتے ہیں میں بھی اپنی ٹیبل خود صاف کرتا ہوں۔"

عروشہ کلس کر رہ گئی، ریاض صاحب کی عمر پچپن سال تک ہو گی، مناسب قد متناسب اعضاء چست چاق و چوبند ناک بند تھوڑی تھوڑی دیر بعد ناک صاف کرتے اور بات کرتے ہوئے چیئر کو بچوں کی طرح آگے پیچھے ہلاتے، عروشہ صبر شکر سے اپنی ٹیبل صاف کر کے بیٹھ گئی۔

نو بجے دوسرے ورکر آئے اور وہ لڑکی بھی جس کا نام سلمیٰ تھا جو یہ سیٹ چھوڑ کر جا رہی تھی، اس کی ایک ماہ بعد شادی تھی، گول مٹول سی سانولی رنگت کی تیز سی سلمیٰ جس نے کام کے ساتھ اسے آفس کے بارے میں بھی بریف کر دیا تھا عروشہ بڑی سی سیاہ چادر میں تھی۔

''تم اس چادر میں ہی رہو گی؟''

''ہوں ہاں۔'' عروشہ نروس ہوتے ہوتے بولی۔

''او کے ٹھیک ہے ایسا ہونا بھی چاہیے؟'' اس نے سوچتے ہوئے کہا سارا دن اسے کام کی نوعیت سمجھاتی رہی اور جاتے ہوئے بولی۔

''سنو ویسے تو سب ٹھیک ہے لیکن ریاض صاحب اچھے خاصے دل پھینک ہیں تم انہیں حد میں رکھنا، پھر سب ٹھیک رہے گا۔''

''اچھا۔'' عروشہ سہم سی گئی اسی وقت ریاض صاحب چلے آئے۔

''سلمیٰ بی بی آپ ابھی گئی نہیں۔''

''سر بس جانے ہی والی تھی۔'' سلمیٰ نے اعتماد سے بولی وہ اور عروشہ بڑی ٹیبل کے پاس کرسیاں رکھے بیٹھی تھیں ریاض صاحب کرسی گھسیٹ کر قریب چلے آئے اور بیٹھ گئے۔

''ہاں تو سلمیٰ بی بی آپ نے عروشہ کو سب سمجھا دیا؟'' میز پر آگے تک جھک کر بات کر رہے تھے اور ساتھ میں شوشو بھی۔

''سر آپ شہد کھایا کریں۔'' سلمیٰ نے جواب کی بجائے ایک مشورے سے نوازا۔

''مجھے ڈسٹ الرجی ہے روز ڈسٹ پھانکتا ہوں اور کچھ۔'' وہ ڈھٹائی سے بولے اس پر سلمیٰ جز بز ہو گئی اور کچھ باتوں کے بعد الوداع کہتے ہوئے رخصت ہو گئی، عروشہ کچھ ملے جلے تاثرات لئے گھر آ گئی، دو ہفتوں میں وہ جان گئی تھی کہ آفس میں منہ پھٹ سے ریاض صاحب تھے، چند اور میل اور فی میل ورکر بھی لیکن اس کا واسطہ زیادہ تر ریاض صاحب سے پڑتا تھا پھر سکندر بخت جسے دیکھ کر خدا کی اس کائنات پر بے ساختہ پیار آیا تھا، لمبا قد، دبلا پتلا، بڑی بڑی ذہین آنکھیں، گندمی رنگت، کھڑی ناک اور شائستہ گفتگو، ڈھیلا ڈھالا سادہ اور سستا لباس، شاید یہ بھی میری طرح ضرورت مند ہے عروشہ نے سوچا تھا۔

وہ کام کام اور بس کام کے اصول پر عمل پیرا تھا، ریاض صاحب کا دست راست تھا، اس لئے عروشہ کا اکثر اس سے واسطہ پڑتا تھا، اس کی ذہین ہنستی ہوئی آنکھیں بعض اوقات کچھ کہتی ہوئی محسوس ہوتی لیکن عروشہ بی بی کے پاس اس کی فرصت تھی اور نہ ضرورت کیونکہ اپنے جیسے قلاش سے راہ و رسم بڑھا کر وہ کرتی بھی کیا، سو اس لحاظ سے عروشہ اس کے خاموش جذبوں کو جھٹلاتے ہوئے تھی، بعض اوقات تنہائی میں دل میٹھی سی چبھن کے ساتھ اس راہ گزر پر چلنے کے لئے کہتا تو وہ اسے بری طرح جھڑک دیتی، پہلے ہی گھر میں تھوڑے مسائل ہیں جو میں ایک نئی مصیبت مول لے لوں۔

☆☆☆

دو ماہ ہو گئے تھے اسے جاب کرتے ہوئے، سب ٹھیک چل رہا تھا کہ ایک روز سکندر بخت نہیں آیا تھا اور ریاض صاحب نے اسے اپنے آفس میں بلایا۔

''مے آئی کم ان سر؟''

''یس پلیز۔''

''یہ سکندر بخت نہیں آیا۔''

''نو سر ابھی تک تو نہیں آئے۔''

''کچھ بتایا اس نے چھٹی کے بارے میں۔''

''نو سر میرے علم میں تو نہیں ہے۔''

''ہوں اچھا یہاں بیٹھو اور میرے ساتھ یہ ریکارڈ ٹھیک کراؤ۔'' انہوں نے عینک درست کی اور ایک کاغذات کا پلندہ اس کی طرف بڑھایا۔

''او کے سر۔'' وہ کرسی پر بیٹھ گئی اور انہماک سے کام کرنے لگی ایک پیج ختم ہونے کے بعد ریاض صاحب چیئر گھسیٹ کر اس کے بالکل پاس آ بیٹھے اس نے حیرت سے دیکھا۔

''اتنا تو تم دھیما بولتی ہو اور زکام کی وجہ سے میرے کان بھی کام نہیں کرتے۔'' انہوں نے آرام سے جواب دیا تھوڑی دیر بعد کام کے دوران دروازے پر کھٹکا سا ہوا لیکن وہ انہماک سے کام میں مگن تھی۔

''عروشہ یہ پوائنٹ دیکھیں۔'' ریاض صاحب نے اس کا بے حد شفاف گورا گداز ہاتھ تھاما، اس کے ہاتھ میں جیسے کرنٹ سا دوڑ گیا اس نے تیزی سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور دوبارہ کام کرنے لگی تھوڑی دیر تک سکوت رہا پھر یکا یک ریاض صاحب بولے۔

''تم نے یہ اتنے اچھے پرنٹ کی چادر کہاں سے لی ہے۔'' اور ساتھ ہی اس کے بازو سے لے کر گھٹنے تک چادر پر ہاتھ پھیر دیا وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

''ایکسوزمی سر یہ چادر بازار میں بکتی ہیں اور میں نے بھی وہاں سے ہی لی ہے میرے خیال سے آپ تھوڑے فریش ہو لیں، میں یہ کام خود ہی کر کے آپ کو بھجوا دوں گی۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولی اور وہاں سے نکلنے ہی لگی تھی کہ اس کی نظر سکندر بخت پر پڑی۔

''ہیں یہ کب آیا؟'' اس کی بڑی بڑی براؤن آنکھوں میں اس کے لئے ستائش سی تھی اس نے اپنے کیبن میں آ کر پانی کے دو تین گلاس پیئے اس کی ٹانگیں ابھی تک کپکپا رہی تھیں۔

تو ریاض صاحب آپ اپنی گھٹیا سطح پر آ ہی گئے، اتنی احتیاطوں کے باوجود اس کی یہ تذلیل سکندر بخت نے بھی دیکھی ہے کتنی عزت سے بات کرتا تھا وہ اس سے کیا عزت رہ گئی ہو گی اس کی نظر اس کی، اگرچہ اس نے ریاض صاحب کا ہاتھ جھٹک دیا تھا لیکن وہ یہ نوکری چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی، یہ اس کی روٹی کا واحد ذریعہ تھی، کیا کروں میرے اللہ اتنی ذلت، اس کی خوبصورت آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

''میں اندر آ سکتا ہوں۔'' اسنے آنکھیں رگڑیں اور سر کے اشارے سے سکندر بخت کو اندر آنے کے لئے کہا تھا، وہ آ کر اس کی طرف ایک فائل بڑھا رہا تھا کہ عروشہ کی ٹیبل پر پڑا فون چیخا۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف ریاض صاحب تھے۔

''دیکھو لڑکی تم یہاں ملازمت کرتی ہو تمہاری جرأت کیسے ہوئی میری مرضی کے خلاف یہاں سے اٹھ کر جانے کی۔'' ان کے لہجے میں دبی دبی چنگھاڑ تھی۔

''سر میں کام کر کے آپ کو بھجوا دیتی ہوں۔''

''لیکن میرے کمرے میں کام کرنے میں تمہیں کیا مسئلہ تھا۔''

"سوری سر میں اپنے کیبن میں ایزی ہو کر کام کرنا پسند کروں گی۔"

"پسند کروں گی ہونہہ یہ کیوں نہیں کہتی کہ میرا قریب بیٹھنا ناگوار گزرا ہے تمہیں پتہ نہیں تھا کہ آفس جاب میں یہ سب ہوتا ہے آخر کس چیز کے پیسے دے رہا ہوں میں تمہیں۔"

"سوری سر میں صرف اپنے کام کے پیسے لینا پسند کروں گی اور ضروری تو نہیں ہے کہ ہر لڑکی ایسی ہو۔" اس نے دوٹوک جواب دے کر فون رکھ دیا اب اسے سکندر بخت سے اور شرمندگی ہو رہی تھی۔

"مس عروشہ آپ اس فائل کو دیکھ لیں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"او کے۔" اس نے اپنے آنسوؤں کا گلہ گھونٹا تھا۔

گھر آ کر وہ دیر تک نماز کے بعد سجدے میں پڑی روتی رہی۔

"اللہ جی مجھ پر رحم کر۔"

یہ کوئی تین گھنٹے کی فلم نہیں تھی کہ وہ جاب ریاض صاحب کے منہ پر مار کر آ جاتی یہ زندگی تھی انتہائی تلخ اور جان لیوا حقیقتوں سے پر اب تو اسماء نے اس پر ترس کھا کر جاب دلوا دی تھی لیکن روز روز کون دلوا سکتا تھا اور نجانے کتنے بھیڑیے مہذب سوانگ بھرے بیٹھے تھے اس جیسی معصوموں کا خون کرنے کے لئے وہ رات دیر تک اپنے بستر پر پڑی روتی رہی کہ اس کے موبائل پر میسج ٹون ہوئی، اس نے سائیڈ پر پڑا سیٹ اٹھایا میسج اوپن کیا نمبر سکندر بخت کا تھا۔

یوں دیر تک مت جاگو دوست
صبح یہ آنکھیں نجانے کتنوں کو مار ڈالیں گی

"اچھی دوست سو جاؤ صبح تمہیں بہت سے کام کرنے ہیں۔"

اس نے ٹائم دیکھا رات کے بارہ بج رہے تھے اس کے لبوں پر غمگین سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"میری آج کی تذلیل دیکھنے کے بعد ظاہر ہے تم بھی شیر ہو گئے ہو گے۔"

"ہوش کی دوا کر عروشہ وہ شریف آدمی ہے اس نے کبھی کوئی چھچھوری حرکت نہیں کی اور پھر یوں اس کا میسج آنا اس کا تیرے دل کے ساتھ تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔" دل نے گھر کا۔

"خبردار مجھے اس معمولی ملازم سے دل کا رشتہ استوار نہیں کرنا سمجھے تم۔" اس نے جواباً دل کو گھر کا تھا اور سونے کے لئے آنکھیں بند کر لیں اور اگلے دن آفس میں سب معمول کے مطابق تھا، سارا دن آفس میں اس کے ساتھ سکندر بخت کا رویہ حسب معمول تھا وہ بری طرح کام میں بزی تھی کہ اسے اپنے قریب سکندر کی آواز سنائی دی۔

"مس عروشہ میں آپ کو کبھی کبھی میسج کر سکتا ہوں نا۔" اس کی بھوری آنکھوں میں آس کے جگنو تھے، عروشہ پل بھر کے لئے سن سی ہو گئی۔

"لیکن میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہوتا۔" اس نے جیسے جان چھڑائی تھی۔

"میں کیا کروں گا، آپ برا تو نہیں مانیں گی۔"

"سکندر صاحب میں اس ایس ایم ایس جیسی فضولیات کے خلاف ہوں۔"

"او کے کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟" عروشہ کی جان سلگ گئی۔

"میں لڑکے اور لڑکی کی دوستی کے حق میں نہیں ہوں۔" اب اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"آئی پرامس آپ کو کبھی دھوکا نہیں دوں گا اور دوستی میں خلوص اور نیک نیتی اول شرط ہے

اس کی میری طرف سے کبھی کمی نہیں ہو گی۔" عروشہ کچھ سخت کہنا چاہتی تھی لیکن اس کی روشن آنکھوں میں کوئی نرم سا تاثر تھا اس لئے وہ مہر بہ لب رہ گئی لیکن اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ دھوکا نہیں کھائے گی خود کبھی اسے میسج نہیں کرے گی۔

☆☆☆

اس کے بعد تو اس کے میسج باقاعدگی سے آتے صبح و شام عید، بقر عید غرض سب موقعوں پر کچھ عرصے بعد وہ اچانک آفس چھوڑ کر چلا گیا تھا، خدا جانے ملازمت چھوڑ کر یا کہیں اور اچھی جاب پر ہو کر عروشہ نے نہ کبھی پوچھا نہ اس نے بتایا، ریاض صاحب کی وہی حرکتیں تھیں لیکن عروشہ نے ان سے نپٹنا اب خوب سیکھ لیا تھا۔

سکندر کے لمبے لمبے میسج اکثر آتے بعض کو تو وہ پڑھے بغیر ہی محض نام دیکھ کر ڈیلیٹ کر دیا کرتی تھی، انہی دنوں گھر میں ایک اور ٹینشن نے جنم لیا تھا، بڑے بھائی نے شادی کر لی تھی اور بھابھی بیگم نے عروشہ لوگوں کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا تھا اس کا خیال تھا کہ اس کی پاگل ساس اسے نقصان پہنچا سکتی ہے لہٰذا بڑے بھائی فرقان اپنی سسرال میں گھر داماد بن کر چلے گئے تھے، اماں کبھی تو ٹھیک ہو جاتیں کبھی پھر گھنٹوں غسل خانے میں گھسی رہتی تھیں اسی دوران انعم نے پرائیویٹ بی اے کرنے کا فیصلہ کیا تھا، وہ صبح ایک پارلر میں جاتی تھی، ارم نے سلائی سکول میں داخلہ لے لیا تھا اور چھوٹے بھائی ریحان نے چند ٹیوشنز پڑھانا شروع کر دی تھی، اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے اب وہ عروشہ سے پیسے نہیں مانگتا تھا، خالہ اور ماموں لوگ دھڑا دھڑ آپس میں اپنے بچوں کی شادیاں کر رہے تھے کوئی ازراہ ہمدردی ان لوگوں کو اپنی تقریبات میں بلا لیتا اور کوئی اتنا بھی نہ کرتا۔

عروشہ کی آفس جاب کے بعد سب کی زبان دو دھاری تلوار بن گئی تھی۔

"لڑکی مردوں میں کام کرتی ہے، ہم کیسے ایسے لوگوں کو اپنے گھر بلائیں، اللہ معاف کرے سو اچھا سو برا بیٹیوں والے ہیں، نجانے اس کی صحبت ہماری بچیوں پر کیا اثر ڈالے، کہتے ہیں ہمسائے کی مت آ جاتی ہے روپ نہیں آتا۔" عروشہ لوگ گھر تک ہی محدود ہو کر رہ گئی تھیں، وہ پھر بھی اللہ کا شکر ادا کرتیں کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا نہیں پڑتا۔

ان دنوں سکندر کے میسج بہت زیادہ آ رہے تھے، کہ ایک دن رات نو بجے کے بعد اس کی فون کال آ گئی۔

"السلام علیکم!" عروشہ نے غنودگی میں جواب دیا تھا وہ جلدی سو جانے کی عادی تھی۔

"وعلیکم السلام تم سو رہی تھیں۔"

"نہیں بس سونے جا رہی تھی۔" اب وہ اس سے بات کر لیتی تھی نرم لہجے میں، اس نے اپنے تعلقات کے دو برسوں میں کبھی کوئی چھچھورا پن نہیں کیا تھا۔

"اچھا اس کا مطلب ہے پھر صبح بات کروں۔"

"نہیں اب بھی بات کر سکتے ہو، بولیں کیا بات ہے۔" عروشہ نے جمائی روکی۔

"عروشہ میں تمہیں پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔" دھیما لہجہ شائستہ انداز۔

"میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا عورت اور مرد کے درمیان دوستی کوئی معنی نہیں رکھتی ہے آ گئی ناں وہی بات۔" عروشہ کی آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھیں، کون سی نیند کہاں کی نیند۔

"اچھا ٹھیک ہے پہلے میری پوری بات تو سن لو دیکھو، میں اسی لئے پہلے تم سے پوچھ رہا

ہوں، میں فلرٹ نہیں کر رہا تم سے کر ہی نہیں سکتا۔'' اس کے انداز میں سادگی اور صاف گوئی تھی اس کی شخصیت کی طرح، وہ چپ کی چپ رہ گئی، کیا وہ اس کی بات مان لے، ایک مسائل والے گھر سے نکل کر دوسرے مسائلستان میں جا گرے اور بالغرض وہ یہ فیصلہ کر بھی لے تو کیا سکندر اس کے اتنے بہت سے مسائل سمیت قبول کر لے گا کیا اسے وہ عزت دے گا جس کی وہ ہمیشہ سے خواہش مند رہی ہے؟ وہ سوچوں میں گھری تھی کہ ادھر اس کا لہجہ بے تاب تھا۔

''ہیلو دیکھو فون بند مت کرنا تم سن رہی ہو ناں۔''

''ہوں ہاں۔'' وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔

''تو کیا تم میری آفر قبول کر لو گی؟'' اس کے لہجے میں آس تھی۔

''نہیں؟'' وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔

''کہیں تم میرے ساتھ دوستی کا ناطہ ختم کرنے پر تو غور نہیں کر رہیں۔'' اس کا خدشہ زبان پر آ ہی گیا۔

''ہاں ایسا ہی کرنا پڑے گا۔'' وہ بے حد صاف گو تھی۔

''دیکھو پلیز ایسا کچھ نہیں کرنا، ہم پہلے بھی دوست تھے اب بھی رہیں گے تم بھول جاؤ میں نے کوئی ایسی بات کی تھی۔'' اس کے لہجے میں درخواست تھی۔

''ہوں اچھا۔'' وہ کیسے کہہ دیتی کہ اب اسے بھی اس کی عادت ہو گئی تھی، وہ اس کے لئے تازہ ہوا کا جھونکا تھا، نجانے اس تعلق کا کیا نام تھا اور کیا انجام، لیکن اسے یوں ایک جھٹکے سے توڑنا اب عروشہ کو بھی جان لیوا لگا تھا۔

''او کے عروشہ پھر بات کریں گے آپ سوچنا ضرور۔'' اس نے لمبی سی سانس لی اور فون بند کر دیا تھا۔

عروشہ بے بسی سے گہری سانس لے کر لیٹ گئی اس پوری رات سوتے جاگتے، مختلف سوچیں اس کا گھیراؤ کیے رہیں۔

''مجھے اس کی آفر قبول کر لینا چاہیے تھی؟ کیا فائدہ اگر شادی کے بعد بھی مجھے ریاض گوہر جیسے آدمی کی جاب جاری رکھنا پڑتی، ہو سکتا ہے سکندر میری جاب چھڑا دیتا، ہونہہ اگر وہ اس قابل ہوتا تو اس دن منہ سے کچھ پھوٹتا، جس دن ریاض صاحب کی حرکت دیکھی تھی، اس نے تو اس دن ایک لفظ بھی نہیں کہا۔'' اس نے دکھ سے سوچا تھا۔

''بلکہ ہو سکتا ہے شادی کے بعد وہ مجھے میری اس جاب کے طعنے دیتا آخر مرد ہے، کتنا وسیع دل رکھتا ہو، یہ بات تو اسے بھی کھٹکے گی، چلو اچھا ہے میں نے انکار کر دیا۔'' وہی کتنی دیر خود سے سوال جواب کرتی وہی پھر سونے کی کوشش کی، لیکن آنکھیں بند کرتے ہی چھم سے اس کا سراپا اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا، اس کی بولتی آنکھیں نجانے کون سے ان کہے بھید کھولتی بتاتی وہ دہل کر آنکھیں کھول دیتی اور پھر خود کو لتاڑتی۔

''جس راہ چلنا نہیں، اس کے کوس گننے کا کیا فائدہ۔'' لیکن اس کا نادان دل اس کی ایک نہ سنتا اسے تاویلیں دیے جاتا، عجیب مصیبت میں گھری ہوئی تھی وہ گو اب ریاض گوہر نے اسے تنگ کرنا بند کر دیا تھا۔

وہ بڑی حد تک اسے جان گیا تھا، کہ وہ کیسی لڑکی ہے اس کے علاوہ آفس میں دو تین نئی لڑکیاں بھی آ گئی تھیں، وہ ریاض صاحب کی حرکتوں سے محظوظ ہوتی تھیں۔

''کیا ہے یار بزرگ آدمی ہیں۔'' وہ ہنس کر کہتیں، لیکن عروشہ اتنے کھلے ذہن کی نہیں ہو سکتی تھی، اسے یہ سب حرکتیں ناگوار گزرتی تھیں چند ہفتوں کے بعد ایک رات پھر سکندر کا فون آ گیا۔

☆☆☆

''السلام علیکم!'' عروشہ نے حسب عادت سلام کرتے ہوئے کال ریسو کی۔

''وعلیکم السلام، کیسی ہیں؟'' اس کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''ٹھیک اور آپ کیسے ہیں؟''

''میں بھی ایک دم فسٹ کلاس اچھا اور سناؤ آج کل کیا ہو رہا ہے؟'' وہ بے تکلفی سے بولا۔

''کچھ نہیں بس وہی آفس سے گھر اور گھر سے آفس۔'' اس نے جان چھڑانے والے انداز میں جواب دیا تھا۔

''اچھا یہ بتائیں اگر میں آپ کو اپنے گھر بلاؤں تو کیا آئیں گی۔''

''کیا مطلب ہے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''مطلب یہ ہے میڈم عروشہ شہوار اگر آپ کو شادی کی تقریب میں انوائیٹ کیا جائے تو کیا آپ تشریف لانا پسند کریں گی۔'' عروشہ کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔

''شادی مگر کس کی؟'' اس نے خود کو فی الفور سنبھالا تھا کہ اپنا پندار اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔

''میڈم ہمارے گھر میں شادی ہے کیا آپ آئیں گی بمعہ فیملی۔'' وہ جب ترنگ میں ہوتا تو اسے ایسے ہی بلایا کرتا تھا اور عروشہ اس کے اس انداز کو انجوائے کیا کرتی تھی، لیکن آج یہ الفاظ اور انداز اس کے دل کو چھلنی کیے دے رہے تھے۔

''مجھے کیا میں تو انکار کر چکی ہوں۔'' اس نے دل کو تھپکی دی یہ الگ بات کہ دل اور بے چین ہو گیا تھا۔

''اُف لڑکی ایک تو آپ سوچتی بہت ہیں ہیلو سن رہی ہیں ناں۔'' وہ شوخ ہوا۔

''جی ضرور لیکن یہ بتائیں شادی کس کی ہے؟ آپ کی؟'' اس نے اپنے دل کو کچل کر خوش اخلاقی سے پوچھا۔

''تمہارے منہ میں گھی شکر۔'' اس نے بڑی بوڑھیوں کے سے انداز میں کہا اور عروشہ انتہائی کرب میں بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

''محترمہ شادی میری نہیں میری بہن کی ہو رہی ہے۔'' اس نے مزے سے بتایا تھا۔

''اوہ اچھا اچھا۔'' عروشہ کا دل جیسے کسی نے شکنجے سے آزاد کیا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے ناں ہم تین بہن بھائی ہیں میں ثناء اور کاظم۔'' وہ بتاتے ہوئے بہت خوش تھا اور عروشہ نے چپکے سے اس کی دائمی خوشیوں کی دعا مانگ ڈالی تھی۔

''او کے تم بمعہ فیملی انوائیٹ ہو سترہ فروری کو مایوں، اٹھارہ کو مہندی، انیس کو بارات بیس کو ولیمہ اور تم سب گھر والے بائیس فروری سے پہلے گھر کسی صورت نہیں جا سکتے۔'' اس نے رعب سے کہا تھا وہ اس کے خلوص کے سامنے ہار سی گئی۔

''لیکن اتنے دن۔'' اس نے بے بسی سے کہا تھا۔

''جی اتنے دن صرف اتنے ہی دن۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''میرا مطلب ہے میرے لئے پاسبل نہیں ہو گا آفس سے چھٹی کرنا۔'' وہ منمنائی تھی۔

''کچھ نہیں ہوتا آفس کہیں بھاگا نہیں جا رہا تم چھٹی کر لینا۔'' ادھر جواب حاضر تھا۔

''اچھا میں دیکھتی ہوں۔''

''تم نے دیکھنا نہیں بلکہ آنا ہے ہر صورت اور سنو مجھے پہلے سے بتا دو اگر تمہیں کارڈ کے بغیر آنے پر اعتراض ہے میں پہلی فرصت میں تمہیں

کارڈ بھجوا دوں۔"
"نہ...... نہیں...... نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ جلدی سے بولی اس نے ابھی جانے یا نجانے کا فیصلہ نہیں کیا تھا سو وہ کارڈ منگوا کرتی بھی کیا۔

وہ عجیب ادھیڑ بن میں تھی، اگلے دن آفس سے واپس گھر آ کر اس نے ابھی جوتے اتارے ہی تھے کہ انعم اور ارم چلی آئی تھیں۔

"آپی سکندر بھائی کا فون آیا تھا۔" ارم نے بتایا وہ فون گھر پہ ہی چھوڑ جایا کرتی تھی، کیونکہ ان کے گھر میں وہ پی ٹی سی ایل فون کی طرح سے تھا۔

"اچھا پھر۔" اس نے سر اوپر اٹھایا گزرتے دو برسوں میں سکندر ان کے گھر کے فرد کی طرح ہی ہو گیا تھا گو نہ وہ ان کے گھر آیا نہ یہ لوگ کبھی اس کے گھر گئیں لیکن بہرحال وہ اس کی بہنوں کے لئے انجان نہیں تھا۔

"وہ اپنی بہن کی شادی پر بلا رہے ہیں۔"
"ہاں لیکن ہم لوگ کیسے جا سکتے ہیں۔" انعم نے ملتجانہ انداز اختیار کیا۔

"پلیز آپی کتنا عرصہ ہو گیا ہم کسی کی شادی میں نہیں گئے، پلیز چلیں ناں۔"

"لیکن گڑیا میرے لئے پاسبل نہیں ہے اتنی چھٹیاں کرنا۔"

"آپی پلیز اتنے بہت سارے دن ہو گئے کسی شادی کا کھانا کھائے ہوئے۔" یہ ہما تھی سدا کی کھانے کی شوقین۔

"ہاں تم صرف کھانے کے لئے شادی میں جانا۔" ارم نے گھر کا تھا۔

"اچھا میں کچھ سوچتی ہوں۔" عروشہ نے بات ختم کی اچھا خاصا خرچہ تھا، سکندر کی بہن کے لئے مناسب سا گفٹ، مٹھائی ان لوگوں کے اپنے کپڑے آنے جانے کا کرایہ، اس نے حساب کتاب لگایا اور فیصلہ کیا کہ وہ لوگ بارات والے دن چکر لگا لیں گی کیونکہ باقی سارے فنکشن رات کے تھے اور صرف بارات کے لئے دن ایک بجے کا ٹائم تھا، مایوں کی رات سکندر کا لڑتا بھڑتا فون آیا تھا۔

"بے وفا لڑکی کب تک پہنچ رہی ہو۔" وہ بے تاب تھا۔

"سوری سکندر آج آنا ممکن نہیں ہے بارات کے روز آؤں گی۔" کہتے ساتھ ہی اس نے فون آف کر کے رکھ دیا، اماں کو ایسی حالت میں زیادہ دن تک چھوڑ کر جانا ممکن نہیں تھا اور روز آنے جانے کے کرایے ان کا سارا بجٹ ڈسٹرب کر کے رکھ دیتے، اگلے دن مہندی تھی اور وہ موبائل آف کرنا بھول گئی تھی۔

اگلے دن اتوار تھا اور اس کی بہن صبح سے بہت پر جوش ہو رہی تھیں سب نے تیاری بھی کر لی تھی، اماں آج کچھ بہتر تھیں سو اس نے ایڈریس معلوم کرنے کے لئے فون کیا۔

"ہیلو سکندر پلیز ایڈریس بتا دو ہمیں کہاں پہنچنا ہے۔" اس نے فون آن کر کے کہا تھا جبکہ وہ تو بھرا بیٹھا تھا۔

"مر گیا ہے سکندر اور پلیز اپنا فون دوبارہ آف کر دیں۔" اسے ہنسی آ گئی۔

"اچھا دیکھیں خفا مت ہوں آ رہی ہوں ناں۔"

"نہیں اب بھی آنے کی کیا ضرورت ہے، پلیز آنا۔" وہ جلا بیٹھا تھا۔

"اب جلدی سے ایڈریس بتا دو۔" اس نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا واقع ہی اس کی طرف سے زیادتی ہوئی تھی، اگر کوئی اتنے خلوص سے اس کے خاندان کو بلا رہا تھا تو اس کا دل توڑنا بری

بات تھی، اس نے ایڈریس سمجھایا تھا یہ شہر کی نئی اور نسبتاً مہنگی آبادی کا ایڈریس تھا، یقیناً ہے یہ لوگ کسی سرونٹ کواٹر میں مقیم تھے، عروشہ نے سوچا اور بہنوں کو چلنے کے لئے کہا۔

"زیادہ ایکسائیڈ ہونے کی ضرورت نہیں ہے وہ لوگ تو ہال میں بھی شادی کرنے کے قابل نہیں ہیں اس لئے گھر پر ہی کر رہے ہیں۔" ان لوگوں نے رکشہ کیا تھا راستے میں ایک مٹھائی لی تھی اور چاروں بہنیں رکشے میں بیٹھی اور اس نئی آبادی میں جا پہنچی تھیں رکشے والے کو علاقے کی سمجھ نہیں تھی، اس نے فون کر دیا۔

"سکندر پلیز ہمیں راستہ سمجھاؤ۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"اچھا تم لوگ کہاں تک آ گئے ہو۔"

"ہم شادی ہال کے سامنے ہیں۔" اس نے شوخ سے رنگوں کے شادی ہال کا نام بتایا تھا۔

"اوہ اچھا ایسا کرو، تم لوگ وہیں ٹھہرو میں ابھی کسی کو بھیجتا ہوں۔" اس کے بیک گراؤنڈ میں ایسا شور تھا جیسے وہ کسی رش والی جگہ پر ہو، ان لوگوں نے رکشے والے کو فارغ کیا اور اس کا انتظار کرنے لگیں، تقریباً پانچ منٹ بعد عروشہ کے موبائل پر پھر سے کال آئی۔

"ہیلو ہاں اب کدھر جانا ہے۔" اس نے جلدی سے پوچھا کہ ارم نے اسے ٹہوکا دیا دراصل نمبر سکندر کا تھا لیکن وہ کال ان کے پاس کھڑے ایک بزرگ کے فون سے آ رہی تھی لیکن اتنی دیر میں وہ بزرگ اس کے نزدیک آ چکے تھے۔

"بیٹا آپ سکندر بیٹے کے مہمان ہو۔" انہوں نے نرمی سے پوچھا یہ یقیناً اس کے والد ہوں گے عروشہ نے اندازہ لگایا تھا اور اثبات میں سر ہلایا ان کے ساتھ ایک سٹریٹ کراس کر کے وہ جس گھر میں داخل ہوئیں وہ کم و بیش چار کنال پر مشتمل تھا تقریباً ایک کنال پر لان اور بقیہ رہائشی حصہ ساتھ میں اتنا ہی بڑا ایک اور خالی پلاٹ تھا اب یقیناً یہ ہمیں انیکسی یا سرونٹ کواٹر میں لے کر جائیں گے عروشہ نے سوچا تھا جبکہ وہ بزرگ انہیں گھر کے اندر لے گئے اور ہال کمرے کے سامنے لے جا کر ایک ملازمہ کے حوالے کر دیا۔

"زیبو جا تو انہیں بڑی مالکن کے پاس لے جا۔"

"لیکن انکل ہم تو وہ سکندر......"

"ہاں، بی بی جی صاحب کام سے گئے ہیں آتے ہی ہوں گے۔" زیبو نے اپنی بتیسی کی نمائش کی اور عروشہ نے بے اختیار دل میں دعائیں مانگنا شروع کر دی تھیں۔

"یا اللہ مجھے اور میری بہنوں کو محفوظ رکھنا نجانے مجھے یہاں آنا چاہیے تھا یا نہیں۔" وہ ابھی یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ ایک مہربان صورت بزرگ خاتون ان کے پاس چلی آئیں۔

"عروشہ کون ہے بیٹا؟"

"میرا نام عروشہ ہے۔"

"اچھا ماشاءاللہ جیتی رہو۔" انہوں نے باری باری سب کو پیار کیا حال احوال پوچھا اور بتایا کہ وہ سکندر کی دادو ہیں جنہیں وہ اماں کہتا ہے اس کے ماں باپ کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا، ابھی وہ یہ باتیں بتا رہی تھیں کہ سکندر چلا آیا۔

"تو محترمہ کو فرصت مل گئی۔" وہ آتے ہی بولا تھا۔

"پلیز سکندر۔" عروشہ اس کے اتنے ٹھاٹ باٹھ، اتنا بڑا گھر دیکھ کر جز بز ہو رہی تھی، ابا کہا کرتے تھے۔

"دوستی ہمیشہ اپنے برابر والے کے ساتھ رکھو۔" یہ اس سے کیا ہو گیا تھا، لیکن سکندر اپنی دھن میں تھا۔

''آؤ تم لوگوں کو ثناء سے ملواتا ہوں۔'' وہ ان سب کو لے کر ایک کمرے میں چلا آیا جہاں ایک کامنی سی لڑکی بیٹھی مہندی لگوا رہی تھی۔

''ان سے ملو ثناء یہ عروشہ ہیں، ارم، نعم اور یہ ہما اور یہ میری اکلوتی بہن ثناء۔'' وہ دھیما مسکرایا پھر ساری تقریب میں سکندر اور اس کی دادی نے ان کا یوں خیال رکھا جیسے وہ کانچ کی بنی ہوں اور ٹھیس لگنے پر ٹوٹ جانے کا احتمال ہو سکندر کی کزنز اسے دبی دبی جیلسی والی نظروں سے دیکھ رہی تھیں اور عروشہ سکندر کے بارے میں اپنے کمنٹس سوچ سوچ کر شرمندہ ہو رہی تھی کچھ دیر پہلے ہی تو اس کی دادی نے بتایا تھا، وہ لوگ پیچھے سے فیوڈلز تھے، پھر سکندر کے دادا کے کئی کاروبار بھی تھے، یہاں سارے گھرانے کی سادگی اپنی مثال آپ تھی اور سکندر ریاض گوہر کے ساتھ ان کے آفس میں کام نہیں کرتا تھا، بلکہ ریاض گوہر سکندر بخت کے دادا کے پرانے ملازم تھے اور وہ کسی کام کے سلسلے میں ان کے پاس جاتا تھا انکشافات پر انکشافات ہوئے تھے اور اب عروشہ کی بری حالت تھی تقریب ختم ہونے سے پہلے ہی واپسی کا شور مچا دیا تھا۔

''آپی کیا ہو گیا ہے تمہیں سکندر بھائی مصروف ہیں ان کی بہن کو تو رخصت ہو لینے دو کم از کم۔'' انعم نے لتاڑا تھا، لیکن رخصتی ہوتے ہی وہ ضد کر کے وہاں سے چلی آئی تھی، سکندر چیختا ہی رہ گیا کہ آج مت جاؤ کل ولیمے پر ضرور آنا لیکن وہ ان سنی کر کے وہاں سے چلی آئی تھی، گھر آنے پر اماں حسب معمول واش روم میں بند تھیں اور چھوٹا بھائی غائب تھا وہ کمرے میں آ کر پلنگ پر گر کے ڈھے سی گئی تھی، اس کی بہنیں مسرور تھیں ان کو وہ لوگ بہت پسند آئے تھے، لوگ واقعی ہی اچھے تھے سیدھے سادہ اور مخلص کیا مجھے اس کے پروپوزل کو قبول کر لینا چاہیے تھا، اس نے دل کو ٹٹولا تھا۔

''لیکن میرے قبول کرنے سے کیا ہوتا یہ گھر اس کے مکین ان سب کو کیا وہ لوگ قبول کر لیتے نہیں کبھی نہیں ایسا ہونا ممکن نہیں تھا، چلو پھر افسوس کس بات کا ہے۔'' اس نے جیسے خود کو تسلی دی تھی، لیکن اس کا دل مان کر نہیں دے رہا تھا، یہ سوچتے ہی غیر محسوس طریقے سے اس نے سکندر کو گڈ نائٹ کا میسج ٹائپ کر کے بھیج دیا تھا، پھر تو یہ سلسلہ چل نکلا، نجانے کیسے صبح شام وہ میسج ضرور بھیج دیتی۔

''میں لالچی ہو رہی ہوں۔'' وہ خود کو ٹٹولتی۔

''تو پھر کیا ہے ہر بندے کو بہترین مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔'' اس نے خود کو تسلی دی تھی، اس دوران سکندر بخت کی طرف سے ایک بھی میسج نہیں آیا تھا، وہ کچھ کچھ پشیمان تھی۔

''مجھے یوں منہ اٹھا کر نہیں چل دینا چاہیے تھا، کیا سوچتا ہو گا وہ کیسا گھرانہ ہے ان لوگوں کا۔'' وہ اکثر خود کو لتاڑتی، اس دوران اس کے آفس کے معاملات بالکل ٹھیک چل رہے تھے، چھوٹے بھائی نے ایک جاب شروع کر دی تھی، حیرت انگیز طور پر وہ اماں کو علاج کے لئے لے کر جانے لگا تھا، اماں نہ صرف بھائی کے کہنے پر علاج کروا رہی تھیں بلکہ انہوں نے اب دیر تک واش روم میں رہنا، واش بیسن پر ہاتھ دھونا چھوڑ دیا تھا، انعم سے چھوٹی ارم کو میڈیکل کالج میں داخلہ بھی چھوٹے بھائی نے دلوایا تھا، جواب بی ایس سی میں اپنی ڈویژن امپروو کرنے کے لئے راتوں کو دیر تک پڑھتا تھا، سب سے چھوٹی ہما نے میٹرک کے بعد فائن آرٹس پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا، ایک عرصے بعد حالات بہتر ہو رہے تھے سب ٹھیک چل رہا تھا، لیکن عجیب سی بے کلی نے اسے گھیرا ہوا تھا، وہ چڑ چڑی سی ہو رہی تھی کسی کام میں دل نہ لگتا وہ بولائی بولائی سی پھرتی، آج صبح سے اس نے ارم اور ہما کو بلاوجہ ڈانٹ دیا تھا اور پھر خود ہی دیر تک روتی رہی تھی۔

دن تین بجے کا ٹائم تھا کہ پڑوس کا گڈو ہانپتا کانپتا آیا۔

''عرشی باجی آپ کے گھر مہمان آئے ہیں بڑی سی گاڑی میں۔'' جونہی اس نے اپنی بات مکمل کی سکندر بخت کی والدہ نے اندر جھانکا اور اس کی بہن کچھ شوخ آواز میں بولی۔

''ہم اندر آ سکتے ہیں؟'' وہ انہیں یوں اپنے گھر دیکھ کر گنگ سی رہ گئی پھر جلدی سے بولی۔

''آیئے آیئے پلیز۔'' عروشہ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھانے لے گئی، سکندر بخت کی والدہ اماں سے بڑی اچھی طرح ملیں اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد بولیں۔

''دیکھئے بہن آج میں آپ سے ایک سوال کرنے آئی ہوں انکار نہ کیجئے گا۔''

''جی کہیں بہن جو میرے بس میں ہوا۔'' اماں اب بڑی حد تک نارمل ہو گئی تھیں اور اس سے عروشہ کو ڈھارس تھی۔

''اپنی بیٹی کو میری بیٹی بنا دیجئے۔'' وہ اپنے مخصوص نرم لہجے میں بولیں اور عروشہ کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی، چہرے کا رنگ ایک دم دہک اٹھا تھا۔

''میرا بیٹا کاظم ماشاء اللہ انجینئر ہے، پھر اللہ رکھے ہمارا اپنا کاروبار بھی ہے، مجھے ہمیشہ سے اپنے جیسے سادہ مزاج بہو چاہیے تھی آپ کی ساری بچیاں مجھے بہت اچھی لگی ہیں، کاظم آج کل امریکہ میں اپنی تعلیم مکمل کر رہا ہے ہفتہ دس دن تک انشاء اللہ واپس آ جائے گا آپ جیسی تسلی کروانا چاہیں۔'' انہوں نے تفصیل سے بات کی۔

''ارے بہن ٹھیک ہے، آپ یہ چائے لیں۔'' ان کی باتوں کے دوران انعم بڑے سلیقے سے چائے اور بسکٹ لے آئی تھی، اس بات پر عروشہ کے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے تھے، اسی گھر میں اس دشمن جاں کے سامنے رہتے ہوئے کسی اور رشتے سے رہنا، کیسے ممکن ہے۔

''انعم بیٹی ذرا ہمارے پاس آ کر بیٹھو۔'' انہوں نے انعم کو لپٹا کر پیار کیا تھا۔

''یہ دیکھیں یہ ہے میرا بیٹا۔'' انہوں نے اپنے پرس سے ایک خوبصورت نوجوان کی تصویر نکال کر اماں کی طرف بڑھائی جسے اماں نے ''ماشاء اللہ ماشاء اللہ'' کہہ کر دیکھا۔

''بڑی خوبصورت جوڑی رہے گی انعم اور کاظم کی۔'' سکندر کی والدہ انعم کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے بولیں، پھر کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ لوگ رخصت ہو گئیں ادھر اماں الگ پریشان تھیں، جبکہ اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

''بڑی سے پہلے چھوٹی کا کیسے کر دوں۔'' وہ اب بہت بہتر تھیں۔

''ارے نہیں میری اچھی اماں جس کے لئے بھی رشتہ آئے آپ اچھی طرح تسلی کرنے کے بعد ہاں کر دیں، بڑی چھوٹی کے چکروں کو چھوڑیں۔'' وہ کیا بتاتی کہ وہ کفران نعمت کر چکی ہے۔

یوں انعم کی بات طے کر دی گئی، عروشہ کے لئے اس سارے سلسلے میں اماں اور چھوٹے بھائی کا دلچسپی لینا بڑی مسرت کا باعث تھا، انعم بھی بہت خوش تھی، اس کے لبوں سے مسکراہٹ کسی پل جدا نہ ہوئی، عروشہ اگر اس سارے سلسلے سے مطمئن اور خوش تھی تو دوسری طرف سکندر بخت کی خاموشی اسے مارے دے رہی تھی، وہ کیوں چپ

ہو کر بیٹھ گیا اگر ناراض تھا آ کر اس سے ناراضگی کا اظہار کرتا یوں چپ سادھ لینا، عروشہ کو اذیت دے رہا تھا، وہ ڈھیروں ایس ایم ایس کرتی لیکن جواب ندارد، کال کرنے یا اس سے ملنے جانے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا، اگر اس نے بات کرنے سے انکار کر دیا تو اس کی کیا عزت رہ جائے گی وہ سوچتی اور دل ہی دل میں کڑھتی رہتی۔

☆☆☆

ایک دن وہ آفس سے واپس آئی تو انعم کچن میں مصروف تھی، عروشہ کھانا کھانے کے لئے کچن میں گئی تو چائے اور دیگر لوازمات کی ٹرے تیار کئے بیٹھی تھی۔

''آپی پلیز یہ ذرا میرے ساتھ اندر تک لے چلیں۔'' ہما کالج سے نہیں لوٹی تھی اور ارم اکیڈمی گئی ہوئی تھی۔

''کون آیا ہے؟'' عروشہ نے انعم کے چہرے پر شرمیلی مسکان دیکھ کر پوچھا۔

''وہ بھائی کے دوست ہیں، لیکن پہلے آپ جلدی سے آ کر کھانا کھا لیجئے گا۔'' انعم کو احساس ہوا تھا۔

''ارے نہیں گڑیا تم فکر نہیں کرو، مجھے اتنی زیادہ بھوک نہیں ہے۔''

آج کل اس کا کھانا پینا ویسے بھی کم ہو گیا تھا، نجانے اس کا سکندر کے ساتھ کیا رشتہ تھا، جسے وہ سمجھ کر بھی نا سمجھ رہی تھی، اپنے دھیان میں ڈرائنگ روم میں آ کر عروشہ کے ہاتھ میں ٹرے پل بھر کے لئے لرزی تھی پھر اس نے احتیاط سے برتن سنٹر ٹیبل پر رکھ دیئے تھے، بھائی کا دوست کوئی اور نہیں سکندر تھا جو اپنے اونچے پورے قد کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا تھا اماں بھی وہیں بیٹھی تھیں۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام!''

''کیسی ہیں؟'' سکندر نے رسماً پوچھا تھا۔

''اماں آپ چائے بنا لیں گی میں لے جاؤں گی؟'' اس نے سکندر کو نظر انداز کیا تھا جس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

''ارے نہیں بیٹا میری نماز کا ٹائم ہو رہا ہے، تم بناؤ چائے میں ذرا نماز پڑھ لوں۔'' انعم ویسے ہی کھسک گئی تھی اور اماں بھی جا رہی تھیں، شروع سے عروشہ کے اعتماد کی وجہ سے اسے ہی مہمانوں کے پاس بیٹھنا پڑتا تھا اور اب ملازمت کے بعد تو خاص طور پر پھر سکندر کی فیملی سے تو تعلقات ہی عروشہ کی وجہ سے بنے تھے بھائی اس وقت ٹیوشن پڑھنے گیا ہوا تھا، مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق عروشہ ذرا سا کرسی پر ٹک گئی اور پھر کچھ سوچ کر چائے بنانے لگی چائے بنائی اور پیالی سکندر کے سامنے رکھ دی وہ دھیرے سے مسکرایا پیالی اٹھاتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

''میں نے حال پوچھا ہے۔''

''کوئی ضرورت نہیں پوچھنے کی۔'' ادھر سے جلا کٹا جواب آیا۔

''پھر میرا حال پوچھ لو۔''

''میں ضروری نہیں سمجھتی۔'' جواب تیکھے چتون سے دیا گیا۔

''اچھا یہ تو پوچھ لو کہ میں تھا کہاں؟'' وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔

''میں دوبئی گیا ہوا تھا ایک کاروباری ڈیل کے سلسلے میں۔'' اسے اس کی ناراضگی بھلی لگ رہی تھی، دل تھوڑا خوش تھا، تو کچھ ڈر بھی رہا تھا۔

''پھر میں کیا کروں۔'' عروشہ کو کسی قدر سکون ملا تھا کہ وہ اس کے میسج کے جواب اس لئے نہیں دے رہا تھا کافی دنوں سے نہ کوئی ادھر سے گیا تھا اور نہ ہی کوئی ادھر سے آیا تھا اس لئے

پتا نہ چل سکا تھا۔

''بتا کر اس لئے نہیں گیا تھا کہ مجھے ایک ضروری سوال کا جواب چاہیے تھا جواب مل گیا ہے۔'' اس کا انداز سادہ سا تھا۔

''بہت مبارک ہو۔'' وہ ابھی تک جلی بیٹھی تھی۔

''ہاں مبارکباد تو ہم دونوں کو ملنی چاہیے ہمارے چھوٹے بہن بھائی ہم سفر بننے جا رہے ہیں اور تم نے تو پوچھا نہیں ہے میں خود ہی بتا دوں کہ امی جان کو کاظم سے پہلے میری شادی کی فکر تھی، ایک عرصے سے ایک لڑکی مجھے اچھی لگتی تھی، وہ میری محبت سے انکاری تھی، اب مجھے پتہ چلا کہ وہ بھی مجھے بہت چاہتی ہے، پہلے شک تھا مگر اب یقین مل گیا ہے۔'' وہ چہک رہا تھا، عروشہ نے قدرے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''پتہ ہے عروشہ یہ جو دل کے رشتے ہوتے ہیں ناں ان پر انسان کا بس نہیں چلتا، اب دیکھو مجھے اس نے اور میں نے اس کو پہلی نظر میں اوکے کر دیا تھا درمیان میں کچھ پرابلمز تھیں جو کہ اللہ کا شکر ہے اب نہیں رہیں۔'' وہ معصومیت اور خوشی سے بتا رہا تھا، عروشہ کا برا حال تھا پر وہ کیا کہتی لبوں کو سیئے بیٹھی رہ گئی۔

''تم مجھے اس بات پر مبارکباد دو۔'' عجیب سی فرمائش تھی عروشہ نے نظر اٹھا کر دیکھا مقابل کا چہرہ اندرونی خوشی سے جگمگا رہا تھا۔

کیا محبت اس طرح بندے کو شوخ بنا دیتی ہے اگر سکندر کو اس کی محبت مل گئی تھی تو عروشہ کیوں بے چین تھی۔

''کیا میری محبت یکطرفہ ہے۔'' اس نے خود کلامی کی تھی۔

''تم نے کچھ کہا؟'' معصومیت سے پوچھا گیا تھا۔

''آں ہاں نہیں تو، یہ اماں نہ جانے کہاں رہ گئی ہیں۔'' اس ہاتھ پاؤں کی جان جیسے نکل رہی تھی اور رنگت خطرناک حد تک پیلی پڑ رہی تھی۔

''تم بیمار ہو کیا؟''

''نہیں تو، کیوں تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''مجھے لگ رہا تھا، ویسے میں بہت خوش ہوں، عروشہ تمہیں نہیں پتا وہ کتنی خوبصورت اور با حوصلہ ہے، باوقار، پاکیزہ اور.....''

''پلیز اماں ابھی آ جائیں گی میں چلتی ہوں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''بے حد بے مروت لڑکی ہو، میں تمہارا رشتہ دار بھی ہوں کاظم اور انعم کے رشتے کے حوالے سے۔'' اس نے جیسے دہائی دی تھی لیکن وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی اور اپنے بستر پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی اسے لگا تھا اگر وہ وہاں اس کے پاس ایک لمحہ بھی ٹھہرتی تو آنسو اس کا راز کھول دیتے۔

''سچ کہتے ہو تم سکندر کاظم اور انعم کے رشتے کی وجہ سے میں تمہیں کچھ بھی نہیں کہہ پائی، تم نے تو اپنی محبت پا لی پھر میرے دل سے کیوں کھیلا، میں تمہیں کہتی بھی تو کیا میری محبت یکطرفہ ہے، تمہیں کیا کہوں یہ زبردستی کا سودا تو نہیں ہے۔''

وہ سسک اٹھی نجانے کب تک روتی رہی، اگلے دن اس کا سر بوجھل تھا، لیکن اس کے باوجود آفس جانے کے لئے تیار تھی۔

''آج آفس سے جلدی آ جانا۔'' اماں خوشی سے چور لہجے میں صبح کہہ رہی تھیں آج کچھ مہمان آ رہے ہیں۔

''ٹھیک ہے اماں۔'' اس نے پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی اور چائے کا کپ لئے بغیر رکھ کر چادر سنبھالتی ہوئی گھر سے نکل گئی، اس دن کافی کام تھا نکلتے نکلتے اسے کافی دیر ہو گئی جب وہ

گھر آئی پنچھی گھونسلے کو لوٹ چکے تھے دن کے اجالے پر سیاہ رات چھا رہی تھی، کچھ اس نے جان بوجھ کر جلد آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اسے معلوم تھا کہ انعم کی سسرال سے ہی لوگ آئیں گے اور وہ ان کا سامنا کرنے سے وہ کترانے لگی تھی۔

"اتنی دیر کر دی آنے میں۔" وہ کھانا کھا کر ابھی کمرے میں آ کر بیٹھی ہی تھی کہ اماں بتانے لگیں۔

"عروشہ میں نے تمہارا رشتہ بھی طے کر دیا ہے۔" وہ حیران رہ گئی۔

"لیکن کیوں، کہاں؟" اسے الفاظ نہیں مل رہے تھے اظہار کے لئے۔

"یہاں اسی شہر میں اور بیٹا چھوٹی سے پہلے مجھے تمہاری فکر ہے ٹھیک ہے تم نے گھر کا بہت احساس کر لیا، اب تمہارے بھائیوں کا فرض ہے، اچھے لوگ ہیں شریف سیدھے سادے اگلے ہفتے میں تم دونوں کا نکاح کر رہی ہوں۔"

"لیکن اماں یوں مجھ سے پوچھے بغیر۔"

"بیٹا ٹھیک کہتی ہو، جب تم مرد بن کر اس گھر کو چلا رہی ہو تو تمہیں پورا حق ہے کہ تم انکار کرو لیکن کیا تم میری التجاء مان کر اس رشتے کے لئے حامی بھر لو گی۔" اماں رونے لگیں تھیں اور عروشہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کوئی صدمہ ان کی ذہنی صحت کے لئے انتہائی مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔

"ایسی بات نہیں ہے اماں، لیکن پھر آپ لوگوں کا کیا ہو گا؟"

"اللہ مالک ہے بیٹا، ارم ڈاکٹری پڑھ رہی ہے اگر اس کا کوئی معقول رشتہ آیا تو میں دیر نہیں کروں گی ان دونوں چھوٹیوں کو نپٹانے میں، پھر تمہارے بھائی جانیں اور ان کا کام، میں سکون سے مر سکوں گی۔"

"ارے نہیں امی آپ ہم سب کے سروں پر ہمیشہ سلامت رہیں ایسی باتیں بالکل نہیں کرنی۔" وہ اپنا کرب چھپا کر انہیں تسلی دینے لگی۔

☆☆☆

"یہ اچھی رہی کہ لڑکیاں جتنا مرضی گھر والوں کا احساس کر لیں حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کر لیں لیکن ان ایک لڑکی ہونا پل بھر میں سارے کئے کرائے پر پانی پھیرنے کے لئے کافی ہے، اچھا رشتہ ماں باپ کے نزدیک صرف یہ ہے کہ کوئی ان کی بیٹی کو بس لے جانے کی حامی بھر لے یہ فوراً آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔" وہ یہ سب سوچ سکتی تھی لیکن کہنا ممکن نہ تھا کیونکہ اماں بہرحال بیمار ہی تھیں اور کوئی صدمہ ان کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

"میرے لئے میری ماں بہت اہم ہے اور پھر میں بات کروں بھی تو کس آسرے پر۔" اس نے سوچا اور چپ ہو گئی اگلے دن سکندر بخت آفس میں چلا آیا۔

"کیسی ہو؟"

"جیسی نظر آ رہی ہوں۔" اس نے بے مروتی سے جواب دیا آخر وہ کیوں برداشت کرے۔

"اوہ موڈ آف ہے، چلو ایک اچھی خبر سنو میرا نکاح ہے اور تم نے اس میں ضرور شرکت کرنی ہے بلکہ شادی کی تمام تقریبات میں بہ نفس نفیس شریک ہونا ہے۔" عروشہ اسے دیکھ کر وہ گئی کتنا خوش تھا وہ۔

"کب ہو رہا ہے تمہارا نکاح؟" اس نے جیسے اپنے دل کی کرچیاں سمیٹی تھیں۔

"میرا اور کاظم کا ایک ہی دن نکاح اور ولیمہ ہے۔"

"اچھا!"

"پھر تم آ رہی ہو نا، ویسے انعم کے حوالے سے تمہاری شرکت پکی ہے لیکن میں نے سوچا تم یہ نہ کہو کہ میں نے دوستی بھلا دی۔"

"سوری میں کچھ کہہ نہیں سکتی کہ میں آؤں گی یا نہیں بہت مصروفیت ہو گی تب تو میرے اپنے گھر میں مصروفیت ہو گی۔"

"نو نیور اگر تم نہیں آئیں تو میں......" اتنے میں ریاض صاحب آ گئے وہ انہیں کارڈ دینے لگا اور ادھر اُدھر کی باتیں کرتا ان کے آفس میں چلا گیا۔

"تو تمہارے پاس میرے لئے کارڈ تک نہیں ہے۔" اس نے آنکھیں پونچھیں تھیں۔

"میں نجانے کیوں اتنا برداشت کر رہی ہوں جھاڑ کر رکھ دینا چاہیے، آخر اسے کیا حق پہنچتا ہے، میرے جذبات سے یوں کھیلنے کا۔"

"عروشہ بی بی پہلے اس نے تم سے پوچھا تھا تم نے انکار خود کیا ہے۔" جواباً دل نے اسے لتاڑا تھا۔

"ہاں میں نے ایک بات کا جواب دیا تھا لیکن کیا وہ دوبارہ اپنے گھر والوں کے ذریعے یہ سب میرے لئے نہیں کر سکتا تھا، لیکن وہ کیوں کرتا اس کے دل میں تو کوئی اور تھی۔" وہ سسکی اور پھر اس سے کوئی کام ڈھنگ سے نہ کیا گیا وہ ہاف لیو لے کر گھر آ گئی، پانچ دن بعد اس کا اور انعم کا نکاح تھا، کتنی خوش نصیب ہے انعم اس نے بے اختیار سوچا اور میں، اماں سب کاموں کی نگرانی کر رہی تھیں، اس نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔

"کاش سکندر بخت تم مجھ سے نہ ٹکرائے ہوتے کاش ایسا نہ ہوا ہوتا تو آج میں بھی ویسے ہی پرسکون ہوتی جیسے انعم ہے۔" وہ سوچ سوچ کر کڑھتی رہتی، اس کے دل اور دماغ پر اتنا بوجھ تھا کہ وہ اپنی سسرال کے بارے میں کسی سے کچھ نہ پوچھ سکی اور نکاح کا دن آ گیا، انعم پارلر سے تیار ہونے جا رہی تھی۔

"بیٹا تم بھی چلی جاؤ۔" اماں نے اسے چمکارا تھا، اماں اب مکمل صحت یاب تھیں بڑے بھائی بھی ان کی شادی میں موجود تھے جبکہ بھابھی نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنایا تھا کہ ان کی ڈلیوری کسی بھی وقت متوقع تھی۔

"اماں رہنے دیں کیا ضرورت ہے۔" اس نے بے دلی سے کہا تھا۔

"نہیں میرے بچے جاؤ ضرور جاؤ اللہ تمہیں بہت خوشیاں دے جیسے تم نے اس گھر کو برے وقت میں سنبھالا تمہیں وہ مالک ہر بری گھڑی سے بچائے۔" اماں نے اسے پیار کر کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا اور وہ بے اختیار رو دی تھی، اس کے یوں بے قرار ہو کر بکھرنے پر اماں پریشان ہو گئی تھیں۔

"کیا بات ہے عرشی بیٹا!" انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر اسے چمکارا تھا۔

"بس ایسے ہی اماں۔" اس نے تیزی سے آنکھیں پونچھیں۔

نجانے کیا ہو گیا ہے مجھے، اماں مریض ہیں اور وہ شخص خود خوشیوں کے ہنڈولے میں جھول رہا ہے آخر میں کیوں اس کے لئے بے قرار ہو رہی ہوں، یونہی اپنے ساتھ جنگ کرتے ہوئے وہ بیوٹیشن کے سامنے بھی بت بنی بیٹھی رہی کس نے کہا کون آیا، کس نے اس کی کتنی تعریف کی اسے کچھ ہوش نہیں تھا، اس نے دل پر پتھر رکھ لیا تھا، اسے کئی دن سے بخار آ رہا تھا، جو آج تیز ہو گیا

تھا۔
''اچھا ہے مر ہی جاؤں میں۔'' اس نے خود اذیتی کی انتہا پر جا کر سوچا، پہلے انعم کا نکاح پڑھایا گیا پھر اس کا۔
''مسماۃ عروشہ بی بی ولد نذیر علی آپ کو سکندر بخت ولد جہاں بخت بعوض پانچ لاکھ روپے سکہ رائج الوقت قبول ہے۔'' کوئی بم پھٹا تھا اس کے سر پر اس نے بے حد حیران آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھا، یہ کیا تھا سب، لیکن قاضی صاحب یہ جملہ دوسری بار دہرانے کے بعد اب تیسری بار بولے تھے پاس بیٹھی اماں نے اسے ٹہوکا دیا، اس نے ہلکا سا سر ہلایا اور بے آواز انداز میں بولی۔
''قبول ہے۔'' مبارک سلامت کا شور بلند ہوا اور اس کے صبر کا بند جیسے ٹوٹ گیا تھا، وہ بکھر کر روئی تھی، کچھ ہی دیر بعد رخصتی کا شور مچ گیا رخصتی رات کو تھی۔
نکاح کے بعد سکندر بخت کے گھر والے واپس جا چکے تھے، شام سات بجے انہوں نے دونوں بہنوں کو رخصت کروانے آنا تھا، ابھی دن کا ایک بجا تھا، چھوٹی بہنوں نے پھیلاوا سمیٹ لیا تھا انعم دوسرے کمرے میں آرام کرنے کی غرض سے چلی گئی تھی بھائی لوگ بھی گھر پر نہیں تھے اماں ابھی اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھیں اس نے اپنی رخصتی آج ہی کروانے سے انکار کر دیا تھا۔
وہ ارادہ باندھ رہی تھی کہ کمرے کے دروازے پر ذرا سا کھٹکا ہوا اس نے توجہ نہ دی، بے دلی سے بیٹھی تھی کہ کمرا مانوس سی خوشبو سے بھر اس نے چونک کر سر اٹھایا وہ دشمن جان سامنے ہی کھڑا تھا لبوں میں مسکراہٹ دبائے۔
''مسز سکندر بخت شادی مبارک ہو۔''
''بات مت کرو مجھ سے۔'' وہ تپی ہوئی تھی۔
''واقعی مجھے اس وقت نہیں کرنا چاہیے تھی، لیکن سنا ہے لوگ رخصتی سے انکاری ہو رہے ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔
''میری مرضی میں جو بھی کروں۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔
''آں ہاں مسز اب آپ میری بن چکی ہیں اس لئے آپ کی مرضی نہیں چلے گی۔''
''تم نے دھوکا کیا ہے میرے ساتھ۔''
''کون سا دھوکا؟'' خوبصورت آنکھوں میں شرارت کے رنگ نمایاں تھے گھنی مونچھوں تلے لبوں پر شریر مسکان تھی۔
''یہ سب دھوکا نہیں تو اور کیا ہے، وہ تمہاری پسند، تمہارا عشق، تمہارا جنون وہ سب کیا ہوا۔'' وہ بپھری ہوئی تھی۔
''میرا عشق، جنون، پیار سب کچھ تم ہو عروشہ سکندر بخت۔'' وہ گمبھیر لہجے میں گویا ہوا وہ لگ بھی تو اتنی پیاری ہی تھی کہ اس کے لئے یوں فاصلے پر کھڑے ہونا محال تھا۔
''ہونہہ سب جھوٹ۔''
''میری محبت کو جھوٹ مت کہنا کبھی بھی۔'' وہ اس کے مقابل آ کر اسے کندھوں سے پکڑ کر سیدھا کرتے ہوئے بولا تھا۔
''مت بات کرو مجھ سے۔'' وہ اپنا آپ چھڑا کر پرے ہوئی تھی۔
''میں نے تمہیں پہلے پروپوز کیا تھا، تم نے انکار کیا، لیکن میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا، سو تم سے رشتہ کسی نہ کسی صورت میں برقرار رکھنے کی کوشش کی، تم مجھے پہلی نظر میں بہت اچھی لگی تھیں، پھر جب تمہاری، بہنیں ثناء کی شادی پر گھر آئیں تو شادی کی تصویروں میں کاظم کو انعم بہت پسند آئی اس نے امی سے کہا اور امی پروپوزل لے آئیں جو کہ منظور ہو گیا پھر امی میرے پیچھے پڑ گئیں۔''
''پہلے بڑے کی شادی ہو گی پھر چھوٹے کی یا کم از کم دونوں کی ایک ہی ساتھ۔'' میرے لئے تمہارے علاوہ کہیں اور دیکھنا بھی ناممکن تھا، انہی دنوں مجھے دوبئی جانا پڑ گیا، واپسی پر تمہاری بے قراری، میری موبائل پر میں تمہارے میسجز سب مل کر مجھے کچھ سمجھا رہے تھے جو میرا من پسند تھا، لیکن میں تمہیں بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے تمہاری مرضی کے خلاف اپنے ساتھ باندھنا، نہیں چاہتا تھا، پھر میرے مصنوعی گریز سے مجھے یہ جواب مل گیا کہ تم بھی مجھے چاہتی ہو۔'' عروشہ نے بے اختیار پہلو بدلا تھا اس کی نازک سی کلائی میں چوڑیوں کے جلترنگ بج اٹھے تھے۔
''میرے بابا کو ان کی اماں نے بہت سادگی سے پالا تھا، پھر اماں انتہائی سادہ مزاج کی تھیں، ہم بہن بھائیوں کی پرسنلٹی بھی کچھ ایسی ہی لگتی ہے، مجھے بناوٹ کے بغیر شریک سفر چاہیے تھی جو مجھے مل گئی تھینک گاڈ، تمہیں غصہ آیا ہو گا کہ میں نے مالک ہوتے ہوئے بھی ریاض صاحب کو ان گھٹیا حرکتوں سے کیوں نہیں روکا تو یہ بتا دوں کہ اسی دن جہاں تمہارے ری ایکشن نے میری نظروں میں تمہارا مقام بے حد بلند کر دیا تھا، وہیں میں ریاض صاحب کو حدوں میں رہنے کی تنبیہ کر دی تھی، جاب سے انہیں اس لئے نہیں نکالا کہ وہ بابا کے زمانے کے ملازم ہیں کاروبار میں بے حد زیرک اور وفادار، اتنی وضاحتیں کافی ہیں، اب تمہارے دل میں میرے لئے کوئی گلہ تو نہیں، مجھے میری محبت ملے گی ناں۔''
''کون سی محبت مجھے آپ سے کوئی محبت نہیں ہے۔'' وہ جلے کٹے انداز میں بولی تھی۔
''اسی لئے یہ سارا چکر چلانا پڑا کہ محترمہ کو انا اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔'' وہ مبہم سا مسکرایا تھا۔
''پ...... پلیز سکندر۔'' وہ ڈبڈبائی آنکھیں جھکائے ہوئے بولی۔
''پاگل لڑکی......''
''کٹ اٹ، حد ہے بگ بی، آپ کے مذاکرات تو پاک بھارت مذاکرات کی طرح طول پکڑتے جا رہے ہیں اطلاعاً عرض ہے کہ ٹھیک تین گھنٹے بعد ہم نے یہاں سے اپنی دلہنوں کو رخصت کروانا ہے امی حضور آپ کو گھر پر یاد کر رہی ہیں۔'' یہ کاظم تھا جو ڈرامائی طور پر کمرے میں آیا تھا، وہ دادو کو امی اور اماں کہتے تھے۔
''شرم کرو چھوٹو۔'' سکندر جھینپتا ہوا بولا۔
''کیا شرم کروں، آپ کے پہرے دار، ارم نے اشاروں سے بتایا تھا کہ اس کے جیجا جی اور میرے بگ بی کمرے میں تاریخ ادب اخلاقیات سب پر لیکچر دے رہے ہیں سوائے رومانس کے تو میں چلا آیا اب چلنا ہے کہ میں بھی آپ کی بھابھی کے دربار میں حاضری دے دوں۔'' اس نے گویا دھمکی دی۔ف
''ہرگز نہیں ابھی چلو بہت کام ہے۔'' وہ عجلت سے نکل گئے اور عروشہ تکیے سے سر ٹکا کر دھیرے سے مسکرا دی اب اس کے عشق کی منزل آسان تھی کہ وہ اس شخص کا عشق جنون اور پیار تھی جو اس کے دل میں روز اول سے بستا تھا، ان کے گھریلو حالات بہتر کرنے میں در پردہ سکندر نے کام کیا یہ اسے انعم نے بتایا تھا۔
اس کی انا مجروح کیے بغیر ایک ایسے شخص کی محبت ٹھکرا کر وہ کفران نعمت کیوں کرتی اور پھر وہ اس کا پہلی نظر کا پیار بھی تو تھا۔

☆☆☆

ثمینہ شیخ

دسمبر کی اس ڈھلتی دوپہر میں وہ گیٹ سے باہر نکل آئی سامنے والی دور تک جاتی ہوئی نیم پختہ سڑک پر ریت کے بگولے سے اٹھ رہے تھے شاید آندھی آئے گی آہستہ آہستہ گرد آلود ہواؤں کے ساتھ ہلکی ہلکی بوندیں پڑنے لگیں مٹی کو سوندھی خوشبو پھیلنے لگی اور پھر مشرقی ہواؤں کے ساتھ بڑے زور کی ہوا چلی بارش ہوئی تو وہ جلدی سے گیٹ کی بیرونی دیوار کے ساتھ بنی دیوار کے نیچے آگئی ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ بارش کے قطرے اس کے چہرے کو بھگونے لگے درختوں کی وجہ سے دوپہر میں ہی شام کا گمان ہونے لگا اس سڑک سے بہت کم لوگ گزرتے تھے اور وہ بھیگی ہواؤں کے ساتھ سبزے اور پھولوں کی خوشبو کو اپنے اندر اتار رہی تھی گھنے بادلوں کی اوٹ سے نکلتے چاند کو دیکھنے کی خواہش میں وہ شام تک یہاں بیٹھنا چاہتی تھی اس کی کولیگ شائستہ کا فون آگیا۔

''محترمہ تین دن سے کہاں غائب ہو آفس کیوں نہیں آرہی ہو۔''

''کچھ نہیں بس ذرا سی طبیعت خراب تھی سو

ناولٹ

چھٹیاں کرنے کا موڈ بنا تو کرلیں اپنی وے کل آ رہی ہوں۔'' وہ بشاش لہجے میں بولی۔

''کیا تمہیں پتہ ہے صوفی گزشتہ دو ماہ سے ایم ڈی کی خالی پوسٹ دو دن سے پر ہو چکی ہے۔'' شائستہ نے اطلاع بہم پہنچائی تھی۔

''اچھا نئے ایم ڈی کیسے ہیں؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''آؤ گی تو خود دیکھ لینا، دیکھنے میں ہیرو کام کے معاملے میں ولن، ٹھیک ہے صوفی کل ضرور آنا۔'' شائستہ بات کو سمیٹتے ہوئے بولی تو اس نے بھی اختتامی کلمات کر کے موبائل بند کر دیا اور اندر چلی آئی کہ صبح اسے آفس جانا تھا ابھی کپڑے بھی پریس کرنے تھے، یہاں بجلی کا کوئی پتہ نہیں تھا کہ کب چلی جائے اور کب واپس آئے۔

صبح وہ آفس پہنچی تو ماحول تبدیل سا لگا ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرنے کی بجائے سب لوگ چپ چاپ اپنی اپنی سیٹوں پر کام میں مصروف تھے وہ ابھی اپنی سیٹ پر بیٹھی ہی تھی کہ چپڑاسی آدھمکا۔

''آپ کو ایم ڈی صاحب نے یاد کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے آتی ہوں۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے ساتھ والی میز پر بیٹھی شائستہ کی طرف دیکھا اس نے شانے اچکا دیئے تو وہ چل دی۔

''کیا میں اندر آسکتی ہوں۔'' صوفیہ نے دروازہ کھولتے ہوئے اجازت طلب کی۔

''جی آیئے۔'' اندر سے گمبھیر آواز سنائی دی صوفیہ اندر چلی آئی اس نے ابھی حاضری نہیں لگائی تھی سو اس کی نظر سب سے پہلے میز پر پڑھے حاضری رجسٹر پر پڑی۔

''مس صوفیہ آپ دیر سے آئی ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آفس کا ٹائم نو بجے کا ہے۔'' اس کی طرف دیکھے بغیر سامنے بیٹھے آفیسر نے فائلوں کو الٹتے پلٹتے ہوئے پوچھا، صوفیہ ایک دم سے چونکی یہ آواز تو شناسا سی لگی تھی دل کے تار ہلا دینے والی، اس نے چونک دیکھا تو متحیر رہ گئی ایم ڈی صاحب نے بھی اپنے سوال کا جواب نہ پا کر نگاہ اٹھائی تو پل بھر میں چہرے پر چھائی سختی کم ہو گئی تو اس کی جگہ حیرت واستعجاب نے لے لی۔

''صوفیہ! تم یہاں؟''

''شکر ہے آپ کو میرا نام تو یاد ہے۔'' صوفی کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا مگر دل کی دھڑکنیں، زیر زبر ہو چکیں تھیں گہرے اضطراب میں وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑنے لگی ایم ڈی کے چہرے پر سختی دوبارہ لوٹ آئی وہ اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا گیا۔

''آئندہ وقت پر دفتر آیئے گا نو بجے کے بعد رجسٹر میرے چیمبر میں رکھ دیا جائے گا تو بجے کے بعد اس پر لال روشنائی سے دستخط کرتا ہوں گے جس کا مطلب ہو گا دو گھنٹے کی تنخواہ کٹ جائے گی۔'' صوفیہ نے چپ چاپ رجسٹر پر سائن کیے اور کمرے سے باہر جانے لگی نکلتے وقت اک نگاہ غلط اس پر ڈالی تھی وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا پھر وہ جھٹکے سے باہر نکل آئی اپنی سیٹ پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔

''ہارون یہاں کیسے یہ تو بہاولپور چلا گیا تھا کیا اس کمپنی کی شاخ بہاولپور میں بھی ہے؟ کیا اسے یہاں میری موجودگی کا علم ہو گیا تھا؟ نہیں نہیں ہو سکتا وہ تو مجھے دیکھ کر حیران ہو گیا تھا تو پھر یہ اب کیا ہو گا؟'' جس کی یادوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے لاہور سے ملتان کا سفر کیا تھا۔

''وہ میرا آفیسر بن کر میرے آفس میں آ پہنچا مذاق ہے؟ کیا جاب چھوڑ دوں؟ نہیں نہیں یہ تو سراسر بزدلی ہو گی بہتر یہی ہو گا میں اپنے کام سے کام رکھوں اور آئندہ کبھی دیر سے نہ آؤں تا کہ اس کا سامنا ہی نہ ہو۔''

''کیسا لگا نیا صاحب۔'' شائستہ نے راز داری سے پوچھا۔

''ایک دم کڑوی کسیلی گولی جیسا۔'' صوفیہ نے ہلکے سے مسکرا کر کہا اور سامنے پڑی فائلوں کے ورق الٹنے پلٹنے لگی۔

☆☆☆

ہارون جب یوسف صاحب کے ساتھ گھر پہنچا تو ڈنر ٹائم ہو چکا تھا بلکہ کھانا میز پر لگ چکا تھا یوسف صاحب نے اپنی بیوی خدیجہ بیگم سے تعارف کروایا کہ۔

''ہارون میرے خالہ زاد رزاق احمد کی سالی کا بیٹا تھا ہے اسی فرم کی طرف سے دو ماہ کے لئے لاہور ٹریننگ کے سلسلے میں آیا ہے یہاں چونکہ رہائش کا مسئلہ تھا اس کے والدین اس کے اکیلے رہنے پر پریشان تھے سو رزاق نے مجھے فون کر کے کہا کہ میں ہارون کو دو ماہ کے لئے اپنے گھر میں رکھ لوں سو میں اسے لے آیا۔'' یوسف صاحب نے تفصیل سے بیگم کو بتایا۔

''آپ نے اچھا کیا، ہارون کو گھر لے آئے آج کل پورے ملک میں ہی حالات خراب ہیں اب تو لاہو بھی دہشت گردی سے محفوظ نہیں بس اللہ سب کو اپنی امان میں رکھے آؤ بیٹا بیٹھو کھانا کھاؤ اور اسے اپنا گھر ہی سمجھو جس چیز کی ضرورت ہو مجھے بلا جھجک بتا دینا۔'' خدیجہ بیگم نرمی سے بولیں تو ہارن متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

''واقعی جیسے لاہور بڑا ایسے ہی لاہوریوں کے دل بھی بڑے ہیں مکان بھلے ہی دو کمروں کا ہو مگر آنے والے مہمانوں کو مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہتے ہیں جگہ کی تنگی کبھی ان کی کھلی سوچ پہ حاوی نہیں ہو سکی۔''

کھانا شروع ہوا تو سفید لباس میں ملبوس اک لڑکی اندر داخل ہوئی اس کی آنکھوں میں عجیب سا خمار تھا ہونٹ بند کلی کی مانند کھل اٹھنے پر آمادہ مسکراتے ہوئے سے۔

وہ اسے محویت سے دیکھنے لگا جیسے کوئی پسندیدہ پھول یا کوئی خوبصورت منظر جسے دیکھنے کو دل چاہتا رہے، اس نے دل ہی دل میں سوچا، مگر پھر اسے احتیاط برتنا پڑی اور کھانے میں مشغول ہو گیا، مگر گاہے بگاہے چور نظر سے اسے دیکھتا رہا کھانے کے بعد یوسف صاحب اسے چھت کے اوپر بنے کمرے میں چھوڑ آئے جس کے ساتھ اٹیچ باتھ بھی تھا اس نے اپنا سامان الماری میں رکھا اور ٹی وی آن کیا تو فریدہ خانم غزل سرا ہا تھیں فریدہ خانم کی آواز کی نغمگی سامع کو بے خود کر دیتی ہے وہ بھی غزل کے سحر میں کھویا ہوا تھا۔

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا اب اس کا حال سنائیں کیا
کوئی قہر نہیں کوئی مہر نہیں پھر سچا شعر سنائیں کیا
''وہ عشق جو ہم سے۔''

''چائے۔'' ایک اور نغمہ سماعتوں سے ٹکرایا تو اس نے آنکھیں کھول دیں وہی ساحر لڑکی چائے کا مگ لئے کھڑی تھی وہ سٹپٹا گیا۔

''آپ نے کیوں تکلیف کی۔'' ہارون نے تکلف سے کہا۔

اس کی حسین آنکھوں میں ناگواری کا تاثر ابھرا، تیکھے تیوروں سے اسے دیکھا اور چائے کا کپ میز پر پٹخ کر چلی گئی اور وہ حیرت سے سوچتا رہ گیا کہ میں کیا کہا ہے ایسا۔

رات کو لائٹ چلی گئی وہ نیچے اتر آیا، یوسف صاحب واپڈا والوں کو فون لگا رہے تھے جو لگ نہیں رہا تھا اور آنٹی بجلی والوں کو کوس رہیں تھیں۔

''امی پہلے پتہ کو کروائیں بجلی صرف ہماری گئی ہے یا پورے علاقے سے غائب ہے۔'' وہ ایمرجنسی لائٹ آن کر کے لائی تو کہا اور وہ اسے ہی دیکھنے لگا، یوسف صاحب اٹھ کر باہر جانے لگے تو وہ بولا۔

''ٹھہریے انکل میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔'' لائٹ پورے ایریے کی گئی ہوئی تھی۔

''کیا خرابی ہوئی ہے اور کتنی دیر میں درست ہو سکتی ہے یہ تو معلوم کروائیں۔'' پتا چلنے پر وہ یوسف صاحب سے مخاطب ہوئی۔

''انکل میں پاور ہاؤس جا کر معلوم کر کے آتا ہوں آپ یہیں ٹھہریں۔'' وہ ملائمت سے

بولا پایا اور ہاؤس نزدیک ہی تھا وہ وہاں پہنچا تو وہاں اور کئی لوگ اس سلسلے میں آئے ہوئے تھے کمپلین کروا کے جب وہ گھر پہنچا تو گھر جگمگا رہا تھا لائٹ آ گئی تھی، خدیجہ بیگم نے بڑھ کر اس کا شکریہ ادا کیا وہ سمجھ رہی تھیں کہ شاید اس کے کہنے پر جلدی کام کیا گیا کیونکہ اس سے پہلے تو جب رات کو لائٹ جاتی تھی، اگلے دن صبح ہی آتی تھی وہ مسکرا دیا اور ایک مسکراہٹ اس کی طرف اچھال دی جو اسے ہی دیکھ کر رہی تھی سٹپٹا کر اندر چلی گئی۔

اس دن کے بعد دونوں میں دوستی ہو گئی اور دوستی بڑھ کر محبت تک پہنچ گئی لیکن اس الجھن کے سلجھنے تک دو ماہ تمام ہو گئے تھے وہ بہاولپور واپس جانے لگا تو صوفیہ کی مٹھی میں بہت ساری امیدوں کے جگنو تھما گیا۔

صوفیہ کی پسندیدگی دیکھتے ہوئے خدیجہ بیگم نے اپنی دیورانی کلثوم جو رزاق کی بیوی تھی ان سے کہا کہ وہ صوفیہ کے لئے ہارون کی ماں سے رشتہ کی بات چلائے تو انہوں نے حامی بھر لی اور کہا کہ وہ چند دنوں کے بعد فون کر کے انہیں آگاہ کر دے گی۔

کلثوم چونکہ ہارون کی خالہ تھی اور ایک ہی شہر میں رہتے تھے اس لئے خدیجہ بیگم نے ان کے ذریعے بات کہلوانا بہتر محسوس کیا صوفیہ کا دل امید کے ہنڈولے میں ہر وقت جھولتا رہتا تھا وہ سوچتی کہ اگر وہ ہارون کو پسند ہے تو اس کے والدین کے انکار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے جب کلثوم چچی کا فون آیا ابو سننے لگے تو وہ پرامید نظروں سے انہیں دیکھنے لگی لیکن بات سنتے ہی ابو پریشان ہو گئے تھے۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہمارے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ؟'' موبائل آف کیا اور سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

''کیسا دھوکہ؟'' خدیجہ بیگم پوچھنے لگیں۔

''کیا ہوا امی؟ کیا ہوا؟'' وہ بھی اچانک پریشان ہو گئی۔

''ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے ہارون نے، اگلے ماہ اس کی شادی ہے چھ ماہ پہلے ہی اس کی منگنی ہو چکی تھی اور اس ٹریننگ کے بعد شادی تھی۔'' امی جیسے گہری کھائی سے بولی تھیں آواز گھٹ گھٹ کر نکل رہی تھی ہر والدین کی طرح انہوں نے بھی اپنی بیٹی کے لئے اچھے لڑکے کی خواہش کی تھی اور جب صوفیہ نے اپنے اور ہارون کے بارے میں خدیجہ بیگم کو بتایا تھا تو اس نے اپنے شوہر کو فوراً بتانا مناسب سمجھا تھا انہوں نے بیٹی کی خاطر شوہر کو قائل کر لیا تھا کیونکہ وہ جاتے وقت صوفیہ سے شادی کا وعدہ کر کے گیا تھا مگر اب کلثوم چچی نے جو حالات بتائے تھے ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا تھا مگر صوفیہ کے سر پر آسمان گرا تھا اس کو ہارون کی بے وفائی کا گھاؤ بھی بہت گہرا لگا تھا اس کی فرینڈز اسے کہا کرتیں۔

''صوفیہ تمہاری محبت کا گراف بہت اونچا ہے اس لئے آس پاس والے لڑکے تمہاری نظر میں جچتے ہی نہیں اور وہ سوچتی کوئی چہرہ پہلی نظر میں کیوں نہیں جچا پتہ نہیں کس شخصیت کا سحر مجھے اپنے آپ سے بیگانہ نہیں ہونے دیتا اور شاید اس کی محبت کا گراف اونچا ہی تھا کہ وہ اس تک پہنچ کر بھی نہ پہنچی تھی ہاتھ بڑھائے تو اسے چھوئے مگر آنکھیں کھولتی تو اسے صدیوں کی دوری پر پاتی اور یہ کیا بارشوں کے موسم نے اس کے گھر کا رستہ دیکھ لیا تھا۔''

پھر اپنے آپ کو سمیٹنے میں اسے مہینے لگ گئے تھے شادی کے نام سے ہی اسے چڑ ہونے لگی ماں باپ کی ہر کوشش کو اس نے ٹھکرا دیا تھا تعلیم

مکمل کرنے کے بعد اسے ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب ملی تو والدین کی مرضی کے خلاف اس نے نوکری کر لی اور چند ماہ میں ہی تبادلہ کروا کر ملتان آ گئی یادوں کے دھندلے سائے یہاں بھی اس کا پیچھا کرتے رہتے تھے لیکن جگہ بدل لینے سے کیا یادیں بھی پیچھا چھوڑ دیتی ہیں وہ گھنٹوں پریشان سی بیڈ پر کروٹیں بدلتی رہتی اور اس کی بے وفائی کو یاد کر کے آنسو بہاتی رہتی ان تلخ یادوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ اسے سوجھا کہ وہ خود کو حد سے زیادہ مصروف کر لے اس نے شام کو عربی کی کلاسز لینا شروع کر دیں اور ہاسٹل کی تین چار لڑکیوں سے دوستی بھی کر لی اپنی زندگی کو نیا موڑ دینے کی کوشش میں وہ ہمت سے زیادہ جتی ہوئی تھی کہ اچانک ہارون نے دوبارہ اس کی زندگی میں داخل ہو کر ہلچل مچا دی تھی۔

جس ہارون کو وہ جانتی تھی وہ تو اسے اتنا سخت گیر اور دبنگ قطعی نہیں لگا تھا مگر ان دنوں وہ افسر تھا ہی کہاں؟ پر مزاح البیلا، شریر رومینٹک نوجوان تھا مگر اس کا وہ روپ کہانی نکلا کتنا چالاک نکلا تھا کیسے کیسے سبز باغ اسے دکھائے تھے کہ ٹریننگ مکمل ہوتے ہی وہ اس سے شادی کے لئے اپنے والدین کو بھیجے گا اگر مجھے ذرا بھی اس کے ارادوں کی بھنک پڑ جاتی تو کیا میں جذبات کے ریلے میں بہہ جاتی نہیں بلکہ اپنے آپ پر بند باندھ لیتی اور اس کی سوچ بھی مجھ تک نہ پہنچ سکتی، مگر یہ اس کی محبت میرے دل پر لکھی جا چکی تھی شاید سب ایسے ہی ہوتا تھا گزرے وقت کو سوچتے آج ساری رات جاگتے گزر گئی تھی ہوش میں تب آئی جب فجر کی اذان ہونے لگی تو وہ کروٹیں بدل بدل کر اٹھ بیٹھی اور نماز ادا کرنے لگی کہ یہیں اسے سکون ملتا تھا اور وہ سوکہ یہ سکون کے لمحے کھونا نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

اب وہ دفتر پونے نو بجے پہنچ جایا کرتی تھی تا کہ ہارون سے ملاقات نہ ہو پندرہ سولہ دن اسی طرح بیت گئے تھے دفتر میں نئے صاحب کی آمد کی وجہ سے چھایا ہوا خوف کسی قدر زائل ہونے لگا تھا بات چیت ہنسی مذاق کے ہلکے پھلکے دور پھر سو شروع ہونے لگے تھے وہ بھی پرسکون ہو کر اپنا کام کرنے لگی تھی عثمان صاحب دو تین دن پہلے اسے ایک رپورٹ تیار کرنے کو کہ گئے تھے کمپیوٹر ڈویژن سے جب وہ رپورٹ تیار کر کے نکلی عثمان صاحب کے کمرے میں پہنچی جو کہ سیکرٹری تھے وہ اندر موجود نہیں تھے باہر نکل کر چپڑاسی سے عثمان صاحب کے بارے میں پوچھا۔

''وہ تو چھٹی پر ہیں تین دن کی چھٹی لے کر گئے ہوئے ہیں آپ بڑے صاحب کو چیمبر میں چلی جائیں عثمان صاحب کا کام وہ خود دیکھ رہے ہیں۔''

صوفیہ جانا نہیں چاہتی تھی ہارون کے کمرے میں اس نے سوچا جب بلائیں گے چلی جاؤں گی مگر کب تک دوپہر میں لنچ کے بعد مسعود کے چیمبر میں رپورٹ لے کر پیش ہونے کا بلاوا آ ہی گیا۔

''آیئے عثمان صاحب نے جو رپورٹ آپ کو تیار کرنے کو کہا تھا وہ کہاں تک بنی ہے؟''

''وہ تیار ہے سر!'' صوفیہ نے رپورٹ کی فائل آگے کر دی اور ایک طرف کھڑی ہو گئی۔

ہارون نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور رپورٹ پڑھنے لگا چند لمحوں کے بعد جیسے اسے خیال آ گیا، وہ چونکتے ہوئے بولا۔

''ارے آپ کھڑی کیوں ہیں؟ بیٹھیے ناں۔''

''شکریہ سر!'' کہتے ہوئے وہ بیٹھ گئی۔

اس کے سر کہنے پر ہارون کے چہرے پر ہلکا سا تبسم بکھر گیا لیکن وہ کچھ کہے بغیر پھر رپورٹ پڑھنے میں مشغول ہو گیا اور وہ چپ چاپ بیٹھی اسے دیکھتی رہی اس کا چہرہ اور جسم اب بھر گیا تھا پرکشش شخصیت کا مالک وہ پہلے ہی تھا اب عہدے کا رعب اور دبدبے نے پرسنلیٹی میں چار چاند لگا دیئے تھے بات بات پر ہنسنے ہنسانے والا نوجوان اور اس سنجیدہ گمبھیر مرد میں کوئی تال میل نظر نہیں آ رہا تھا وہ سوچنے لگی شاید جناب کو بیگم کچھ زیادہ ہی تنگ مزاج ملی ہے جبھی تو ہنسی چھن گئی۔

''بہت اچھے صوفیہ بی بی آپ نے بہت اچھی رپورٹ تیار کی ہے میں اس سے بہت خوش ہوں۔'' وہ اس کے منہ سے اپنی تعریف سن کر چونک اٹھی تھی۔

''اس رپورٹ کی تین کاپیاں اور تیار کر لیجئے اور کل مجھ سے ملیے اگلا پروگرام پھر طے کر لیں گے اب آپ جا سکتی ہیں۔'' آخر میں ان کا لہجہ کچھ تیکھا ہو گیا تھا اور وہ اس کے رویئے میں اچانک آنے والی تبدیلی سے بوکھلا گئی اور باہر نکلنے میں پل کی تاخیر بھی نہیں کی تھی چیمبر سے نکل کر اس نے ایک لمبی سانس لی۔

''میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنی مختصر مدت میں کسی شخص میں اتنی بڑی تبدیلی آ سکتی ہے۔'' یہ سوچتی ہوئی فوٹو اسٹیٹ مشین تک پہنچی رپورٹ کی تین کاپیاں تیار کر کے اس پروجیکٹ کے سارے کاغذات اسی فائل میں نتھی کر دیئے سوچا نہ جانے کب کونسے کاغذات مانگ لے اور نہ دینے پر بے عزت کر دے۔

''اف عثمان صاحب کو ابھی چھٹی پر جانا تھا میری جان مصیبت میں ڈال گئے۔''

دوسرے دن دفتر پہنچتے ہی اسے اطلاع ملی کہ گیارہ بجے میٹنگ ہے وہ دھڑکتے دل سے میٹنگ میں شریک ہونے گئی اس نے چند پرابلمز ڈسکس کرنے کے بعد ہارون نے صوفیہ کی طرف مڑ کر کہا۔

''میں چاہتا ہوں آپ نے جو پروجیکٹ تیار کیا ہے اس کے بارے میں سب کو بتائیں۔'' اس طرح سب کی نظریں خود پر مرکوز پا کر پہلے تو وہ گھبرا گئی پھر ہمت کر کے کھڑی ہو گئی، اور سہج سہج کر پروجیکٹ کے متعلق بتانا شروع کیا اس کے خاموش ہونے پر ہارون بول پڑا۔

''اگر کسی کو صوفیہ صاحبہ سے کوئی سوال پوچھنا ہو تو ابھی پوچھ سکتے ہیں مجھے یقین ہے انہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔''

صوفیہ کے ساتھیوں نے تین چار سوال پوچھے جن کا تسلی بخش جواب اس نے دیا تو ہارون کی آنکھوں سے تعریف کے تاثرات جھانکنے لگے وہ سب کو مخاطب کر کے بولا۔

''میرے خیال میں ہم نے اس پروجیکٹ پر ہر پہلو سے غور کر لیا ہے ہمارے کلائنٹ کو اس میں کوئی خامی نظر نہیں آئے گی۔'' سب کمرے سے نکلنے لگے تو ہارون نے صوفیہ کو روک لیا۔

''آپ بیٹھیے مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔'' وہ بیٹھ گئی اور اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔

''صوفیہ بی بی کل آپ کا کام دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی آپ اپنے کام میں کافی دلچسپی لیتی ہیں میں آپ کو کل ایک اور کلائنٹ سے ملوانا چاہتا ہوں اگر آپ اسے مطمئن کر دیں تو کافی بڑا آرڈر ہمیں مل سکتا ہے کیسے کب ملواؤں آپ کو اس سے؟''

''جب آپ مناسب سمجھیں۔'' صوفیہ نے جواب دیا ویسے وہ چاہتا کیا ہے؟ وہ سوالیہ انداز میں بولی۔

''وہ ایک نیا پروڈکٹ مارکیٹ میں لانا چاہتا ہے اس لئے اسے اپنے پروڈکٹ کو فروخت کرنے کے لئے نئی تکنیک کی ضرورت ہے آپ نے اسی شعبے میں ڈگری لی ہے لہذا آپ اسے مطمئن کر سکتی ہیں۔''

صوفیہ کو جہاں ہارون کے منہ سے اپنی تعریف سن کر خوشی ہوئی وہیں دل میں درد جاگ اٹھا وہ بولی۔

''سر! آپ کیسے جانتے ہیں کہ میں نے مارکیٹنگ مینجمنٹ میں ڈگری لی ہے۔''

''میں نے تمہاری پرسنل فائل کا مطالعہ کیا ہے میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں کیا تم آفس سے باہر مجھ سے ملنا پسند کرو گی؟''

''نہیں۔'' وہ اچانک مستحکم لہجے میں بولی تھی۔

''اس میں حرج ہی کیا ہے۔'' وہ کسی امید کے تحت بولا تھا۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' وہ کہہ کر فوراً چیمبر سے نکل گئی تھی۔

ایک دن تو خیر و عافیت سے گزر گیا اس کا سامنا ہارون سے نہ ہوا، عثمان صاحب بھی واپس آ گئے تھے دوسرے دن ہارون نے اچانک سارے سٹاف کو طلب کر لیا تھا وہ سب نشستوں پر بیٹھ چکے تھے اور ہارون کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا بات کیسے شروع کرے۔

''سر! کیا کوئی پریشانی ہے۔'' عثمان نے توقف کے بعد پوچھا تھا۔

''جیسا کہ آپ جانتے ہیں کل سے ملک بھر میں پولیو کے خلاف پولیو ڈراپس مہم کا آغاز ہو رہا تھا جو دو دن کے لئے کینسل ہو چکا ہے۔'' وہ رک رک کر بول رہا تھا۔

''کینسل مگر کیوں سر!'' اب شائستہ نے پوچھا تھا ان کا ارادہ محکمہ صحت سے منسلک نہیں تھا اسی لئے سٹاف کو اس بات میں دلچسپی کی وجہ نظر نہیں آئی تھی سوائے ایم ڈی صاحب کی پریشانی کے۔

''کل کراچی میں پولیو ٹیمز کی ممبران چار لیڈی ہیلتھ ورکرز کو قتل کر دیا گیا ہے اور ایک سرحد میں بھی، گو کہ پنجاب میں ایسا کوئی ردعمل نظر نہیں آیا مگر پھر بھی پورے ملک کی مشینری حرکت میں آ چکی ہے اور گورنمنٹ نے ہنگامی حالات میں نجی اداروں کو بھی اس مہم میں شامل کرنے کا پروگرام بنایا ہے آج صبح ہی ہمیں بھی کال کیا گیا تھا اب ہم بھی اس پروگرام میں شامل ہو چکے ہیں۔''

''سر ہمیں اس بارے میں کوئی آئیڈیا نہیں ہے اور کیا کیا کریں گے۔'' عامر نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''گھبرایئے نہیں اتنا تو آپ جانتے ہی ہیں کہ پولیو ایک موذی مرض ہے جب کسی بچے کو ہو جائے تو وہ عمر بھر کے لئے معذور ہو جاتا ہے نہ گھر کے لئے مفید نہ معاشرے کے لئے کارآمد حتی کہ خود کو اپنے اوپر بوجھ محسوس کرتا ہے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا نے اس کے بارے میں کافی حد تک معلومات اجاگر کی ہیں سو ہمیں اپنا رول ادا کرنے کے لئے آگے بڑھ کر اس مہم میں حصہ لینا ہو گا۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا اور ایک نظر سب ورکرز پر دوڑائی تھی۔

''سر! ان لیڈی ہیلتھ ورکرز کو قتل کرنے والے کون لوگ ہو سکتے ہیں۔'' صوفیہ نے گہرے اضطراب کے تحت پوچھا تھا۔

''دہشت گرد، وہ ہر طرح سے ہمارے ملک کی جڑیں کمزور کر رہے ہیں آپ دیکھیں تعلیم اور صحت ہمارے ملک کے سب سے بڑے مسئلے

ہیں پولیو کا مسئلہ اپنے حل ہونے کی آخری مراحل میں تھا تو دشمنوں نے اپنا رخ ادھر موڑ لیا ہمیں اپنے ملک کو بچانے کے لئے اپنی حدوں سے باہر نکلنا ہوگا ضروری نہیں کہ محکمہ صحت والے ہی اس شعبے میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں ہم سب کو اپنا فرض ادا کرنا ہوگا اس دھرتی کے لئے اپنی مٹی کے لئے اپنی زمین کے لئے اس میں بسنے والے ہر مکین کے لئے۔" بات کرتے کرتے شاید ہارون کی آواز نم ہو گئی تھی۔

"کیا اتنی اچھی سوچ رکھنے والا اتنا نرم دل انسان کسی کے ساتھ دھوکہ کر سکتا ہے محبتوں سے گندھا ہوا محبت سے بے وفائی کیسے کر سکتا ہے۔" وہ خود ہی قیاسے فے لڑا رہی تھی۔

"ہاں اور ایک بات اور۔" وہ ہارون کی آواز پر چونکی تھی۔

"کسی پر کوئی پابندی نہیں جو اس میں شرکت نہ کرنا چاہے اس سے زبردستی نہیں کی جائے گی آج ہی ایک بجے سے چار بجے تک نشتر ہوسپٹل میں ٹریننگ ہوگی وہیں پر آپ کو کام کرنے کے متعلق بتایا جائے گا اور کل بھی ٹریننگ ہوگی کیونکہ پرسوں پولیو مہم کا آغاز ہو جائے گا۔"

"سوری سر! میں آپ لوگوں کے ساتھ اس مہم میں شریک نہیں ہو سکتی آپ سب جانتے ہیں گھر سے مجھے فیلڈ میں کام کرنے کی اجازت نہیں ملے گی۔" شائستہ نے سوری کہا تو رحیم نے بھی اپنی مجبوری سامنے رکھ دی۔

"مجھے سانس کی پرابلم ہے اگر میں آپ کے ساتھ فیلڈ میں نکلا تو کیا کریں گے مجھے سنبھالتے پھریں گے۔" وہ مری مری آواز میں بولا تھا۔

"ٹھیک ہے جس نے جانا ہو مجھے آدھے گھنٹے میں اطلاع کر دیں کیونکہ پھر ہمیں نشتر ہوسپٹل کے لئے نکلنا ہوگا۔" وہ نروٹھے پن سے بولے، وہ صحیح معنوں میں ڈس ہارٹ ہوئے تھے ان کو اندازہ نہیں تھا ان کا عملہ اتنا خود غرض ہو سکتا ہے۔

"سر! میں جاؤں گی جہاں بھی جانا پڑا کسی بھی مسئلے کی پرواہ کیے بغیر۔" وہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے صوفیہ بولی۔

"نہیں نہیں آپ پر بھی کوئی زبردستی نہیں کوئی بھی نہ جائے دنیا کے کام کسی کے بغیر رکتے نہیں ہمارے بغیر یہ مہم رکے گی نہیں لیکن اگر ہم اس میں حصہ لیں گے تو ہمارا ضمیر مطمئن ہوگا بس اتنی سی بات ہے۔" ان کے لہجے کے طنز کے ساتھ غصہ بھی شامل ہو گیا تھا۔

"سر! جتنا جذبہ حب الوطنی آپ کے دل میں ہے اتنا ہمارے دلوں میں بھی ہے ہم ان ورکرز کی قربانی رائیگاں نہیں جانے دیں گے اور ان ملک دشمنوں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے ہمیں ان کے ارادے توڑنے ہیں اور اپنے ملک کی جڑیں مضبوط کرنی ہیں ایک یہ پولیو کے ایشو پر نہیں بلکہ ہر پلیٹ فارم پر ہر کار کے لئے یکجا ہو کر ایک نئی مثال قائم کرنی ہے آپ کسی ایک کا جرم سب کے کھاتے میں نہیں ڈال سکتے ہم سب جائیں گے اور ضرور جائیں گے۔" وہ بڑے مضبوط لہجے میں اعتماد سے بول رہی تھی تو ہارون کے تنے ہوئے چہرے پر سختی کچھ کم ہوئی تھی اور وہی ہوا تھا ایک بجے تمام سٹاف نشتر ہوسپٹل جانے کے لئے تیار کھڑا تھا، بے شک ان کے درمیان ذاتی اختلافات تھے مگر قومی سطح پر سوچ ایک تھی پھر وہ ہی قافلہ نہیں بلکہ شہر کے تمام نجی اداروں کے افسران سمیت ورکرز نشتر ہوسپٹل پہنچے تھے وہاں پر انہیں پولیو کے متعلق آگاہی دی گئی تھی۔

"کہ پولیو ایک ایسی بیماری ہے جو وائرس کے ذریعے ایک بچے سے دوسرے بچے کے جسم میں داخل ہو سکتی ہے اور بچے کے لئے معذوری یا موت کا باعث بن جاتی ہے پولیو کا وائرس متاثرہ بچے کے پاخانے کے ذریعے پھیلتا ہے بچوں واش روم سے آنے اگر ہاتھ صابن اور پانی سے نہ دھوئیں جائیں اور کھانے پینے کی چیزوں کو لگا جائیں تو بچوں کو انہی ہاتھوں سے کھانا کھلایا جائے تو یہ بیماری صحت مند بچوں تک پہنچ سکتی ہے اس لئے پولیو کے ویکسین کے دو قطرے پانچ سال سے کم عمر کے ہر بچے کو ہر بار بلانا بہت ضروری ہے، ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نے کہا ہے پاکستان 2016ء تک پولیو فری نہ ہوا تو امریکہ، انگلینڈ، فرانس، ملائیشیا جیسے ممالک میں پاکستانی جا سکیں گے نہ وہ لوگ پاکستان آئیں گے ان ممالک میں وہی جا سکیں گے جن کے پاس پولیو ویکسین کے کارڈز ہوں گے یہاں ملک دشمن قوتیں تیزی سے ہمارے ملک کو دہشت گردی کی طرف دھکیل رہی تھیں اب انہوں نے پولیو کو ٹارگٹ بنا لیا تھا کیونکہ اسے انٹرنیشنل اور نیشنل سطح پر بہت اہمیت دی جا رہی ہے انہیں یہ بھی بتایا گیا پولیو کے ممبران کے قتل کی وجہ سے ملک کے دیہی پسماندہ یا دیگر چھوٹے شہروں میں بھی خوف و ہراس پھیل گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ اپنے بچوں کو پولیو کے قطرے پلوا نہیں رہے ہیں اس اثر کو زائل کرنے کے لئے باقی اداروں کو بھی انوالو کیا گیا ہے اور یہ کہ ان اداروں کے ممبران پولیو کی ٹیموں کے ساتھ بطور سیکورٹی کام کریں گے جہاں کہیں کوئی پرابلم ہوئی اسے حل کریں گے اور پولیو سے متعلق لوگوں کے خدشات دور کریں گے۔"

اس کے بعد گروپ بندیاں کی گئی تھیں ہارون کے گروپ میں اس کا اپنا ہی سٹاف تھا جو آٹھ لوگوں پر مشتمل تھا انہیں پانچ گاؤں ملے تھے جہاں انہیں ٹیموں کا فالو کرنا تھا سو انہوں نے اپنے دو گروپ بنا لیے تھے ایک گروپ میں وہ خود تھے دوسرے گروپ کی سربراہی صوفیہ کر رہی تھی دوسرے دن ٹریننگ کے بعد سب کو اپنی اپنی ٹیموں سے ملنا تھا انہیں بھی جانا تھا مگر ان کے گروپ نے فیصلہ کیا کہ ہارون اور صوفیہ ہی ان سے مل آئیں، صوفیہ، تنہا ہارون کے ساتھ جانے سے کترا رہی تھی مگر کولیگز کے کہنے پر اسے چلتے ہی بنی اپنی بات منوائی تھی تو ان کی بات بھی اسے ماننا پڑی تھی جب صوفیہ، ہارون کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تو ایک ٹھنڈی سانس لی تھی۔

پولیو مہم کے زونل سپروائزر کے بتائے ہوئے سنٹر بنیادی ہیلتھ یونٹ 561 میں تقریباً آدھے گھنٹے میں پہنچ چکے تھے وہاں ان کی ملاقات پانچوں ویلیجز میں کام کرنے والے ممبران سے ہوئی ایریا انچارج اور زونل سپروائزر بھی وہیں موجود تھے ایریا انچارج اور زونل کا کام بھی ان ٹیموں کو لک آفٹر کرنا ہوتا ہے پھر ہارون نے ان سب کو مکمل تحفظ کا یقین دلایا تھا، ان کے سیل نمبر لئے تھے اپنے دیئے تھے اور واپسی کا قصد کیا اسی اثناء میں تقریباً چار بج چکے تھے سردیوں کی شام ہو چکی تھی بادل چھا چکے تھے، 2012ء کے دم توڑتے دسمبر کی سرد آہیں پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھیں گاڑی کے اندر کی فضا دسمبر کی منجمد کرنے والی سردی سے بھی زیادہ یخ بستہ محسوس ہو رہی تھیں حالانکہ ہیٹنگ سسٹم بھی آن تھا، دونوں طرف مکمل خاموشی تھی غور کیا جاتا تو ایسے عالم میں عموماً دو انسانوں کے دل دھڑکتے ہوئے پائے جاتے اگلے پندرہ منٹ میں گاڑی کی اسکرین پر بارش کی بوندوں نے مدہم سا رقص

شروع کر دیا تھا راستہ ناہموار ہونے کی وجہ سے کافی احتیاط سے ڈرائیونگ کرنا پڑ رہی تھی مین روڈ پر گاڑی ڈالتے ہوئے بے خیالی میں اس سے سی ڈی پلیئر آن ہو گیا۔

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا

فریدہ خانم کی رس گھولتی آواز کانوں میں پڑی تو وہ چونک گیا یہ کلام گرچہ اسے بے حد پسند تھا لیکن اس وقت وہ اپنے زخم ہرے نہیں کرنا چاہتا تھا سو پلیئر بند کر دیا اور وہ جو اس کی قربت سے خود کو تہی داماں محسوس کرنے لگتی تھی آنکھوں سے آنسو رواں ہو چکے تھے وہ باہر کی طرف چہرہ کر کے بے آواز آنسو بہا رہی تھی اسے روتے نجانے کتنی دیر گزر گئی تھی جب اچانک کار کا انجن بند ہوا تو اسے ہوش آیا وہ ایک بے حد خوبصورت ہوٹل کے سامنے کھڑی تھی وہ گاڑی سے اتر کر اس کی طرف آیا اور دروازہ کھول دیا۔

''آؤ کچھ کھا لیتے ہیں میرے خیال میں آپ نے بھی صبح سے کچھ نہیں کھایا کھانے کا ٹائم ہو چکا ہے۔'' وہ جیسے کھانا کھانے کی وضاحت دے رہا تھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس کی آواز میں بھیگا پن تھا۔

''بھوک نہیں تو چائے پی لو پھر میں تمہیں گھر ڈراپ کر دوں گا۔'' وہ ہوٹل کے اندر جا چکا تھا اس کے زبردستی کرنے پر اور اس کا دل بھر آیا تھا، با دل نخواستہ اسے بھی ہارون کی تقلید کرنا پڑی کھانا آرڈر کر کے فون پر کسی سے بات کرنے لگا وہ میز پر آ کر بیٹھ چکی تھی، بات کرتے کرتے اس کی نظر صوفی کے چہرے پر پڑی تو وہ ٹھٹک گیا اس کا سر جھکا ہوا تھا لیکن آنسوؤں کے قطرے شفاف ٹیبل کی سطح پر اک نئی بارش برسا رہے تھے جو باہر کی سرد بارش سے بالکل مختلف تھی گرم گرم سی نمکین موبائل آف کر کے وہ پوری سمت اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''محترمہ آپ اس وقت پبلک پیلس میں ہیں اپنے گھر یا میری گاڑی نہیں ہے جہاں آپ اپنا شوق پورا کر رہی ہیں ابھی زندگی پڑی ہے روتی رہیے گا۔'' ہارون کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا وہ اس کے انداز سے مزید بلبلا گئی، کتنا کٹھور ہو گیا تھا صوفیہ کی بھری آنکھوں کو دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا، وہ اس کے طنز پر تلملا کر کھڑی ہوئی تھی۔

''اب کہاں جا رہی ہو؟'' اسے اس کے اٹھ جانے کی توقع نہیں تھی۔

''میں آپ کو دوبارہ اپنی زندگی میں مداخلت کرنے کا موقع نہیں دوں گی ویسے بھی انسان کو ایک ہی بار آزمایا جاتا ہے بار بار نہیں، ایک بار دھوکہ کھا چکی ہوں اب اور نہیں میرا اور آپ کا تعلق صرف آفیشل ہے پرسنل طور پر میں ایک پل آپ کے ساتھ نہیں گزار سکتی۔'' بات کرتے کرتے اس کا گلا رندھ گیا۔

''واہ چوری اور سینہ زوری، دھوکہ خود ہی دیا اب مجھے الزام دے رہی ہو۔'' وہ بھی اس کے لگائے الزام پر بلبلا کر رہ گیا کھانا کھائے بغیر وہ ٹیکسی سے چلی گئی تھی، دھوکہ دہی کے الزام نے اس کے دل میں کھلبلی مچا دی تھی لیکن وہ جس کاز کے لئے اکٹھے ہوئے تھے اس کے لئے خاموش ہو گیا۔

☆☆☆

اگلے دو دن خیریت سے گزر گئے پولیو مہم کامیابی سے جاری تھی، تیسرے دن صوفیہ کو ایک ٹیم کا فون آیا انہیں قطرے پلانے میں دقت ہو رہی ہے وہاں پر کچھ لوگ بچوں کو قطرے پلانے سے انکار کر رہے تھے صوفیہ اپنے گروپ کے ساتھ وہاں پہنچی تو اس نے پولیو مہم سے متعلقہ

آفیسرز ایریا انچارج اور زونل سپر وائزر کو بھی بلوا لیا تھا جبکہ ہارون کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ دوسرے گاؤں میں اپنا وزٹ جاری رکھیں انشاء اللہ وہ یہ مسئلہ اپنی ٹیم کے ساتھ مل کر ضرور حل کر لے گی، وہاں پر بچوں، عورتوں اور مردوں کا کافی ہجوم تھا تقریباً دس بارہ بچوں کے والدین پولیو کے قطرے نہیں پلوا رہے تھے ایک شخص کہہ رہا تھا۔

''پولیو کے قطرے چونکہ باہر سے آتے ہیں یہ حرام ہیں۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔'' صوفیہ نے استفسار کیا تھا۔

''کیونکہ یہ انگریز ملک سے آتے ہیں ان کے لئے وہ سب حلال ہے جو ہمارے لئے حرام ہیں ہم اپنے بچوں کو نہیں پلائے گے۔'' لگتا تھا اس شخص کو انگریزوں سے بہت نفرت تھی اس جواب کے لئے صوفیہ کے اس ٹیم کی ممبر لیڈی ہیلتھ ورکر صبا سے کہا تھا کہ وہ اس سوال کا جواب موثر انداز میں دے سکتی ہے سو وہ بولی۔

''دیکھیں پولیو ویکسین مفید اور حلال ہے دنیا بھر کے ایک سو ساٹھ سے زیادہ مسلم علماء اور رہنما پولیو ویکسین کو حلال قرار دے چکے ہیں جن میں مصر سعودی عرب، انڈونیشیا، انڈیا، پاکستان اور دیگر ممالک شامل ہیں۔'' صبا نے واقعی ہی بڑا موثر جواب دیا تھا۔

''جی ہاں اور اگر یہ حرام ہوتے تو اس سال عازمین حج کو سعودی حکومت پولیو کے قطرے پلا رہی ہے کہ پھر وہ آگے بڑھ سکتے ہیں تو ایسا نہ ہوتا اپنے یقین کے لئے آپ یہ اخبار دیکھ سکتے ہیں۔'' صوفیہ نے اپنے ہینڈ بیگ سے اخبار نکالا تھا اور ان لوگوں کو وہ خبر دکھائی تھی۔

''آپ کی باتیں اپنی جگہ سچ ہوں گی مگر ہم اپنے بچوں کو یہ قطرے نہیں پلوائیں گے۔'' ایک دوسرے شخص کی آواز آئی تھی۔

''آپ اپنے بچوں پر ظلم کرنے کیوں جا رہے ہیں آپ کی لاعلمی انہیں عمر بھر کی معذوری دے سکتی ہے ہم زبردستی آپ کے بچوں کو پولیو ڈراپس نہیں پلائیں گے اگر آپ کے دل میں اس سے متعلق شکوک و شبہات ہیں تو بتائیں ہم انہیں دور کرنے کی کوشش کریں گے۔'' اس مہم سے متعلقہ آفیسرز نے شفیق انداز میں کہا تھا۔

''ہم نے سنا ہے پولیو کے قطروں سے خاندانی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔'' ایک تقریباً پچاس سالہ خاتون نے اپنے شک کا اظہار کیا تھا۔

''یہ محض غلط فہمی ہے جو دشمن عناصر کی طرف سے ہمارے دلوں میں ڈالی گئی ہے اگر ایسا ہوتا تو چند ہی سالوں میں پاکستان کی آبادی اتنی تیزی سے نہ بڑھتی پولیو کے قطرے صرف پولیو کی بیماری سے بچاؤ کے لئے ہوتے ہیں یہ ویکسین عالمی ادارہ صحت WHO کی ہدایت کے مطابق عالمی معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے تیار کی جاتی ہے اسے ہر مرتبہ استعمال سے پہلے پرکھا جاتا ہے یہ صرف پاکستان کے لئے نہیں ہمارے ہمسایہ ملک انڈیا سے بھی اس بیماری کا خاتمہ ہو چکا ہے لیکن پاکستان میں کم علمی کی بنا پر شاید یہ آئندہ کئی سال تک ممکن نہ ہو۔'' صبا سمجھاتے سمجھاتے شاید تھک چکی تھی۔

''تو پھر ملک میں یہ ہنگامہ آرائیاں کیوں ہو رہی ہیں پولیو ممبران کا قتل اسی لئے ہو رہا ہے کہ یہ انسانی صحت کے لئے مفید نہیں قبائلی علاقوں والے تو اپنی تحفظ کے لئے لڑ پڑتے ہیں جبکہ ہم منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں، ایک چوہدری ٹائپ چالیس پینتالیس سالہ شخص اپنی موچھوں کو

بل دیتا اپنے تئیں بڑی بات کر رہا تھا کہ وہ ہر خبر پہ نظر رکھتا ہے۔"

"سر اگر آپ نے مکمل طور پر اس ایشو کے بارے میں دیکھا پڑھا ہوتا تو جان جاتے کہ یہ دشمنوں کی کارستانی ہے وہ دہشت گردی کی آڑ میں ہم پر ہر طرف سے حملہ آور ہیں وہ ہماری کم علمی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں کیونکہ پولیو ہمارے لئے ایک حساس مسئلہ بن چکا ہے اس لئے انہوں نے اسے ٹارگٹ بنا لیا ہے آپ سمجھتے کیوں نہیں ہمیں ہر بیماری سے ہر دشمن سے خود نمٹنا ہے اگر آپ بھی اپنے وطن سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہم سے تعاون کریں ہم سب لوگ اپنے اپنے پرسنل کام چھوڑ کر آپ کے بچوں کے محفوظ اور صحت مند مستقبل کے لئے نکلے ہوئے ہیں اس ملک کا ہر بچہ ہمارے لئے اپنے بچوں جتنا اہم ہے آپ مہربانی کر کے ہمارا ساتھ دیں۔" صوفیہ کی باتیں لوگوں پر اثر انداز ہو رہی تھیں وہ اپنے بچوں کو پولیو ڈراپس پلوانے لگے۔

"تم لوگ پاگل تو نہیں ہو کہ ان لوگوں کی باتوں میں آ گئے ان سے یہ تو پوچھو یہ قطرے صرف پانچ سال سے کم عمر بچوں کو کیوں پلاتے ہیں بڑوں کو کیوں نہیں۔" اس چوہدری ٹائپ شخص کو بہت غصہ آیا تھا جب لوگ اپنے بچوں کو قطرے پلوانے لگے تھے اس لئے محکمہ صحت کے لوگوں کو مشکل میں ڈالنے کا سوچا اور اپنے گاؤں والوں کے دل میں مزید شک ڈال دیا۔

"پانچ سال سے کم عمر بچوں کو قطرے اس لئے پلواتے ہیں کیونکہ ان کے جسم میں بیماریوں سے لڑنے کی صلاحیت کم ہوتی ہے اس لئے پانچ سال تک کی عمر کے بچوں کو ہر مہم کے دوران پولیو سے بچاؤ کے قطرے دیئے جاتے ہیں تاکہ معذوری کے خلاف بھرپور قوت مداخلت پیدا ہو۔" بے شک اپنی مضبوط دلیل سے محکمہ صحت کے ایریا انچارج نے دور کر دیا تھا پھر کسی نے اس کی پرواہ نہ کی اپنے بچوں کو پولیو ڈراپس پلوائے اور وہ جلتا کڑھتا واک آؤٹ کر گیا آخر میں محکمہ صحت کے تمام کارکنوں نے صوفیہ اور اس کے گروپ کا شکریہ ادا کیا تھا، وہ سب لوگ اپنے بنیادی ہیلتھ یونٹ روانہ ہوئے تو صوفیہ اور اس کے ساتھی ملتان کی طرف گامزن، وہ ابھی گاؤں کے راستے پر ہی تھے کہ ان کی گاڑی پر فائرنگ ہونے لگی، ایک گولی گاڑی کے ٹائر میں لگی، تو گاڑی رک گئی مگر دوسری گولی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی صوفیہ کے دائیں بازو کو چیرتی نکل گئی اور اس کے بالکل پیچھے بیٹھے عامر کے کندھے میں لگی وہ سب انتہائی پریشان ہو گئے مگر رحیم نے اسی وقت زونل سپروائزر کو فون کیا اور صورتحال بتا دی وہ بھی فوراً آئے اور ان کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر BHV پہنچے پولیس کو بھی کال کر لیا گیا تھا ان دونوں کو بنیادی طبی امداد دی جا چکی تھی پولیس فائرنگ کرنے والوں کا پتہ لگانے نکل چکی تھی، رحیم کے فون کرنے پر ہارون اور باقی لوگ بھی وہاں پہنچ گئے تھے ہارون بہت غصے میں تھے۔

"ڈاکٹر صاحب میں ان لوگوں کو چھوڑوں گا نہیں جن کی یہ کارستانی ہے۔" وہ زونل کو مخاطب کر کے غصہ سے بولا تھا۔

"حوصلہ رکھیے پولیس ابھی انہیں آپ کے سامنے پیش کر دے گی آپ ہمارے مہمان ہیں ہم بھی آپ کی توہین برداشت نہیں کر سکتے آپ جا کر اپنے لوگوں کی خیریت دریافت کیجئے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" زونل سپروائزر نے انہیں تسلی دی تھی عامر زیادہ زخمی ہوا تھا دواؤں کی وجہ سے اس پر غنودگی طاری ہو چکی تھی صوفیہ کی خیریت دریافت کرنے کے بعد اس نے شائستہ سے پوچھا تھا۔

"کیا اس کے گھر والوں کو اطلاع کر دی گئی ہے۔" کیونکہ یہاں انہیں کافی دیر کے لئے رکنا تھا۔

"سر! عامر کے گھر والوں کو انفارم کر دیا گیا ہے اس کے بھائی یہاں آنا چاہ رہے تھے مگر رحیم اور یاسر نے منع کر دیا جبکہ صوفیہ نے اپنے والدین کو کچھ بھی بتانے سے منع کیا ہے۔" شائستہ نے تفصیلاً بتایا تھا۔

"کیوں؟ انہوں نے کیوں منع کیا ہے آپ جانتی ہیں یہاں دیر ہو جائے گی۔" وہ شائستہ سے کہہ رہے تھے مگر نگاہیں صوفیہ کے چہرے پر بھٹک رہی تھیں۔

"شائستہ تم ہوسٹل فون کر کے مس ساجدہ کو سب حالات بتا دو میں دیر سے آؤں گی۔" وہ بڑے آرام سے بولی تھی اور وہ حیران کہ وہ یہاں ہوسٹل میں رہتی ہے، ہارون میڈیکل آفیسر کے پاس بیٹھے مشورہ کر رہے تھے کہ مجرموں کے گرفتار ہونے تک وہ یہیں رہیں گے عامر، صوفیہ اور باقی لوگ ملتان چلے جائیں وہ سب کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میڈیکل آفیسر نے کہا تھا وہ ان کی بات سے متفق ہیں ڈاکٹر صاحب نے ملتان سے ایمبولینس بھی منگوالی تھی سب لوگ ملتان جانے کو تیار ہو چکے تھے مگر صوفیہ نے انکار کر دیا تھا جب تک وہ پکڑے نہیں جاتے ہیں نہیں جاؤں گی۔

"مگر یہاں رات بھی لگ سکتی ہے میں یہاں ہوں نہ۔" ہارون نے اسے سمجھایا تھا، پھر عامر کو اس کے ساتھ رحیم اور یاسر ایمبولینس میں ملتان گئے تھے باقی لوگ ایک گاڑی میں بیٹھ گئے تھے ایک گاڑی ہارون نے رکھ لی تھی اور ڈرائیور کو بھی ساتھ بھیج تھا، رات کے تقریباً دس بجے تک وہ لوگ پکڑے گئے تھے فائرنگ کرنے والا وہی چوہدری ٹائپ شخص تھا اس نے کہا تھا، وہ صرف انہیں ہراساں کرنے کے لئے فائرنگ کی تھی اس کا ارادہ انہیں نقصان پہنچانے کا نہیں تھا کیونکہ صوفیہ نے اپنی تقریر سے لوگوں کو قطرے پلوانے کے لئے قائل کر لیا تھا، لیکن وہ دونوں اسے معاف کرنے پر تیار نہیں تھے۔

"سر یہ کسی دہشت گرد تنظیم کا رکن بھی ہو سکتا ہے کیونکہ آج کل تو وہی اس مہم کو ناکام بنانے میں ہتھکنڈے استعمال کر رہے تھے۔" صوفیہ کی بات سن کر وہ اور اس کے دونوں ساتھی تڑپ اٹھے تھے اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہے تھے ان کے گاؤں سے معتبر شخصیات بھی سفارش کے لئے آ چکی تھیں انہوں نے بھی گواہی دی تھی اس کا تعلق کسی تنظیم سے نہیں ہے بس علم کی کمی کے باعث یہ حادثہ ہوا ہے ہرجانے کے طور پر پچاس ہزار دونوں کو دینے پر تیار تھے صوفیہ نے پیسے لینے سے پہلے کچھ سوچا تھا پھر ہاں کی تھی اور ہارون اس کے مان جانے پر حیران ہوا تھا پھر باری باری وہ سب سے ملا تھا اور ان کا شکریہ ادا کیا تھا محکمہ صحت کا عملہ اور پولیس نے ان کی بہت مدد کی تھی اور پولیس وین انہیں چھوڑنے ملتان تک جا رہی تھی کیونکہ رات کافی ہو چکی تھی وہ دونوں ایک گاڑی میں بیٹھ چکے تھے اور پیچھے پولیس وین تھی اسے ہارون کا ساتھ اذیت میں مبتلا کر رہا تھا اپنے ٹھکرائے جانے کا دکھ روح میں گڑا جا رہا تھا، وہ لوگ ملتان پہنچے تو ہارون اسے ایک اچھے ڈاکٹر کو دکھانے لے جا چکا تھا اس نے بہت منع بھی کیا مگر اس نے ایک نہ سنی تھی ڈاکٹر نے نئے سرے سے بینڈیج کر دی تھی، انجکشن بھی لگا دیا تھا کچھ میڈیسن بھی کھلائی تھی کیونکہ اس کا زخم بھی گہرا ہی تھا اور اونچے نیچے گاؤں کے راستے ہونے کی وجہ

سے گاڑی میں ہی اس کے زخموں سے خون رستا رہا تھا، ڈاکٹر سے دوائی لینے کے بعد وہ گاڑی میں بیٹھے ہی تھے کہ صوفیہ پر غنودگی طاری ہونے لگی تھوڑی دیر بعد ہی وہ ہارون کے کندھے سے ٹک کر سو گئی تھی ہارون اسے ہوسٹل لے جانے کی بجائے اپنے گھر لے گیا تھا جو اسے کمپنی کی طرف سے ملا تھا، جہاں وہ اپنے تین ملازموں کے ساتھ تنہا رہتا تھا مالی بھی دن میں کام کرتا اور ماسی بھی رات کو چلی جاتی مگر چوکیدار وہیں رہتا تھا اسے سہارا دے کر گاڑی سے نکالا اور اپنے بیڈ روم میں لے آیا تھا اسے بیڈ پر لٹا کر اوپر کمبل ڈال دیا تھا۔

ساری رات صوفیہ دواؤں کے زیر اثر سوتی رہی تھی اور ہارون اس کے اکیلے پن ہونے کی وجہ سے وہیں صوفے پر ٹک گیا تھا صبح صوفیہ کی آنکھ کھلی تو حیران رہ گئی کہ وہ کہاں ہے کمرہ مکین کے ذوق کی منہ بولتی تصویر تھا، سفید پردے، سفید بیڈ شیٹ، دیواروں پر ہلکا آسمانی پینٹ دبیز قالین اور آف وائٹ فرنیچر اور کمرے کے وسط میں رکھی شیشے کی میز پر سجا گلدان جس میں ابھی ابھی تازہ سفید اور سرخ گلاب لگائے گئے وہ ابھی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی کہ ہارون سوپ لئے چلا آیا وہ اسے دیکھ اٹھنے لگی تو اس نے منع کر دیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے اٹھنے کی بس ذرا تکیے سے ٹیک لگالو اور یہ سوپ پی لو۔''

''لیکن یہ کمرہ یہ جگہ میں کہاں ہوں۔'' وہ الجھن میں تھی۔

''تم راستے میں سو گئیں تو میں تمہیں اپنے گھر لے آیا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔'' وہ جیسے بڑی سہولت سے بولا تھا۔

''آپ کو مجھے یہاں نہیں لانا چاہیے تھا وہیں ہوسٹل چھوڑ آتے خوانخواہ آپ کو اور آپ کی فیملی کو تکلیف ہوئی ہو گی۔'' وہ گود میں رکھے ہاتھوں کو بغور دیکھتے ہوئے بولی شاید ہاتھوں کی لکیروں میں آج بھی اسی ظالم کا نام رقم تھا۔

''فیملی، میں بھی تمہاری طرح تنہا ہی رہتا ہوں ارے پہلے سوپ تو پیو ٹھنڈا ہو رہا ہے ہم کیسی باتیں لے بیٹھے۔'' اچانک یاد آنے پر سوپ کا پیالہ اس کے آگے کیا تھا، تو وہ بے بسی سے اپنے دائیں بازو کو دیکھ کر رہ گئی۔

''اور مجھے خیال نہیں رہا تم کیسے پیو گی میں پلاتا ہوں۔'' اور پھر وہ اسے سوپ پلانے لگا یوں لگ رہا تھا وہ برسوں سے ساتھ رہ رہے ہیں تھوڑا سا سوپ لینے کے بعد صوفیہ نے منع کر دیا تھا۔

''میں باہر جانا چاہتی ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''نہیں بہت سردی ہے یہیں اندر رہو، ناشتے میں کیا لو گی میں بنا کر لے آتا ہوں کیونکہ ماسی کی چھٹی ہے۔'' وہ اپنی وارڈ روب سے اپنے لئے سوٹ نکالتے ہوئے مصروف انداز میں بولا۔

''مجھے ناشتہ نہیں کرنا، مجھے باہر جانا ہے۔'' وہ ضدی لہجے میں بولی۔

''اچھا میں چلا جاتا ہوں۔'' وہ اس کا گریز سمجھتے ہوئے بولا اور کمرے سے نکل گیا وہ تیار ہو کر واپس کمرے میں آیا تو وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے سوچوں میں گم تھی اس کے نوک کرنے پر چونک گئی وہ اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''میں فیلڈ میں جا رہا ہوں کیونکہ آج پولیو مہم کا آخری اور چوتھا روز ہے میں جلد ہی واپس جاؤں گا تم ناشتہ کر لینا میں آ جاؤں پھر لنچ کر باہر جائیں گے اور تمہیں ڈاکٹر کو دکھا کر ہوٹل چھوڑ آؤں گا۔'' وہ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ

وضاحت دینے لگا تھا۔

''باہر بہت سردی ہے اندر ہی رہنا کچن میں ہر چیز موجود ہے اور اپنا خیال رکھنا۔'' وہ پتہ نہیں کیوں اتنا کیئرنگ ہو رہا تھا حالانکہ جانتا تھا راستے جدا ہو چکے ہیں۔

صوفیہ زہریلی ہنسی ہنس دی تھی اور اس کی فیملی کے بارے میں سوچنے لگی کہ ہارون یہاں تنہا کیوں رہتا ہے اس کی بیوی بچے بھی ہیں وہ جانے کہاں ہیں یا شاید ابھی انہوں نے آنا ہو یا پھر انہیں ملتان میں رہنا پسند ہی نہ ہو، وہ ایسی ہی سوچوں کے زیر اثر رہی تھی تقریباً بارہ بجے وہ لوٹ آیا تھا اس کے ہاتھ میں پھولوں کا بوکے تھا، جو بادل نخواستہ صوفیہ کو پکڑنا پڑا تھا۔

''پتہ نہیں تقدیر نے مجھے اتنے بڑے امتحان میں کیوں ڈال دیا ہے اس کے پاس ہو کر دور رہنا شاید میری محبت کی بہت بڑی آزمائش ہے۔'' وہ کھڑکی کھول کر اس میں کھڑی ہو گئی تھی شرارتی ہوا اس کی لٹیں چھیڑ رہی تھی، لیکن وہ لان میں کھلے ہوئے رنگ برنگے پھولوں میں محو تھی اور درختوں پر اتری خزاں اسے دیکھ رہی تھی اور خزاں کے اس پار سے چوکیدار سے بات کرتے ہوئے ہارون اس کھڑکی میں کھڑے سوگوار سراپے میں کھویا ہوا تھا۔

''تم تیار ہو جاؤ تو چلیں۔'' وہ جانے کب وہاں چلا آیا تھا، وہ خاموشی سے کھڑی ہو گئی کہ اب کیا تیار ہو کپڑے تو یہاں تھے نہیں۔

''بھئی میرا مطلب ہے منہ ہاتھ دھو لو بالوں میں برش کر لو تھوڑا حلیہ درست کر لو یہ اور بات ہے کہ تم ایسے زیادہ اٹریکٹو لگ رہی ہو۔'' وہ خجل سی ہو گئی۔

''چلیں میں ایسے ہی ٹھیک ہوں آپ تو بار بار بھول جاتے ہیں کہ میرا دایاں بازو زخمی ہے۔'' وہ بات چباتے ہوئے بولی۔

''آپ مجھ پر اتنی مہربانیاں کیوں کر رہے ہیں، عامر تو مجھ سے زیادہ زخمی ہوا تھا اس کو گھر نہیں لائے، دیکھنے نہیں گئے۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

''اس لئے کہ عامر اپنے گھر والوں کے ساتھ ہے اور تم یہاں تنہا ہو اطلاعاً عرض ہے میں دس بار فون پر اس کی خیریت دریافت کر چکا ہوں اور صبح فیلڈ میں جانے سے پہلے اس کو دیکھنے گیا تھا وہ ابھی تک ہوسپٹلائز ہے اور شاید کچھ دن وہ وہیں رہے میرے لئے میرا ہر ایمپلائی ہی اہم ہے خواہ وہ میل ہے یا فی میل۔'' وہ ذرا سا غصے میں آ چکا تھا کیونکہ وہ کل سے اس سے روڈلی ہی بات کر رہی تھی پھر کمرے سے تیزی سے نکلا جا کر گاڑی میں بیٹھا تھا، گاڑی اسٹارٹ کرنے تک وہ بھی آ کر بیٹھ چکی تھی ہمیشہ کی طرح خاموش تھی مگر پوچھنا چاہ رہی تھی کہ فیلڈ میں کیا بنا کیونکہ وہ جلدی آ گیا تھا۔

''سر! آپ جلدی لوٹ آئے کیا پولیو کا کام ختم ہو گیا۔'' آخر کار اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنا ہی دیا۔

''ہاں آج چوتھا دن تھا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا ان کے زونل سپروائزر بتا رہے تھے کہ WHO ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نے کہا تھا کہ پاکستان سے پولیو مہم ختم کر دی جائے مگر ہماری حکومت نے اس بات پر زور دیا ہے کہ جب تک پولیو کی بیماری ہمارے ملک سے بالکل ختم نہیں ہو جاتی ہم قطرے پلائیں گے پتہ نہیں کیوں ہمارے ملک سے یہ مشکلات ختم نہیں ہوتیں۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا، ڈاکٹر کو چیک اپ کروانے کے بعد وہ ایک اچھے سے ہوٹل کے سامنے گاڑی روک چکا تھا۔

”مجھے بھوک نہیں پلیز مجھے ہوسٹل ڈراپ کر دیجئے۔“

”پتہ نہیں تمہاری پرابلم کیا ہے میری ہر بات سے اختلافات کرتی ہو میں نے کہہ دیا نہ لنچ کے بعد ہوسٹل چھوڑ آؤں گا۔“ ہارون اسے چھوڑ ہی آتا مگر وہ اس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ یہاں کیسے پہنچی وہ بھی تنہا، اس لئے وہ گاڑی سے اتر کر اس کی طرف آیا اور گاڑی کا دروازہ کھول دیا اور وہ نا چاہتے ہی بھی اس کے ساتھ چل دی وہ دونوں خاموش بیٹھے تھے آخر ہارون نے لب کھولے۔

”یہاں کب سے ہو؟“

”تقریباً ڈیڑھ سال سے۔“ صوفیہ نے جواب دیا۔

”پہلے کسی اور کمپنی میں جاب کرتی تھی پھر تقریباً ایک سال سے اس کمپنی میں ہوں یہاں تنخواہ اور ماحول وہاں سے بہتر ہے۔“

”پکی کماؤ لڑکی بن گئی ہو اتنی تعلیم حاصل کی آخر اس کا کچھ تو فائدہ اٹھانا چاہیے۔“

”میجر صاحب کہاں ہیں منگنی تو ہو گئی تھی آپ کی شادی کیوں نہیں ہوئی ابھی تک؟“

”میجر کون میجر؟ آپ کس منگنی کی بات کر رہے ہیں۔“ صوفیہ نے حیرت سے پوچھا۔

ہارون نے اس کے چہرے کے پریشان زاویوں کو دیکھا پھر ایک طنز آمیز مسکراہٹ اس کے چہرے پر تیر گئی۔

”ایکٹنگ اچھی کر لیتی ہو۔“ صوفیہ حیرانی سے اچھل ہی تو پڑی۔

”آپ کیوں بار بار میری توہین کرنیکی کوشش کرتے ہیں میں جو کچھ کر رہی ہوں غور سے سنیے میری کبھی کسی سے منگنی نہیں ہوئی آپ کیا سمجھتے ہیں اگر میری منگنی ہوئی ہوتی تو کیا میں آپ کے ساتھ یوں انیج ہو پاتی دھوکا تو آپ نے ہم سب کیا ہے اپنی منگنی کی بات آخر تک ہم چھپائے رکھی اگر کلثوم چچی آپ کی شادی کے بارے میں نہ بتاتیں تو میں شاید آپ کی شادی کے بعد بھی اندھیرے میں ہی رہتی اتنا بڑا دھوکہ ہم سے کرنے کے بعد بھی آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں ایکٹنگ اچھی کر لیتی ہوں یہ تمغہ تو آپ کو ملنا چاہیے مجھے نہیں۔“

اتنے میں ویٹر اتنے میں کھانا لا چکا تھا وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگے صوفیہ نے بس ہارون کی وجہ سے تھوڑا کھانا کھایا ورنہ بھوک تو کب کی اڑ چکی تھی کھانے سے فارغ ہو کر ہارون نے بل پے کیا اور گاڑی میں آبیٹھا ہمیشہ کی طرح گاڑی میں پراسرار خاموشی چھا چکی تھی ہارون نے کار ایک بڑے سے گراؤنڈ کے پاس لے جا کر روک دی سیٹ پر تھوڑا سا ترچھا ہو کر صوفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

”ابھی ہوٹل میں جو تم نے کہا کیا اسے دہرا سکتی ہو؟“

”ایک بار نہیں ہزار بار کہہ سکتی ہوں دھوکہ آپ نے مجھ سے کیا میرے خوابوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جب آپ کی منگنی ہو چکی تھی تو میرے ساتھ پیار کا ڈرامہ رچانے کی آخر کیا ضرورت تھی کیا آپ کو یہ ڈر تھا کہ کہیں مفت کی چھت نہ چھن جائے۔“ یہ سن کر ہارون بری طرح جھنجھلا گیا۔

”کیا بے کار کی بات کر رہی ہو ”میری منگنی“ میری شادی یہ سب کیا گورکھ دھندا ہے جو الزام میں تم پر لگا رہا ہوں وہی الزام تم مجھ پر تھوپ رہی ہو یہ سب کیا چکر ہے؟ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا میں نے تو تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے رنگین خواب دیکھے تھے میں تو بے صبری سے اپنی ٹریننگ ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا کہ واپس جا کر شادی کی بات پکی کرنے کے لئے امی کو راضی کر سکوں۔“ وہ سانس لینے کو رکا پھر توقف کے بعد بولا۔

”واپس گھر جا کر جب میں نے امی ابو سے بات کی تو بہت خوش ہوئے لیکن ہماری خوشیوں پر اس وقت بجلی گری جب کلثوم خالہ نے بتایا کہ تمہاری تو کسی میجر سے منگنی ہو چکی ہے اور جلد ہی شادی بھی ہونے والی ہے میں کتنا گھائل ہوا تھا تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں مجھے بالکل بھی یقین نہیں ہوا تھا بھلا کوئی اتنی جلدی کیسے محبت کو بھلا سکتا ہے میں بالکل بکھر گیا تھا میں نے تمہیں نہ جانے کتنے خط لکھے لیکن سب پھاڑ دیئے فون کرنا چاہا تمہاری آواز سننے کو میں ترس گیا تھا مگر نہ کر سکا یہ سوچ کر تمہارے دل میں میرے جذبات کی اتنی ہی قدر ہوتی تو کیا تم مجھے اس طرح دھوکہ دیتیں، بتاؤ صوفیہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں؟“ وہ ہکا بکا اس کا منہ دیکھ رہی تھی واقعی اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا اسے اپنا سر چکرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا دونوں ایک دوسرے پر ایک ہی طرح کے الزام لگا رہے تھے۔

”آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہو گی کسی نے آپ کو میری منگنی کے بارے میں جھوٹ کہا ہو گا یا مذاق کیا ہو گا اور آپ اسے سچ سمجھ بیٹھے آپ یقین کیجئے۔“ آواز کے ساتھ آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں آنسو چھما چھم برس رہے تھے۔

وہ ٹٹولنے والی نظروں سے دیر تک اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

”کیا تم سچ کہہ رہی ہو۔“ صوفیہ نے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

”ہاں اتنا ہی سچ جتنا کہ میں تمہارے سامنے اس وقت بیٹھی ہوں لیکن آپ کو اس سے کیا فرق پڑے گا آپ کی تو اب شادی ہو چکی ہے۔“ ہارون نے جھٹکے سے اپنے ہاتھ کھینچ لئے تھے۔

”نہیں صوفیہ! تمہاری منگنی کی طرح میری منگنی اور شادی کی بات ایک دم جھوٹی ہے تم سے دھوکا کھانے کے بعد مجھے تو عورت ذات سے ہی نفرت ہو گئی تھی امی اور خالہ نے ایک دو جگہ میری شادی کی بات چلائی تھی مگر میں نے انکار کر دیا لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ یہ کارستانی کس کی ہو سکتی ہے دو زندگیوں سے اتنا خطرناک مذاق کرنے کے پیچھے کس کا کیا مقصد پوشیدہ تھا۔“ وہ کچھ دیر بیٹھا سوچتا رہا جبکہ صوفیہ اپنی جگہ گم صم بیٹھی تھی پھر جیسے ہارون کو کچھ خیال آ گیا۔

”تم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ تمہیں میری منگنی کی خبر کلثوم خالہ نے دی تھی ہمیں بھی انہوں نے ہی تمہارا میجر سے رشتہ طے ہونے کی اطلاع دی تھی کہیں وہ تو اس ڈرامے کی پروڈیوسر اور ڈائریکٹر نہیں ہیں۔“

”لیکن انہیں یہ سب کر کے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔“ وہ اس پہیلی کو سمجھ نہیں پائی تھی۔

”یہی تو معلوم کرنا ہے اب چلیں کافی دیر ہو گئی ہے۔“ ہارون نے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی اسے ہوسٹل کے سامنے ڈراپ کرتے ہوئے اس نے بس اتنا ہی کہا۔

”میں جلد ہی اس راز کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔“ صوفیہ دیر تک جاتی ہوئی گاڑی کو دیکھتی رہی، اگلے دن ہارون کا فون آیا کہ وہ جب تک ٹھیک نہیں ہولی آفس نہ آئے جنوری میں پولیو مہم آئی مگر اس میں صوفیہ اور عامر نہیں تھے صوفیہ نے تو بہت کہا تھا مگر ہارون نے اسے منع کر دیا جنوری کا پورا مہینہ بے چینی اور بے

کلی میں گزرا تھا وہ بھی خاموش ہو کر بیٹھا تھا کوئی فون نہیں کیا تھا کوئی بات آگے نہیں بڑھائی تھی۔

☆☆☆

آج چار پانچ روز بعد سورج نکلا تھا لوگ اس کی دید کو ترسے ہوئے تھے اس لئے گرم کمبلوں اور ہیٹر کو چھوڑ چھاڑ کر بڑے والہانہ انداز میں باہر نکلے تھے اور سورج کا دیدار کرتے ہی جسم میں طمانیت کا احساس اتر گیا تھا اور اس احساس کو مزید اپنے اندر اتارنے کے لئے وہ ہاسٹل کے بیچوں بیچ بنے لان میں کرسی ڈال کے دونوں پاؤں اوپر رکھ کر بیٹھ گئی تھی اگرچہ بادلوں کے سفید سفید ٹکڑے ابھی تک کہیں کہیں دکھائی دے رہے تھے لیکن اس وقت جگر جگر کرتے سورج کے قریب وہ پہنچنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے اسی لئے وہ بھی جم کر بیٹھ گئی تھی چونکہ یہ ورکنگ ویمن ہاسٹل تھا اسی لئے تمام خواتین یا لڑکیاں اپنے اپنے کاموں کے لئے نکل چکیں تھیں اس سردی میں صرف وہی فری تھی وہ بھی زخمی بازو کی وجہ سے جبکہ بہت پیارا بہت عزیز بچھڑ جاتا ہے تو انسان اس کے بغیر بہت سے جینے کے جواز جینے کے بہانے ڈھونڈنے لگتا ہے وہ بھی جینے کے جواز ڈھونڈتی ڈھونڈتی کہاں تک پہنچی تھی، وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ چوکیدار نے ہارون کے آنے کی خبر دی تھی۔

''ہارون!'' اچانک اس کے لبوں سے نکلا تھا کیونکہ یہ نام اس کی زندگی کی واحد امید تھی اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا کیونکہ آئینے سے گرد صاف ہو رہی تھی، ہاسٹل کے اندر کسی مرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی اسی لئے وہ میڈم شاہین سے پوچھ کر گیٹ پر اس سے ملنے آئی تھی سلام دعا کے بعد ہارون بنا تمہید کے بولا تھا۔

''صوفیہ اگر اب تم ٹھیک ہو چکی ہو تو کل سے آفس آ جاؤ ویسے ایک ہفتہ کافی ہوتا ہے بیڈ ریسٹ کے لئے۔''

''اوکے سر!'' وہ خالص آفیشل طریقے سے بولی تھی لیکن اسے دیکھ کر آنکھوں میں عجب خمار ہلکورے لینے لگا تھا وہ جی بھر کے دیکھ بھی نہ پائی تھی اور وہ گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا تھا۔

پتہ نہیں کیوں وہ آفس میں ابھی تک اس سے اجنبی بن کر ملتا تھا اگلے دن لنچ کے بعد عثمان صاحب نے اسے بلا بھیجا تھا۔

''نئی رپورٹ لے آئیے گا ابھی پندرہ منٹ میں صاحب کے ساتھ میٹنگ ہے۔''

صوفیہ نے رات گئے تک رپورٹ تیار کی تھی اس لئے فوراً فائل اٹھا لائی اس مرتبہ میٹنگ میں ہارون نے ان دونوں کے سوا کسی کو بھی نہیں بلایا تھا فائل کو الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد عثمان نے ہارون کو تھما دی تھی۔

''عثمان صاحب میرے خیال میں آپ کو نواب شاہ ہو ہی آنا چاہیے ایک بار دیکھ تو آئیے ان کا کام کیسا ہے اور حیدر آباد والے کیس کا کیا بنا آپ نے ان کے ساتھ کہاں تک بات چیت کر لی ہے اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں اس کیس کی فائل دیکھنا چاہتا ہوں گا آپ بھجوا دیں۔''

''جی اچھا ابھی لاتا ہوں۔'' کہہ کر عثمان صاحب چیمبر سے باہر چلے گئے صوفیہ اب اسی انتظار میں کھڑی تھی کہ وہ فائل دے تو وہ بھی جائے۔

''صوفیہ کل شام سات بجے میرا انتظار کرنا میں تمہیں ہاسٹل لینے آؤں گا تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہے۔''

''کس سلسلے میں؟''

''اپنے سلسلے میں۔'' وہ بھی اسی انداز میں بولا۔

اسی وقت کمرے کا دروازہ کھول کر عثمان صاحب اندر آئے۔

''یہ لیجئے سر!''

''سر میری فائل۔'' فائل پکڑتے ہوئے ہارون کی انگلیاں اس کی انگلیوں سے چھو گئیں تو صوفیہ نے نگاہیں اٹھا کر ہارون کی طرف دیکھا لیکن وہ عثمان صاحب کی فائل کے صفحے پلٹ رہے تھے، ہاں ہونٹوں پر خوبصورت سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن شام کو وہ اس کے ساتھ تھی اور وہ اسے لئے ایک پارک میں چلا آیا۔

''بات یہ ہے کہ میں تم سے جو بات کرنا چاہتا ہوں وہ کسی پرہجوم ماحول میں نہیں بلکہ اس کے لئے تنہائی کی ضرورت ہے۔'' بات کرتے کرتے اس نے موبائل پر کوئی نمبر ملایا اور اپنی امی سے بات کرنے لگا۔

''امی جان اس وقت صوفیہ میرے ساتھ ہے آپ ساری بات اسے بتا دیں۔'' اور سیل کا سپیکر آن کر دیا، سلام دعا کے بعد وہ بولیں۔

''صوفیہ بیٹی مجھے جب مسعود نے مجھے بتایا تو میں حیرت زدہ رہ گئی کہ تمہارے بارے میں اڑائی جانے والی باتیں ایک دم بے بنیاد تھیں ہارون کی باتیں سن کر مجھے کلثوم پر ہی شک ہوا تھا کیونکہ اس کے ٹریننگ پر جانے سے پہلے ہی وہ میرے پیچھے پڑی ہوئی تھی کہ اس کا رشتہ کلثوم کی دوست کی بیٹی ارم سے کر دو لیکن میں نے ساری بات اپنے بیٹے پر چھوڑی ہوئی تھی اس لئے جب اس نے تم سے شادی کی خواہش ظاہر کی تو میں فوراً رضامند ہو گئی تھی میں نے کلثوم سے ہی ہارون اور تمہاری شادی کی بات چلانے کو کہا تھا اگر وہ

میری بہن تھی مگر تو دوسری طرف تمہاری بھی تو چچی تھی جب میں نے کلثوم سے کہا کہ تم دونوں کو پتہ چل گیا ہے اور وہ بھی اصل بات بتا دے تو اس نے ساری بات بتا دی کہ اس کی سہیلی کے کہنے پر ہی اس نے یہ چال چلی تھی مجھے بہت دکھ ہے صوفیہ کہ اس نے میری بہن ہو کر میرے بچے کی خوشی چھین لیا، بیٹا تم بھی اپنے دل سے ہر میل دھو دو۔"

"آنٹی میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کلثوم چچی اپنے قریبی رشتوں کے ساتھ ایسا کھلواڑ کر سکتی ہے بہر حال آپ فکر نہ کریں میں ٹھیک ہوں، او کے اللہ حافظ۔" پھر صوفیہ نے سیل بند کر کے ہارون کو دے یا اس کی آنکھ سے ایک آنسو گرا جیسے ہارون نے اپنے ہاتھ کی پوروں سے چھن لیا تھا۔

"اب چلیں کافی سردی ہو چکی ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تو صوفیہ نے بھی تقلید کی وہ تو خاموش تھی کہ اس ظالم ہجر میں بیتے مہ و سال کا حساب کس سے مانگے وہ گاڑی میں بیٹھے ہارون نے ہیٹر آن کر دیا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اس کی سوچ میں گم دیکھ کر وہ بولا۔

"یہی کہ مجھ سے مایوس ہو جانے کے بعد آپ نے شادی کیوں نہیں کی۔" ہارون کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اپنی پہلی محبت میں دھوکا کھانے کے بعد میرا دل عورت کی طرف سے پھر گیا مجھے دنیا کی ہر عورت دھوکہ باز نظر آئی مجھے شادی کے نام سے ہی چڑ ہو گئی امی ابو سے میں نے صاف کہہ دیا کہ شادی کرنے کا میرا فی الحال کوئی ارادہ نہیں لہٰذا میرے لئے رشتے نہ ڈھونڈیں تو اب کیا ارادے ہیں آپ کے۔" صوفیہ مسکرائی۔

"اب تو سوچتا ہوں شادی کر لوں بہت دن اکیلے رہ لئے۔" وہ ہنس کر بولا، وہ گلگوں ہو گئی۔

"میرے خیال میں آپ مجھے ہوسٹل چھوڑ آیئے۔" وہ جلدی سے بول پڑی۔

"جی نہیں ابھی آپ کو میرے ساتھ میرے گھر چلنا پڑے گا۔" وہ اسٹیرنگ پر نظریں جمائے بولا۔

"وہ کیوں؟" وہ بلا تامل بولی۔

"چلیے تو سہی کچھ خاص نہیں بس تمہاری موجودگی وہاں اچھی لگتی ہے جلد ہی ہاسٹل چھوڑ آؤں گا۔" وہ وضاحت سے بولا۔

وہ گھر پہنچ چکے تھے کھانا لگ چکا تھا اتنی ساری ڈشیں دیکھ کر وہ حیران تھی اور کھانے کے درمیان تازہ سفید گلابوں سے سجا گلدان اور درمیان میں ایک لال گلاب بہت اچھا منظر پیش کر رہے تھے وہ ڈائننگ ٹیبل کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ چکی تھی اور وہ بھی ہاتھ منہ دھو کر چلا آیا اور اس کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گیا اور اس کی طرف متوجہ ہوا وہ اس کے ایسے انداز سے چونک گئی۔

"تم ناراض تو نہیں ہو۔" وہ لہجے میں ہزاروں محبتیں سمو کر بولا۔

"نہیں۔" وہ بھی آہستگی سے بولی۔

"شاید ہمارے مقدر میں ہجر کی آبلہ پائی لکھ دی گئی ہے ورنہ قصور تو کسی کا نہ تھا یا پھر خدا کو ہمارے محبت میں آزمائش مقصود تھی مگر شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ ہم اپنی محبت میں ثابت قدم رہے ہمارے جذبے کھرے تھے۔" وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ بڑی آہستگی سے ادا کر رہا تھا۔

"لیکن مجھے آج کی شام کی سمجھ نہیں آ رہی تھی یہاں پر آنا کچھ ضروری بھی نہ تھا۔" وہ الجھ کر بولی۔

"سارے موڈ کا ستیاناس کر دیا پاگل آج چودہ فروری ہے ویلنٹائن ڈے آج لوگ اپنے محبت کرنے والوں کی ناراضگیوں کو دور کرتے ہیں تمہیں سفید گلاب دیکھ کر بھی سمجھ نہیں آئی۔"

"لیکن یہ درمیان میں سرخ گلاب۔" وہ پھر نا سمجھی سے بولی۔

"صوبیہ کیا تم واقعی ہی نہیں سمجھتی ہو یا جان بوجھ کر معصوم بن رہی ہو۔" وہ سر پیٹ کر رہ گیا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ہارون آپ کو میرا ساتھ دینا ہو گا زندگی کے ہر موڑ پر ہر لمحے۔" وہ سنجیدہ ہوئی۔

"کیا مطلب ہے۔" وہ نا سمجھتے ہوئے بولا۔

"ہارون مجھے اور عامر کو جو ایک لاکھ ملے تھے وہ میرے پاس ہیں میں اسی علاقے میں علم کی شمع روشن کرنا چاہتی ہوں کیونکہ ہمارے ملک کی بدحالی کا سب سے بڑا مسئلہ تعلیم ہے۔"

"لیکن سکول تو وہاں ہیں۔"

"ہاں میں ان بچوں کے لئے اور ان لڑکیوں اور عورتوں کے لئے وہ شمع روشن کرنا چاہتی ہوں جن کے پاس وقت نہیں ہوتا سکول جانے کا یا وہ بچے جنہیں چند روپوں کی خاطر والدین کے لئے کمانا پڑتا ہے کام کرنا پڑتا ہے وہ ان پڑھ عورتیں یا کم پڑھی لکھی جنہیں اپنے بچوں کی صحیح پرورش کرنے کا ادراک نہیں ان کی صحت تعلیم ان کی زندگی کسی طرز پر گزرنی چاہیے ہمارے ملک کا مسئلہ غربت نہیں علم ہے جب ہمیں اپنا حق استعمال کرنے کا علم نہیں تو کوئی ہمارے لئے کیا کرے آپ کو شاید یہ سب بہت نا ممکن لگے اور مختلف بھی لیکن میں مجھے پتہ میں کر لوں گی ہمارے یہاں بھی تعلیم کے مفت ادارے، صحت کے ادارے ہیں جو گورنمنٹ غریبوں کے لئے چلاتی ہے اتنا پیسہ خرچ کرتی ہے مگر وہ اپنے حق کو حاصل کرنے کے بارے میں ہی نہیں جانتے میں انہیں ہر طرح کی معلومات دینا چاہتی ہوں آپ پلیز میرا ساتھ دیں میں پاکستان کے ہر گھر میں علم کی شمع روشن دیکھنا چاہتی ہوں مجھے بہت سے لوگوں کے ساتھ کی ضرورت ہے مگر آپ کی بہت زیادہ۔" وہ اس کی اہمیت جتاتے ہوئے اپنی سوچ واضح کر رہی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں ہمیشہ کے لئے ہر قدم ہر جگہ تم میری سوچ کا عکس ہو صوفیہ تم ہر قدم پر مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی۔" میز پر رکھے صوفیہ کے ہاتھوں پر ہارون نے اپنے ہاتھ رکھ دیے تھے اور آنکھوں میں نئے خوابوں کے دیئے روشن ہو گئے تھے۔

"کیا فروری کے پولیو ڈے میں حصہ لے سکتی ہوں۔" صوفیہ کے اچانک بولنے پر وہ چونکا تھا۔

"جی مادام! میرے آفس کے علاوہ آپ ہر جگہ کام کر سکتی ہیں۔" وہ سر کو خم دے کر بولا تو وہ مسکرا دی۔

میں اکیلا ہی چلا تھا منزل کی جانب مگر
لوگ ساتھ چلتے گئے کارواں بنتا گیا

☆☆☆

صبا جاوید
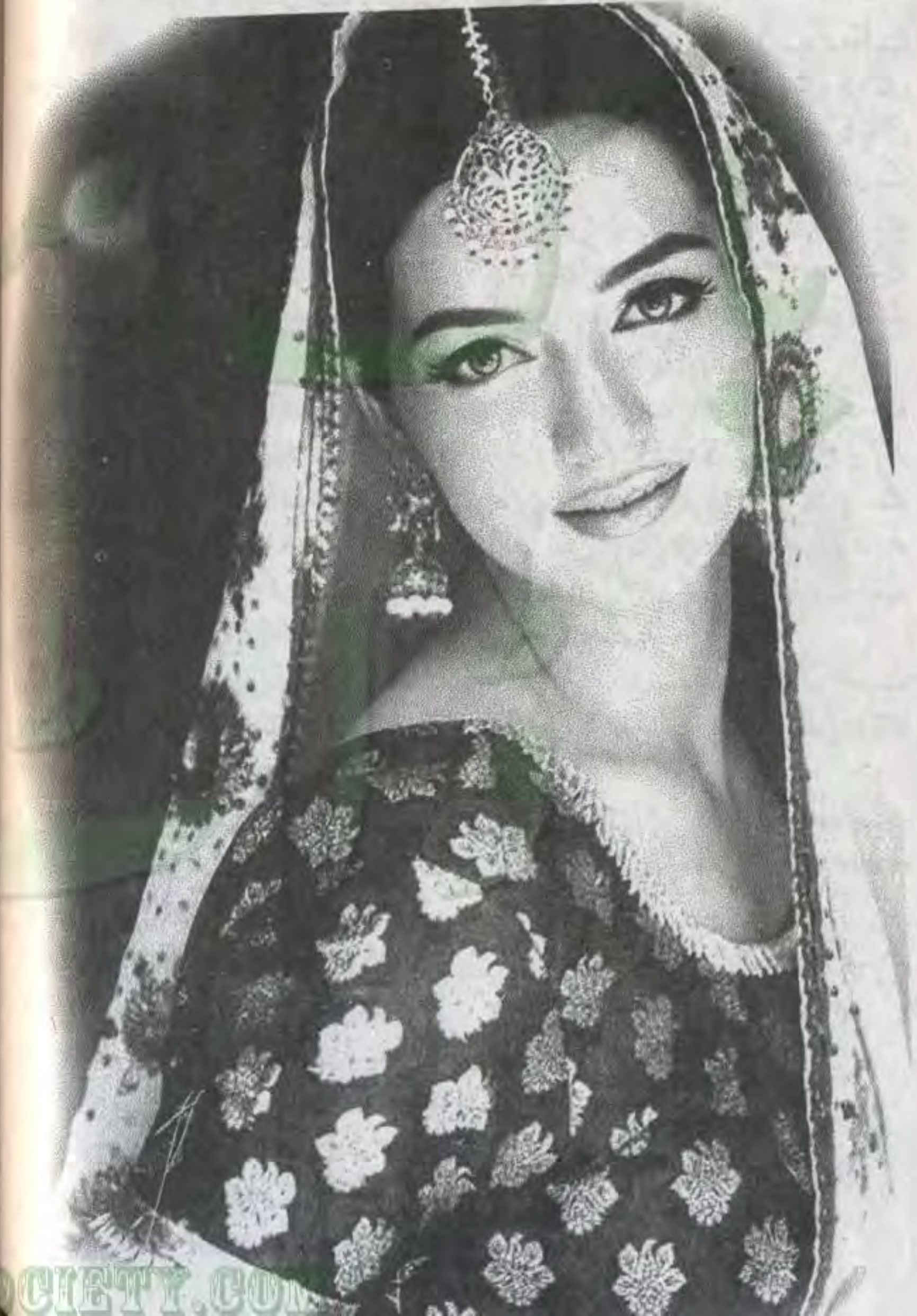
''ابھی تو گھر میں گیسٹ آنے والے ہیں آئی تھنک تمام ارینج منٹس آپ کو اور زرین کو ہی دیکھنے ہیں ابھی تو جا کر فریش ہو جائیں یہ شوق پھر کس دن کے لئے اٹھا رکھیں۔'' اسے مزید خجالت سے بچانے کے لئے اس نے علیشہ رضوی کو سرسری انداز میں کہا، مگر اس کے دل نے شدت سے خواہش کی تھی وہ منظر سے غائب ہو جائے، علیشہ رضوی کے دماغ میں ایکدم سے اسپارک ہوا تھا۔

''سر آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''آفس...... کیوں خیریت؟'' اس کے اچانک پوچھنے پر وہ حیران تھا۔

''میں دو منٹ میں چینج کر کے آتی ہوں کہیں جائیے گا مت پلیز۔'' اسے دوسری بات کا موقع دیئے بغیر وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اندر گئی اور چند منٹوں کے انتظار کے بعد میرون اور آف وائٹ کنٹراسٹ کے خوبصورت لباس میں وہ بالکل بدلی ہوئی حالت میں اس کے سامنے تھی۔

''چلیں۔'' وہ کافی پرجوش تھی۔

''آپ نے چاچو سے پوچھا؟''

''آپ کو کیا لگتا ہے میں ان کی اجازت کے بغیر آپ کے ساتھ شہر کی سڑکیں ناپتی پھروں گی۔'' صائم مرتضٰی نے اس کی کڑوی بات کو بہت مشکل سے نگلا تھا۔

''گھر میں گیسٹ آ رہے ہیں آپ کو پتہ ہے نا، اس وقت آپ کی موجودگی وہاں بہت اہمیت کی حامل ہے۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

''آپ کو پرابلم ہے مجھے ساتھ لے جانے میں تو میں خود اپنی گاڑی میں چلی جاتی ہوں۔'' اس نے الٹا ہی جواب دیا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے، میں آپ کو لے جا رہا ہوں اپنے ساتھ۔'' اس نے گاڑی ریورس کرتے

مکمل ناول

ہوئے سنجیدگی سے کہا، مگر علیشہ رضوی کو اپنی رویے کی تلخی کا رتی بھر بھی اندازہ نہ تھا، تب ہی وہ اس کی سنجیدگی کو بھانپ نہیں پائی۔

''خود کو اپنے آپ سے مت چھپائیں، ہر ایک کا کھلے دل سے سامنا کریں اپنے دل کو مضبوط رکھیں۔'' وہ وجہ نہیں جانتا تھا مگر اس کی باتوں کی وضاحت ضرور کر رہا تھا۔

''ایکچوئیلی میں ایم بی بی ایس نہیں کرنا چاہتی میں بی کام کرنا چاہتی ہوں، تاکہ پاپا کے بزنس کو اسٹینڈ دے سکوں، بی کاز ہم تینوں بہنوں میں سے کوئی بھی اس فیلڈ میں نہیں ہے اور میں نے ابھی پاپا سے بھی یہ بات کرنی ہے۔'' اس نے سنبھل کر موضوع بدلا۔

''آئی تھینک آپ میڈیکل کر سکتی ہیں۔'' اس کی دلی خواہش تھی اسے ڈاکٹر بنتے دیکھنا۔

''لیکن میرا انٹرسٹ نہیں ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''اوکے وش یو گڈ لک۔''

''تھینکس۔'' وہ اکھڑے اکھڑے لہجے میں ہی بولی تھی، اس کے ضدی پن پر صائم مرتضٰی لب بھینچ گیا اور گاڑی فل اسپیڈ پر چھوڑ دی، اسے فناس ڈیپارٹمنٹ میں سیکرٹری کے حوالے کر کے اپنے کام تیزی سے نپٹانے لگا تھا۔

مگر تین بجے کے قریب جب وہ واپس آیا تو اسے پتہ چلا کہ علیشہ وہاں سے نیو سائٹ دیکھنے چلی گئی ہے۔

''مگر کس کے ساتھ۔'' صائم مرتضٰی نے سوچا وہ تو آج پہلی بار آفس آئی تھی، اس نے پریشانی و تشویش میں اس کا سیل نمبر ٹرائی کیا مسلسل بیل جا رہی تھی مگر وہ کال ریسو نہیں کر رہی تھی، صائم مرتضٰی بے طرح بے چین ہوا اٹھا تھا۔

آدھا گھنٹہ اسے ڈھونڈنے کے بعد جب وہ ورکنگ ڈیپارٹمنٹ میں پہنچا تو پتہ چلا کہ آج لیبر کی سٹرائیک ہے اور ان کے درمیان ہی وہ گھبرائی گھبرائی سی کھڑی تھی، وہ تقریباً بھاگتا ہوا اس تک پہنچا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اسے وہاں دیکھ کر اسے یقیناً غصہ آیا تھا۔

''چلو یہاں سے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھیڑ سے نکال لایا۔

''تم وہاں کیسے پہنچی، لیبر کی سٹرائیک کتنی خطرناک ہو جاتی ہے بعض اوقات کچھ اندازہ ہے تمہیں اس بات کا، وہ تمہیں روند کر رکھ سکتے ہیں اپنے مطالبات منوانے کے لئے تمہیں حالات کی سنگینی کا احساس بھی ہے یا نہیں۔'' وہ مسلسل رو رہی تھی اور وہ بھی اس پر برس رہا تھا۔

''اب روتی ہی جاؤ گی یا بتاؤ گی بھی کچھ، اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو کیا جواب دیتا میں چاچو کو بولو۔'' اس کے آنسو اسے الٹا تپا رہے تھے۔

''ایک تو مجھے اکیلا چھوڑ کر خود خبر تک نہیں لی اور اب بھی مجھ پر ہی غصہ کر رہے ہیں۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان بہت معصومیت سے بولی تھی، صائم مرتضٰی نے ایک لمحے میں اپنے اشتعال کا گلا دبایا تھا، اس نے کہاں کبھی ایسی صورتحال کا سامنا کیا ہوگا، وہ اندازہ کر سکتا تھا۔

تب ہی مزید ڈانٹنے کا ارادہ موقوف کرتے ہوئے اس نے پانی کا گلاس اور ٹشو کا ڈبہ اسے تھمایا۔

''مجھے نہیں چاہیے۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔

''پانی پیو اور آنسو خشک کرو ورنہ یہ کام میں خود بھی کر سکتا ہوں۔'' اس نے دھمکی دی جو کارگر ثابت ہوئی اور وہ فوراً پانی کا گلاس اٹھا کر پینے

یعنی اس کے حکم کی تعمیل ہو چکی تھی۔

''اب بتاؤ، جب میں تمہیں مسز عزیز کے پاس چھوڑ کر گیا تھا تو تم لیبر کی سٹرائیک میں کیسے پہنچی۔'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا اس نے ڈرتے ڈرتے سرخ ہوتی ناک رگڑی اور گلابی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''وہ...... مسز عزیز نے کہا کہ آج لیبر کی سیلری کا ڈے ہے تو ان کی ڈیمانڈ ہے بونس کے لئے، اس وجہ سے وہ سٹرائیک پر ہیں اگر میں پاپا کی بی ہاف پر ان سے بات کر لوں گی تو وہ واپس کام پر جا سکتے ہیں۔'' اس نے نظریں جھکائے جواب دیا۔

''تمہارے پاس پاور آف اٹارنی ہے اتنا بڑا فیصلہ لینے کی، معلوم ہے کتنا پریشان ہو گیا تھا میں اور سیل کہاں ہے تمہارا۔'' اچانک خیال آنے پر اس نے پوچھا تھا۔

''سیل اور پرس دونوں آپ کی گاڑی میں ہیں۔'' اس نے خفگی سے جواب دیا۔

''میں آج چاچو کو اگر تمام صورتحال کے بارے میں بتا دوں تو وہ تمہیں کبھی آفس دوبارہ نہیں بھیجیں گے۔'' وہ گلاس ٹیبل پر اس کے سامنے بیٹھ گیا، ان کے انداز گفتگو سے لگ رہا تھا جیسے چھ سال کا طویل عرصہ دونوں کے مابین کبھی آیا ہی نہ ہو۔

''پلیز سر پاپا کو کچھ مت بتائیے گا، وہ خوامخواہ پریشان ہو جائیں گے۔'' اس نے التجاء کی۔

''اور نہ بتانا ٹھیک ہوگا، چھپانا بھی تو غلط ہے۔'' یعنی کچھ حد تک وہ اس کی بات مان گیا تھا۔

''آئی نو یہ غلط ہے لیکن پلیز۔'' آگے کہنے کو شاید کچھ تھا ہی نہیں۔

''او کے، نہیں بتاتا اب ریلیکس ہو جاؤ، ہمیں گھر کے لئے نکلنا ہے، چاچو کئی بار کال کر چکے ہیں، تم سے بھی بات کرنا چاہ رہے تھے مگر نہ تو آپ جناب کال ریسو کر رہی تھیں نہ میرے ساتھ تھیں، اس سے انہیں اور تشویش ہو رہی تھی۔'' صائم مرتضٰی نے تفصیلاً بتایا، مگر وہ تو شاید اس کی بات سن ہی نہیں رہی تھی۔

''اف گھر جانا ہی پڑیگا، اس سنگدل کا سامنا کرنا ہی پڑے گا ایک اور محاذ ایک اور جنگ۔'' اس نے تھک کر سر چیئر کی پشت پر ٹکا دیا۔

''ابھی تو شروعات ہے علیشہ بی بی، تمہیں تو ساری زندگی اس کڑواہٹ کو گھونٹ گھونٹ پینا ہے ابھی سے کیوں تھک گئی ہو۔'' اس نے خود کو بے رحمی کی حد تک اذیت میں مبتلا کیا تھا، صائم مرتضٰی نے اس کے چہرے پر پھیلتی زردی کو بغور دیکھا تھا مگر خاموش رہا تھا۔

''چلیں سر گھر چلتے ہیں۔'' وہ بہت ہمت مجتمع کر کے کھڑی ہوئی اور صائم مرتضٰی کی نظروں سے خود کو چھپاتی آفس سے باہر نکل گئی، مگر صائم مرتضٰی تو اس کے لفظوں کے گرداب میں پھنسا تھا۔

اس کے جملے میں اتنا استحقاق کیوں سمٹ آیا تھا، چند قدم چلنے کے بعد وہ رک گئی تھی، اس نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا تھا وہ لابی میں پہنچ چکی تھی مگر وہ ابھی تک آفس میں تھا۔

وہ شاید کچھ دیر قبل نہیں آنے والے واقعہ سے خوفزدہ تھی تب ہی بلڈنگ سے نکل جانے کے بجائے وہیں رک کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

''یہاں کیوں رک گئی؟''

''آپ کا ویٹ کر رہی تھی۔'' وہ مسکرانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، صائم مرتضٰی کو لگا اسے سہارے کی ضرورت ہے، اگر اس نے اسے سہارا نہیں دیا تو وہ ٹوٹ کر بکھر جائے گی۔

''چلو ہمیں لیٹ ہو رہا ہے۔'' صائم مرتضٰی نے بہت مدھم سروں میں کہا اور بہت احترام سے اس کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھا دیا، اس کا مخروطی ہاتھ جون جیسے گرم ترین مہینے میں بھی یخ بستہ ہو رہا تھا، صائم مرتضٰی کے گرم ہاتھ کی حرارت سے جیسے زندگی کا احساس دوڑ گیا، مگر وہ لاشعوری طور پر بھی مذاحمت نہ کر پائی اور پھر اسے گاڑی میں بیٹھا کر اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا، مگر وہ تو برف کے مجسمے کی طرح جامد اور ٹھنڈی پڑ رہی تھی، اس کی توجہ تو خود پر بھی نہیں تھی تو صائم مرتضٰی پر کیا دیتی۔

صائم مرتضٰی کی شخصیت تو ہزار پردوں میں چھپی تھی یقیناً اس لڑکی کا صائم مرتضٰی کے دل میں ایک خاص مقام تھا جو وہ اپنا گرم لمس اس کی ہتھیلی پر چھوڑنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

باقی کا تمام راستہ خاموشی سے بیت گیا، مگر وہ بجھی بجھی سی لڑکی آج اس کے دل میں اتر گئی تھی۔

☆☆☆

''آفس جا کر کیسا لگا آپ کو، اور دن کیسا رہا میری بیٹی کا۔'' اگلی صبح ناشتے کی میز پر سارا رضوی اور ذیشان رضوی دونوں ہی موجود تھے، گزشتہ شب نمل کی واپسی قدرے رات گئے ہوئی تھی، گھر پہنچنے تک وہ کافی حد تک خود کو مستحکم کر چکی تھی اور نمل کو دیکھ کر تو وہ سب کچھ فراموش کر گئی صد شکر کہ حاذم صدیقی ان کے ساتھ نہیں آیا تھا اور خلاف توقع زرین رضوی بھی زیادہ دیر مہمانوں کے پاس بیٹھی رہی تھی، بہر حال اسے نمل کے آنے کی اتنی خوشی تھی کہ اس نے ہر شے کو پس پشت ڈال دیا، ایک بھرپور شام گزار کر وہ لوٹ گئے اور علیشہ رضوی بھی ذہنی اور جسمانی طور پر اس قابل نہ تھی کہ مزید کچھ سوچ پاتی لہٰذا وہ لمبی تان کر سو گئی۔

صبح جب تک وہ بیدار ہوئی زرین کالج کے لئے نکل چکی تھی جبکہ سارا اور ذیشان رضوی ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے۔

''بہت اچھا پاپا، بزنس تو بہت انٹرسٹنگ جاب ہے۔''

''ویری گڈ، آپ واقعی میڈیکل میں نہیں جانا چاہتیں۔''

''جی پاپا، میں بی کام کروں گی اینڈ ایم بی اے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا، سارا رضوی نے فلاسک سے چائے نکال کر اس کے سامنے رکھی۔

''او کے ٹھیک ہے آپ کو پتہ ہے کل نمل کی پوری فیملی کیوں آئی تھی۔'' سارا رضوی نے کہا۔

''نو مما، آئی تھنک ہم سے ملنے ہی آئے ہوں گے کیا کوئی پریشانی والی بات ہے۔'' وہ متفکر ہو گئی۔

''نہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہے بٹ نمل کے بعد وہ ایک اور بیٹی ہمارے گھر سے بیاہ کر لے جانا چاہتے ہیں۔'' ان کے ڈھکے چھپے الفاظ میں سنایا گیا عندیہ اس کے حلق میں چھید کرنے لگا تھا، آنسوؤں کا پھندہ حلق میں اٹک گیا تھا۔

''تو...... آپ یہ مجھے کیوں بتا رہی ہیں۔'' اس نے ایک نظر خاموش بیٹھے ذیشان رضوی پر ڈالی اور پھر سارا سے کہا۔

''انہوں نے واضح طور پر کسی کا نام تو نہیں لیا، لیکن حاذم زرین سے دو تین سال چھوٹا ہی ہو گا، ان کا جوڑ تو بنتا نہیں کیونکہ یہ چیز کل کو مسئلہ پیدا کر سکتی ہے، صدیقی فیملی ہماری دیکھی بھالی ہے اگر ایک بیٹی خوش ہے تو دوسری بھی خوش ہی رہے گی تو میں نے اور تمہارے پاپا نے سوچا ہے ہم آپ کے لئے حاذم کا رشتہ قبول کر لیتے ہیں۔'' انہوں نے اصل مدعا بیان کیا تو اس کے قدموں تلے گویا زمین سرک گئی، وقت اور فیصلہ دونوں اس کے ہاتھ میں تھے وہ ایک لمحے میں بازی پلٹ سکتی تھی مگر وہ علیشہ رضوی تھی، زرین رضوی نہیں جو اپنے مفاد کو اہمیت دیتی، وہ کسی ایسے شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تھی جس کی دھڑکن میں کسی اور کے نام کے سازندے ساز بجاتے ہوں۔

''نو مما، میرا ابھی ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' اس نے تحمل سے انکار کیا۔

''شادی کے لئے کون کہہ رہا ہے صرف انگیج منٹ کر دیتے ہیں شادی تمہاری اسٹڈیز کمپلیٹ ہونے پر کر دیں گے۔'' سارا رضوی گویا تیار تھیں۔

''فرسٹ آف آل میں ابھی ایسا کوئی رشتہ ہینڈل نہیں کر سکتی سیکنڈ اگر آپ مجھے فورس کریں گے بھی تو میں حاذم صدیقی سے ایسا کوئی تعلق استوار نہیں کرنا چاہتی، آئی مین ان کے بارے میں، میں نے کبھی اس انداز سے نہیں سوچا، رہی بات زرین آپی اور حاذم کے ایج گیپ کی تو آج کل کے دور میں یہ سب اتنا میٹر نہیں کرتا مما، آپ ایک بار آپی سے ان کی مرضی پوچھ لیں، وہ مجھ سے بڑی ہیں، آئی تھنک پہلا حق ان کا ہے۔'' پتہ نہیں وہ اپنا دفاع کر رہی تھی یا زرین کا، اسے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''نہ آپ پر اس بات کا کوئی دباؤ ہے نہ زرین پہ، اگر آپ دونوں بھی انکار کر دیتی ہیں تو بھی ہمیں کوئی اعتراض نہیں اور ہمیں پتہ ہے آپ ابھی بہت چھوٹی ہیں بس یہ تمہاری مما کی خواہش تھی۔'' اب کی بار ذیشان رضوی نے جواب دیا۔

''او کے پھر میں آفس کے لئے نکلتا ہوں، آپ زرین سے بات کر لیجئے گا تا کہ جلد ہی

انہیں مثبت یا منفی جواب دیا جا سکے کیونکہ نمل کی بھی یہی خواہش ہے۔“

”میں اور علیشہ، زرین سے بات کر لیں گے، آپ بے فکر رہیے۔“ سارا رضوی نے انہیں تسلی دی تو وہ مسکراتے ہوئے نکل گئے، علیشہ رضوی کے چہرے پر پژمردگی چھا رہی تھی، اس کی خوشیوں کی روشنیاں وہ اپنے غم کے آنسوؤں سے اندھیرہ نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر اس کا دل مجبور تھا تو وہ خود بے بس، پھر اس کے دل نے زرین رضوی اور حاذم کے ساتھ کے دائمی ہونے کی دعا مانگی تھی۔

☆☆☆

زرین رضوی محبت کی راہ میں بہت آگے نکل چکی تھی لہٰذا سارا رضوی کے پوچھنے پر اس نے خاموشی سے سر تسلیم خم کر دیا تھا اور اپنی بیٹی کی خوشی کو بھانپتے ہوئے سارا اور ذیشان رضوی نے مزید کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

علیشہ رضوی کا ہر پل کانٹوں پہ گزر رہا تھا، زرین رضوی کی رنگت میں گھلتی سرخیاں اس کو کچھ کھو دینے کا احساس دلاتی تھیں، درد کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا، قسمت اتنی بے رحم ہو چکی تھی کہ اسے اپنے ہاتھوں سے زرین رضوی کے لئے ہر تیاری کرنی تھی۔

☆☆☆

اس نے بی کام آنرز میں ایڈمیشن لے لیا تھا، اس کی روٹین پہلے سے کہیں زیادہ ٹف ہو گئی تھی، مگر پھر بھی زرین گاہے بگاہے اسے اپنے ساتھ گھسیٹتی رہتی تھی، گھر میں زرین رضوی کی شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں کہ صدیقی فیملی نے بہت جلد شادی پر زور دیا تھا لہٰذا ذیشان رضوی نے بالآخر تاریخ دے ہی دی، یوں زرین رضوی چند دنوں کی مہمان تھی رضوی پیلس میں۔

وہ شام کو تھک ہار کر زرین کے ساتھ شاپنگ سے لوٹی تھی جب لاؤنج میں سارا رضوی کسی سے بات کرتی پائی گئیں، زرین رضوی شاپنگ بیگز اٹھائے اپنے کمرے میں گھس گئی مگر علیشہ رضوی وہیں ٹانگیں پسار کر فلور کشن پر ٹک گئی۔

”ہاں لیکن اس بار بھابھی اور بھائی جان کو ضرور لانا صائم۔“ سارا رضوی حلاوت آمیز لہجے میں بول رہی تھیں، دوسری طرف یقیناً صائم مرتضٰی تھے، پھر چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انہوں نے کال بند کر دی۔

”کھانا لگواؤں تم لوگوں کے لئے۔“ اب وہ اس سے دریافت کر رہی تھیں۔

”نہیں مما، ابھی موڈ نہیں ہے، میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے جواب دیا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

”اوکے مجھے مسز آفریدی کے ساتھ ایک کام سے جانا ہے میں نکلتی ہوں۔“

”اوکے۔“ سارا رضوی جا چکی تھیں، اسے بہت اچانک صائم مرتضٰی کا خیال آیا تھا، کچھ دن قبل ہونے والی گفتگو اس کے ذہن میں کسی فلم کی طرح چلنے لگی تھی، آج اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ اس نے کتنا مس بی ہیو کیا تھا ان کے ساتھ۔

اتنے دنوں بعد اسے اپنے رویے کی سختی کا اندازہ ہو رہا تھا جب شاید وہ سب کچھ بھلا بھی چکا تھا، مگر نجانے کیوں وہ بے چین ہو چکی تھی اور پھر اس نے ڈائری سے صائم مرتضٰی کا نمبر نکالا اور اپنے سیل سے اسے کال کر دی، وہ ارادتاً ایسا نہیں کر رہی تھی یہ سب کچھ اضطراری طور پر ہو رہا تھا، دوسری طرف بیل جا رہی تھی، تیسری ہی بیل پر کال ریسیو ہو گئی۔

”ہیلو۔“ دوسری طرف سے اس کا مخصوص

سنجیدہ اور گمبھیر لہجہ سننے کو ملا، علیشہ رضوی نجانے کیوں کنفیوز ہونے لگی تھی۔

”ہیلو، ہوز دیئر۔“ اس نے بہت اکتا کر پوچھا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کال ڈس کنکٹ کرتا وہ جلدی سے بول اٹھی۔

”سر کال بند مت کیجئے گا۔“ اس نے جلدی سے کہا اور خود کو متعارف کروانے کے لئے اس کا سر کہنا ہی کافی تھا، وہ ایک سیکنڈ میں سمجھ چکا تھا کہ کال رضوی پیلس سے آئی تھی۔

”ایکسکیوز می جینٹل مین۔“ اس نے شائستگی سے وہاں موجود لوگوں سے معذرت کی تھی اور باہر نکل آیا تھا یقیناً وہ کسی اہم کام میں مصروف تھا۔

”سر آپ بزی تھے۔“ وہ کچھ نادم دکھائی دیتی تھی۔

”کہہ سکتے ہیں، لیکن اب نہیں ہوں۔“ اس نے صاف گوئی سے کہا۔

”آپ کر لیں کام، میں بعد میں کال کر لوں گی۔“

”آپ نے آج کال کیوں کی، خیریت تو ہے نا، سب ٹھیک تو ہے۔“ آج اس نے پہلی بار اسے کال کی تھی صائم مرتضٰی کا حیران ہونا فطری عمل تھا، وہ اس کے فارمل عذر کو سرے سے نظر انداز کر گیا۔

”جی سب خیریت ہے۔“ اس کے پوچھنے پر وہ سٹپٹا کر بولی اور دل ہی دل میں خود کو ڈپٹ رہی تھی۔

”مجھے لگا کچھ کام ہوگا۔“

”کیوں کام ہو تو ہی ہم آپ کو یاد کر سکتے ہیں۔“ ایک لمحے میں وہ تپ تھی اس کے کام، کام کی تکرار سے۔

”نہیں میں نے ایسا کب کہا۔“ وہ یقیناً دوسری طرف مسکرا رہا تھا۔

”لیکن آپ کے کہنے کا مطلب یہی تھا۔“ اس کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

”اب لڑتی ہی رہو گی یا کوئی بات بھی کرو گی۔“ اس نے شگفتگی سے کہا تو علیشہ رضوی کو اندازہ ہوا کہ اس نے اپنے گذشتہ رویے کی معافی مانگنے کے لئے فون کیا تھا اور انجانے میں وہ ایک بار پھر وہی عمل دہرا رہی تھی۔

”گھر میں سب کیسے ہیں چاچو، چچی جان، اور زرین۔“ اسے خاموش پا کر اس نے خود ہی بات کی۔

”سب ٹھیک ہیں، بائی داوے میں بھی اسی گھر میں رہتی ہوں، آپ کو میری خیریت بھی دریافت کرنی چاہیے۔“ وہ جل کر بولی۔

”آپ کیسی ہیں علیشہ۔“ اب کے وہ بہت سنجیدگی سے بولا تھا علیشہ نے سر ہی تو پیٹ لیا۔

”یہ بندہ تو بہت ٹیڑھی کھیر ہے کب کس موڈ میں ہوتا ہے پتہ ہی نہیں چلتا۔“ وہ سوچ کر رہ گئی۔

”میں ٹھیک ہوں الحمدللہ، آپ سنائیں آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟“

”جی اس ذات اقدس کا بہت کرم ہے۔“

”آفس جانا اسٹارٹ کیا ہے یا نہیں؟“ صائم مرتضٰی نے پوچھا۔

”زرین آپی کی شادی کے بعد ارادہ ہے۔“ علیشہ رضوی نے کہا وہ خود ہی موضوع کی طرف آ گیا۔

”ایک بات کیوں؟“

”جی میں سن رہا ہوں۔“

”میں نے آپ سے ایکسکیوز کرنے کے لئے فون کیا ہے۔“

”کس بات کے لئے۔“ وہ اچنبھے سے

بولا۔
''آپ کو یاد ہے ایک دن ہم اکٹھے آفس گئے تھے۔'' اس نے اسے یاد دلانا چاہا۔
''جی یاد ہے۔'' وہ مختصراً بولا۔
''تو اس دن، آئی مین اس دن میں نے جو بھی آپ کے ساتھ میں بی ہیو کیا اس کے لئے۔'' بے ربط سی معافی تھی۔
اس کی بات سن کر اس نے بے ساختہ ایک لمبا سانس خارج کیا تھا، وہ تو نجانے کیا سمجھے بیٹھا تھا۔
''آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا، شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔'' وہ واقعی نہیں چاہتا تھا کہ وہ نادم ہو۔
''بٹ آئی ایم......''
''کلوز دی ٹاپک، کوئی اور بات کریں ورنہ میں کال بند کر دوں گا۔'' اس نے ایک بار پھر دھمکی دی۔
''یہ آپ مجھ پر اتنا رعب کس لئے ڈالتے ہیں، اتنی دھمکیاں کیوں دیتے ہیں، ایکسکیوز کی تو کال بند کر دوں گا، پانی نہ پیا تو یہ کر دوں گا۔'' اس نے گزشتہ واقعے کا حوالہ دیا تو صائم مرتضیٰ کا بہت جاندار قہقہہ سنائی دیا۔
''دیٹس لائک مائی بے بی، آپ پر یہی اسٹائل سوٹ کرتا ہے، ویسے ایک راز کی بات بتاؤں۔'' وہ راز داری سے بولا۔
''کیا؟''
''رعب میں نہیں آپ اس وقت مجھ پر ڈال رہی ہیں۔'' اس نے حقیقت بتائی تو علیشہ رضوی کا منہ دوسری طرف واقعی کھلا کا کھلا رہ گیا۔
''اچھا بتائیں کس کے نمبر سے کال کر رہی ہیں۔''
''اپنے پرسنل سیل سے۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔
''اب اتنا غصہ کیوں آیا ہوا ہے۔'' وہ ایک لمحے میں اس کا موڈ بھانپ گیا۔
''اللہ کیا چیز ہیں آپ سر، ایک منٹ میں مجھے اندر سے باہر تک پڑھ لیتے ہیں، اتنی دور بیٹھ کر بھی میرے موڈ کا پتہ ہے آپ کو۔'' وہ واقعی حق دق رہ گئی۔
''آپ بزی ہیں اپنا کام کریں بائے۔'' پھر اس نے جلدی سے کہا اور کھٹ سے کال بند کر دی، صائم مرتضیٰ نے مسکراتے ہوئے اس کا نمبر فون بک میں ایڈ کر لیا، وہ جانتا تھا یہ غیر اخلاقی حرکت ہے اس نے علیشہ رضوی سے پوچھا نہیں تھا، لیکن کبھی کبھی دل میں رہنے والے لوگوں کو دل کے پاس رکھنا اچھا لگتا ہے اس نے سوچا اور سیل پاکٹ میں ڈال کر واپس کانفرنس روم میں چلا گیا۔

☆☆☆

وہ ٹیرس پر بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی جب گرے کرولا مین گیٹ سے اندر داخل ہوئی، ایک سرسری نگاہ ڈال کر وہ واپس اپنے کام میں مشغول ہو چکی تھی مگر چند لمحوں بعد جب اس کی نظر لان میں پڑی چیئرز میں سے ایک پر براجمان حازم صدیقی پر پڑی تو وہ نگاہ اٹھا کر جھکانا بھول گئی نمل رضوی کے ولیمے کی تقریب کے بعد وہ آج اسے دیکھ رہی تھی، بغیر کسی احساس کے۔
نہ دل میں ہلچل بیدار ہوئی نہ دھڑکن نے رفتار پکڑی، نہ پلکوں میں لرزش تھی، نہ رخساروں پر لالی، ہاں ایک درد تھا رگوں کو چیرتا جان لیوا احساسات کو منجمند کرتا۔
نجانے وہ کتنے لمحے اس شخص کے مسکراتے خدوخال میں کھوئی رہتی مگر ملازم کی آواز نے اسے ہوش کی دنیا میں لائی، وہ سارا رضوی کا پیغام

لائی تھی۔
''میم...... سارا میم آپ کو نیچے بلا رہی ہیں۔'' وہ مؤدب سی اس کے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔

☆☆☆

''ہوں، ہاں آپ چلیں میں آتی ہوں۔'' اس نے چونک کر جواب دیا۔
''مما کچھ ہی دنوں میں تو شادی ہونے والی زرین آپی کی تو پھر ان کا اس طرح آنا، آئی مین یہ کیوں آئے ہوں۔'' وہ حیرت و استعجاب سے سارا رضوی سے دریافت کر رہی تھی جنہوں نے اس کو حازم کو کمپنی دینے کو کہا تھا۔
''ہاں مجھے معلوم ہے لیکن آپ کے پاپا نے حازم کو کسی کام سے بلایا ہے، بس وہ آتے ہی ہوں گے، تب تک آپ انہیں کمپنی دیں، میں کھانے پینے کے کچھ انتظامات دیکھ لوں۔'' انہوں نے اسے ہدایات جاری کی۔
''میں......؟''
''تو اور زرین سے کہوں کہ اپنے ہونے والے شوہر کے پاس بیٹھو۔'' انہوں نے طنز سے کہا تو ناچار اسے ان کی بات ماننی ہی پڑی۔
''السلام علیکم!'' اس نے پاس جا کر سلام کیا، مقصد اپنی موجودگی کا احساس دلانا تھا۔
''وعلیکم السلام!'' وہ اپنی نشست چھوڑ چکا تھا۔
''بیٹھیں نا۔'' اس نے نارمل انداز اپنایا۔
''کہاں گم رہتی ہیں جناب، کہیں دکھائی ہی نہیں دیتیں۔'' وہ نارمل انداز میں شکوہ کر رہا تھا، مگر نجانے کیوں وہ اس سے نگاہ نہیں ملا رہا تھا۔
''کہیں نہیں، بس زندگی نام ہی مصروفیت کا ہے۔'' وہ اس کی بے تکلف انداز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے رسمی انداز میں بولی۔
''گڈ فلاسفی، لیکن پھر بھی آپ کو ماننا پڑے گا ہم کافی عرصے بعد مل رہے ہیں۔''
''شکر کریں مل تو رہے ہیں ورنہ......''
''ورنہ آپ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔'' حازم صدیقی نے اس کی ادھوری بات مکمل کی۔
''آپ جو چاہیں سوچ سکتے ہیں۔'' اس نے نظر جھکا کر جواب دیا، وہ زیادہ دیر اپنے دل سے نظریں نہیں چرا سکتی تھی، اس کو حازم صدیقی کے سامنے بیٹھنا عذاب لگ رہا تھا، اس کا نجانے کیوں دم گھٹنے لگا تھا، وہ بے طرح گھبرا گئی تھی۔
اس نے پیچ اور وائٹ کمبی نیشن کا شلوار سوٹ زیب تن کیا تھا، میک اپ سے مبرا چہرے پر بجھی سنہری آنکھیں اور ان میں چھلکتی اداسی کی تصویر گویا قیامت ڈھا رہی تھیں حزن و ملال سے سجا دو آتشہ حسن بے بس ہی تو کر رہا تھا، حازم صدیقی نجانے کیوں ندامت کے گھیرے میں تھا، دل میں جیسے کوئی چور ہو۔
''آپ اتنی اداس کیوں ہو؟'' دل میں اٹھتے سوال کو اس نے آخر کار زبان دے ہی ڈالی۔
''میرا اتنا خیال مت کرو حازم، مجھے اب اس احساس سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔'' آنسوؤں کو پیتے ہوئے وہ محض سوچ کر رہ گئی۔
''آپ بہت چینج ہو گئی ہیں۔'' اگلا تبصرہ آیا۔
''وقت اور حالات جب بدلتے ہیں تو انسان کا بدلنا ضروری عمل ہے۔'' اس کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی، اس کے منجمند جذبات حازم صدیقی کے سامنے پگھلنے لگے تھے، اسے لگا وہ مزید کچھ لمحے اس کے سامنے رہی تو خود سے ہار جائے گی۔
''لیکن میں چاہتا ہوں آپ ہمیشہ ویسی ہی

رہیں جیسی آپ تھیں۔" وہ اس کی طرف جھک کر بولا، علیشہ رضوی کا جی چاہا کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں دور بھاگ جائے یہاں اسے کبھی حاذم صدیقی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

"ایکسکیوزمی، میں ابھی آتی ہوں۔" وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اندر کی طرف بڑھ گی۔

جو درد چھپاتے چھپاتے وہ ہلکان ہو رہی تھی اسے آنکھوں کے رستے بہنے دیا، نجانے کتنے پہر وہ بے آواز روتی رہی، اندر باہر اندھیرے کی سیاہی کی راجدھانی ہو چکی تھی، اس کی آنکھیں مسلسل رونے کے سبب متورم ہو چکی تھیں، وہ شاید مزید اس کارگزاری میں محو رہتی، مگر زرین رضوی کی طوفانی آمد نے اسے پلٹنے پر مجبور کر دیا۔

"اتنی فلمی سچوئیشن بنا کر کیوں نظر بند ہو گئی ہو؟" اشتعال سے زرین رضوی کی آنکھیں پھیل کر اور بڑی ہو گئی تھیں، چکراتے سر سمیت وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، چند لمحے دل و دماغ میں اندھیرے اور تاریکی کے علاوہ کچھ سمجھ نہ آیا، حتیٰ کہ زرین رضوی کا آنا اور لائٹ آن کرنا بھی متوجہ نہ کر سکا۔

"کیا ہوا؟" آنکھیں رگڑ کر وہ مختصراً بولی۔

"زیادہ بنو مت، یہ کیا ڈرامہ رچا رکھا ہے تم نے۔" وہ خوب تپی بیٹھی تھی۔

"اب کیا ہو گیا؟" وہ بیزاری سے اٹھ کر بال سمیٹنے لگی، وہ ابھی کسی بحث کے موڈ میں نہ تھی۔

"علیشہ پلیز، میرے سامنے رومیو، جولیٹ کا پلے چلانے کی ضرورت نہیں اور تمہارا یہ حلیہ مجھے قطعاً متاثر نہیں کرے گا۔"

"آخر بات کیا ہے، کیوں اتنا بھڑک رہی ہیں آپ، معصومیت کی بھی حد ہوتی ہے علیشہ، تم نے حاذم صدیقی سے کیا کہا ہے وہ پچھلے دو گھنٹے سے میری کال ریسو نہیں کر رہا ادھر تم نے ہیرئن بننے کی ہر حد پار کر دی ہے ادھر وہ میری کال اٹینڈ نہیں کر رہا، کیا سمجھوں میں اس بات کا مطلب۔"

"آپی یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ، میں نے حاذم کو کچھ نہیں کہا۔" وہ فوراً اپنی وصفائی میں بولی تھی۔

"مجھے تمہاری اب کسی بات پر اعتبار نہیں، بٹ لسن آئندہ تم مجھے حاذم کے آس پاس بھی دکھائی نہ دو، اگر وہ تمہارے اوچھے ہتھکنڈوں کی وجہ سے مجھ سے دور ہوا تو میں تمہارا حشر کر دوں گی۔" اس کے انداز میں کوئی لچک نہیں تھی۔

اسے کس چیز کا خوف تھا علیشہ رضوی نے حاذم صدیقی کا نام اب کبھی اپنے دل میں بھی نہیں لیا تھا تو زرین رضوی نے اس کے بارے میں ایسا گھٹیا سوچا بھی کیسے اسے اپنی بہن پر اعتبار نہیں تھا یا حاذم صدیقی کی محبت پر یا اس کے محبت کے جذبے پر، وہ اتنی بے اعتبار کیوں تھی، اتنی غیر محفوظ کیوں تھی کہ اپنی بہن سے ہی خوف محسوس کرنے لگی اور اس پر الزام تراشی کرتے ہوئے بھی نہ ہچکچائی۔

ہر طرف سے شکست اس کا مقدر کیوں تھی۔

زرین رضوی کے کھردرے الفاظ اب بھی اس کے آس پاس کسی بھوت کے سائے کی طرح منڈلا رہے تھے، وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

☆☆☆

زرین رضوی کی شادی بخیر و عافیت انجام پائی، نا چاہتے ہوئے بھی اس نے ہر تقریب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہ زرین رضوی کو مزید طعنہ زنی کی اجازت نہیں دے سکتی تھی، زرین رضوی چاہت کے نشے میں اور اسے پا کر گویا محبت فاتح عالم بنی بیٹھی تھی، اس کی خوبصورتی پر تو نگاہ نہیں

تھی، آج ہی مون ڈرپ کے لئے وہ ملائشیا نکلنے والے تھے، تو ان کے لئے اعزازی دعوت سارا رضوی نے دی تھی اور حاذم صدیقی کا آنا یقینی تھا اور اس کے سامنے جانے کے احساس سے ہی اس کی سانسیں سینے میں اٹکنے لگی تھیں، گھر سے اتنے اہم دن نکلنے کا کوئی بہانہ ہی نہیں سوجھ رہا تھا، سارا رضوی نے تو اسے ہلنے بھی نہیں دینا تھا۔

بہت سوچ بچار کے بعد اس کے ذہن نے آخر کام کر ہی دکھایا، مگر صائم مرتضیٰ کی مدد کے بناء یہ ناممکن تھا۔

زرین رضوی دوپہر کے کھانے پر انوائیٹڈ تھی لہٰذا وہ صبح گیارہ بجے کے قریب ہی آ چکی تھی۔

"کھانے کا ٹائم ہو رہا ہے، میں ذرا ارینجمنٹس دیکھ لوں۔" کچھ دیر رسمی سی گفتگو کے بعد وہ اٹھنے لگی تو حاذم نے روک لیا۔

"بیٹھو نا علیشہ، کبھی کبھی تو ملتی ہو، تمہارا ساتھ اچھا لگ رہا ہے۔" وہ نرمی سے بولا، مگر زرین رضوی کو اس کا یہ جملہ بہت گراں گزرا تھا۔

"جن کا ساتھ ملا ہے اب ان کا ساتھ انجوائے کیا کریں۔" اس نے بہت سادگی سے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

دو بجے کے قریب اچانک گھر میں صائم مرتضیٰ کو دیکھ کر تمام جملہ افراد بہت خوش ہوئے تھے خصوصاً زرین بہت پر جوش لگ رہی تھی۔

"آپ نے گھر والوں کو میرے آنے کے متعلق بتایا نہیں؟" موقع ملتے ہی اس نے علیشہ رضوی سے پوچھا۔

"آپ اندر چل کر بیٹھیں میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔" وہ جو اس کے لئے چائے بنانے آئی تھی اسے کچن میں دیکھ کر خفت زدہ ہی رہ گئی۔

"تو...... یو ہیو ٹو آنسر می۔" وہ کافی تپا ہوا لگ رہا تھا۔

"سر آپ بس میرے ساتھ چلیں میں باہر جا کر آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔" اس کا انداز التجائیہ تھا تب ہی شاید وہ اس کی بات مان گیا تھا۔

"صائم بیٹے آپ کو اس وقت گھر میں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔" ذیشان رضوی نے دلی خلوص سے کہا۔

"جی چاچو میں ادھر کسی کام سے آیا تھا تو سوچا آپ سے بھی ملتا چلوں۔" نظروں کے فوکس میں علیشہ رضوی کو لاتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا۔

"سر میں بھی آپ سے ملنا چاہ رہی تھی مگر ٹائم ہی نہیں مل رہا تھا۔" زرین رضوی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"جی آپ کے تو دن ہی مصروفیت کے ہیں۔" وہ بہت شائستہ انداز میں اسے اس کی شادی کے حوالے سے چھیڑ رہا تھا، علیشہ رضوی کو نجانے کیوں وہ اس لمحے بہت اچھا لگا تھا۔

"مما، مجھے شاپنگ کے لئے جانا ہے۔" اس نے تمام جملہ افراد کے سامنے اجازت طلب کی۔

"علیشہ ابھی، اس وقت۔" سارا رضوی نے حیرت و استعجاب سے استفسار کیا۔

"جی مما۔"

"گھر میں بہن اور بہنوئی آیا ہے اور تمہیں شاپنگ سوجھ رہی ہے اور زرین کی شادی پر جو اتنی خریداری کی تھی وہ کہاں ہے۔" سارا رضوی نے اس کی سب کے سامنے درگت بنا دی۔

"مما آپی کی شادی کی چیزیں میں کامن یوز میں تو نہیں رکھ سکتی، ویسے بھی موسم چینج ہو رہا ہے

مجھے کچھ گرم شالیں اور ڈریس خریدنے ہیں۔'' اس نے جواز پیش کیا۔

''کس کے ساتھ جاؤ گی تم۔'' حاذم نے پہلی بار مداخلت کی اور زرین رضوی کو یہ مداخلت بہت کھلی تھی۔

''پاپا میں سر کے ساتھ جاؤں گی۔'' اس نے جواب ذیشان رضوی کو دیا۔

''صائم کے پاس ٹائم ہے؟''

''جی انکل میں لے جاتا ہوں۔'' وہ فوراً اس کی مدد کو آن پہنچا۔

''کیا بحث ہے پاپا، وہ شاپنگ کے لئے جانا چاہتی ہے تو جانے دیں نا، سر اس کے ساتھ ہیں انہیں اسے لے جانے میں کوئی اعتراض نہیں تو پھر بات کو اتنا الٹکا کیوں رہے ہیں۔'' زرین رضوی شاید خود بھی اس کی موجودگی سے خائف تھی۔

''اوکے صائم بیٹے پھر آپ انہیں لے جائیں۔'' بالآخر ذیشان رضوی نے اسے اجازت دے ہی دی۔

''آپ نے مجھے کال کر کے بلایا ہے، یہ بات چاچو کو کیوں نہیں بتائی آپ نے۔'' وہ کافی تپے ہوئے موڈ میں دریافت کر رہا تھا۔

''میں بتانا نہیں چاہتی تھی۔''

''کیوں؟''

''بس ایسے ہی۔'' گاڑی اب مین روڈ پر دوڑ رہی تھی۔

''یہ آپ کی فیملی کا پرسنل ٹائم تھا، بے وقت کی حاضری مجھے کتنی بری لگ رہی ہے آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتیں، اس پر مستزاد کہ آپ نے کسی کو میرے بارے میں انفارم بھی نہیں کیا۔''

''فار گاڈ سیک، اتنا فارمل مت رہا کریں سر، ہر وقت فارمل اور ان فارمل کے بارے میں ہی میں مت سوچا کریں، کسی کو آپ کا آنا برا نہیں لگا ہماری طرف، مان لیا آپ بہت سوفسٹی کیٹڈ ہیں بٹ پلیز ڈونٹ ودمی۔'' وہ اس سے بھی زیادہ تپ کر بولی تھی۔

''فارمل نہ رہا کروں تو کیا رہا کروں اور آپ کے ساتھ کیوں نہیں۔'' اب کے اس کے لہجے میں کچھ نرمی حائل تھی۔

''ان فارمل رہا کریں اور میرے ساتھ کیوں نہیں......تو......آئی ڈونٹ نو۔'' اس نے کافی سوچ کر کہا۔

''آپ ایک بات بتائیں ہمیشہ میرے ساتھ لڑتے کیوں رہتے ہیں۔''

''میں لڑتا ہوں لاحول ولاقوۃ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ کام تو عورتوں کا ہوتا ہے، خالص خواتین کا، ویسے لڑتی تو آپ ہیں، سیدھی بات کا جواب بھی الٹا دیتی ہیں۔''

''آپ نے مجھے عورت کہا وہ بھی لڑاکا۔'' اس کی آنکھیں حیرت سے مزید پھیل گئیں۔

''آپ میرے ایج فیلو ہوتے تو میں آپ کو بتاتی۔'' اس نے ارادہ ظاہر کیا۔

''سمجھ لیں میں آپ کا ہم عمر ہوں۔''

''نہیں سمجھ سکتی۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ آپ ہیں ہی نہیں۔'' وہ بولی۔

''اوکے لیواٹ، بتاؤ کہاں جانا ہے شاپنگ کے لئے۔''

''جہاں آپ کو بہتر لگے۔'' وہ جانے کس موڈ میں کہہ گئی، پھر وہ اسے پیس شاپنگ مال میں لے آیا، موسم کی مناسبت سے اس نے کچھ شالیں اور ڈریسز خریدے۔

''سر یہ کلر مجھ پر کیسا لگ رہا ہے۔'' بلیک

سوٹ اپنے ساتھ لگا کر وہ اس کی رائے طلب کر رہی تھی۔

''آئی ڈونٹ نو مجھے لڑکیوں کی شاپنگ کا اندازہ نہیں۔'' وہ صاف دامن بچا گیا اور علیشہ رضوی کا پارہ ہائی ہونے لگا۔

''بہت ہی بدذوق انسان ہیں آپ۔'' لال بھبھوکا چہرہ لئے وہ لڑنے کے موڈ میں تھی۔

''اب میں نے کیا کر دیا۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

''آپ کی بیوی تو کبھی خوش نہیں رہے گی۔'' اس نے بے لاگ تبصرہ جھاڑا۔

''کیوں؟ آئی تھنک میں کافی ہینڈسم ہوں۔'' اس کی گفتگو صائم مرتضٰی کو کافی دلچسپ لگ رہی تھی۔

''ہینڈسم ہونا ہی کافی نہیں ہوتا۔'' یعنی وہ مان گئی تھی کہ وہ ہینڈسم ہے۔

''پھر کیا کیا ہونا چاہیے۔'' علیشہ رضوی کو چڑا کر اسے نجانے کیوں مزا آ رہا تھا۔

''اگر آپ کو کبھی اپنی بیوی کو تحفہ دینا پڑ گیا تو کیا کریں گے، گھر جا کر اسے کہہ دیں گے، سوری مجھے تو لڑکیوں کی شاپنگ کا کوئی ایکسپرینس ہی نہیں۔'' وہ تو آج جیسے اس کی کلاس لینے آئی تھی۔

''تو آپ میری بیوی کی شاپنگ کرنے میں ہیلپ کر دیا کیجئے گا نا۔''

''میں کتنی دیر آپ کی ہیلپ کروں گی۔'' وہ واقعی تیار ہو گئی۔

''ہاں جی یہ بات بھی ہے پھر آپ کی بھی شادی ہو جائے گی۔'' اس نے جیسے صدمے سے کہا، تو علیشہ رضوی گڑبڑا کر رہ گئی، چند لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے، وہ خوامخواہ کنفیوز ہو گئی۔

''آپ سے چھوٹی لڑکیوں کی شادی ہو گئی ہے، اب آپ کو بھی کچھ خیال کرنا چاہیے۔'' وہ مفت مشورے سے نواز رہی تھی، اس کا اشارہ زرین رضوی کی طرف تھا۔

''کیا کروں؟''

''شادی کر لیں۔''

''کس سے؟''

''لڑکی سے اور کس سے کرنی ہے آپ نے۔'' وہ زچ ہو گئی تھی۔

''اچھا آپ لڑکی تلاش کریں میں کر لوں گا۔''

''اب یہ کام بھی میں ہی کروں۔'' وہ آنکھیں پھاڑے حیرت سے بولی۔

''اور کتنے کام کر چکی ہیں آپ میرے؟''

''ابھی شاپنگ کا وعدہ نہیں کیا آپ سے۔'' اس نے فوراً یاد دہانی کروائی۔

''مجھے تو لڑکیوں کی نیچر کا نہیں پتہ، آپ کو بہتر انفارمیشن ہو گی تو آپ ہی یہ کام کر دیں نا، بس پھر کوئی پرابلم نہیں ہو گی۔''

''اوکے اپنی پسند بتائیں، آئی مین لڑکی میں کیا خوبیاں ہونی چاہئیں۔'' وہ رشتے کرانے والی ماسیوں کی طرح پوچھ رہی تھی۔

''بس دل کی صاف ہو، خوبصورتی میٹر نہیں کرتی۔''

''واؤ اب ایسی فرشتہ صفت لڑکی کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں۔'' وہ طنزاً بولی۔

''اپنے آس پاس نگاہ دوڑائیں مل جائے گی۔''

''سردیوں کی شام بھی کتنی مزے کی ہوتی ہے نا۔'' اس کے گہرے تیوروں سے گھبرا کر وہ موضوع بدل گئی۔

''جی کافی اداس ہوتی ہے۔''

''آپ کو کیسے پتہ۔'' اس نے ایکدم اس کی طرف اچنبھے سے دیکھا تھا۔

"آپ شام کی خاموشی اور اندھیرے کی معصومیت پر کب غور وفکر کرتے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"جو سردیوں کی شام یا کسی بھی موسم کے معنی پر غور نہیں کرتے انہیں بے ذوق کہتے ہیں، آپ قدرت کے عوامل کا مشاہدہ کرتی ہیں تو آپ باذوق بھی ہیں اور سمجھ دار بھی۔" وہ سچے دل سے اس کی تعریف کر رہا تھا مگر اس کا دل ودماغ تو پاتال کی گہرائیوں میں ڈوب رہا تھا، جن سے پیچھا چھڑا کر وہ گھر سے بھاگ نکلی تھی وہ پھر خیال بن کر اسے تکلیف پہنچانے ساتھ تھے۔

اب دونوں نفوس کے مابین تیسری شے خاموشی تھی، گاڑی سیاہ تارکول کی سڑک پر برق رفتاری سے پھسل رہی تھی کہ صائم مرتضیٰ کے موبائل کی بپ نے اس سناٹے کو چیر دیا، اس نے گاڑی قدرے سائیڈ پر کر کے روکی اور کال اٹینڈ کی۔

"ہاں آج فارن کمپنی کے ساتھ جو میٹنگ تھی وہ میں نے کینسل کر دی ہے، آپ ان کے ساتھ مل کر کوئی اور ڈے ڈیسائیڈ کر لیں، اگر وہ پوزیٹو رسپانس دیتے ہیں تو ٹھیک ہے آدروائز انہیں مت روکیں۔" پھر چند ایک ضروری ہدایات دے کر اس نے کال بند کر دی، گاڑی واپس روڈ پر ڈالی اور ایک نظر علیشہ رضوی پر ڈالی جو بالکل سنجیدہ بیٹھی تھی نظریں گاڑی سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر پر جمی تھیں۔

"آپ نے اپنی میٹنگ میری وجہ سے کینسل کی ہے نا؟"

"جی!" اس نے پوری سچائی سے اعتراف کیا۔

"کیوں؟ آپ مجھے انکار بھی کر سکتے تھے۔" اسے واقعی صائم مرتضیٰ جیسے خالص انسان کا نقصان ہونا اچھا نہیں لگا تھا۔

"کیونکہ بے ذوق لوگوں کو باذوق لوگوں کا ساتھ بہت اچھا لگتا ہے اس لئے۔"

چار گھنٹے بعد گاڑی رضوی پیلس کے سامنے رک چکی تھی، اس نے غصے سے اتر کر فرنٹ ڈور بند کیا تھا۔

"آئندہ میں آپ سے کوئی کام نہیں کہوں گی۔" اس کا منہ سوجا ہوا تھا۔

"ڈونٹ وری، آئندہ آپ ہر کام مجھ سے ہی کہیں، بہت جلد میں اس بات کی اتھارٹی لے لوں گا۔" اس نے ذومعنی انداز میں کہا اور گاڑی زن سے دوڑا لے گیا اور علیشہ رضوی حیرت کی عملی تفسیر بنی اس کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔

☆☆☆

"آپ نے جاب کیوں چھوڑ دی آپی؟"

"بس حاذم کو میرا جاب کرنا پسند نہیں۔" زرین نے بہت تحمل سے جواب دیا تھا۔

"کیوں پسند نہیں؟" علیشہ رضوی حقیقتاً تپ گئی تھی۔

"ہر انسان کی فطرت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے ان کی فطرت میں ان چیزوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

"بس کریں ان کی دقیانوسیت کی فطرت کا نام مت دیں، میں بات کرتی ہوں ان سے۔" اپنے غصے کی رو میں وہ سب بھول چکی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں، وہ میرے شوہر ہیں، اگر انہیں جاب وغیرہ جیسی سرگرمیاں پسند نہیں تو مجھے ان کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا چاہیے تھا ڈیٹس اٹ، اس میں اتنا ایشو اٹھانے والی کون سی بات ہے اور اگر کوئی پرابلم ہو گی تو میں خود سولو کر لوں گی تمہیں ثالثی بننے کی ضرورت نہیں۔" وہ

دبنگ لہجے میں کہتی اٹھ کر باہر نکل گئی اور علیشہ رضوی حق دق بیٹھی رہ گئی، وہ آج بھی ویسی ہی تھی، بے حس، اپنی ہی کرنے والی۔

☆☆☆

صدیقی فیملی کا بزنس ابراڈ میں بھی کافی وسیع ہو چکا تھا، لہٰذا وہاں برانچ انہوں نے اپنے بڑے بیٹے دریاب صدیقی کے حوالے کر دی تھی، چنانچہ وہ نمل رضوی کے ہمراہ مستقل طور پر لندن شفٹ ہونے والے تھے اسی وجہ سے نمل کے بہت اصرار پر وہ ان سے ملنے صدیقی ہاؤس آئی تھی۔

"میں آپ سب کو بہت مس کروں گی۔" نمل کی جھلملاتی آنکھیں اور گلوگیر لہجہ علیشہ رضوی کو بھی کمزور کر رہا تھا۔

"آپ پریشان مت ہوں، آپ کا جب دل اداس ہو آپ فوراً پہلی فلائیٹ سے ہی ہمارے پاس آ جائیے گا بے شک پیچھے دریاب بھائی مجنوں بنتے رہیں۔" وہ آخر میں شرارت سے بولی تو وہ دونوں بے ساختہ ہی کھلکھلا دیے۔

"حاذم کے علاوہ کوئی تیسرا بھائی ہوتا تو میں تمہیں بھی یہیں لے آتی۔" نمل رضوی نے اسے چھیڑا تو نجانے کیوں اس کا چہرہ فق ہو گیا۔

"شکر ہے نہیں ہے۔"

"کیوں تم اپنی بہنوں کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی۔"

"آپی آپ دونوں ساتھ ہیں اور ہم تین لوگ ساتھ ہیں، ممی، پاپا کو میری ضرورت ہے مجھے ان کی تنہائی بانٹنے دیں، مجھے انہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جانا۔" اس نے پوری سچائی سے اعتراف کیا۔

"میں نے ایسا کب کہا علیشہ۔"

"آئی مس یو آپی۔" وہ بے ساختہ اس کی بانہوں میں بکھر گئی۔

"آئی مس یو ٹو۔" جواباً نمل نے کہا اور اسے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔

☆☆☆

"کیا بات ہے، آپ دونوں بہت خوش لگ رہے ہیں بات بے بات مسکرا رہے ہیں، کہیں آپی کو لندن بھیج کر آپ دونوں مزے میں تو نہیں ہیں۔" ناشتے پر ڈائننگ ٹیبل پر اس کا سامنا سارا اور ذیشان رضوی سے ہوا تھا، وہ رات کو ہی نمل کو رخصت کر کے آئے تھے، اصولاً تو انہیں اداس ہونا چاہیے تھا مگر وہ خلاف توقع قدرے پرسکون اور آسودہ دکھائی دے رہے تھے۔

اسی لئے علیشہ رضوی نے حیرت ومسرت کے ملے جلے تاثرات سے کہا۔

"صائم کیسے لگتے ہیں آپ کو؟" ذیشان رضوی نے اس کو جواب دینے کی بجائے سوال بہت ذومعنی انداز میں پوچھا۔

"کیا مطلب کیسے لگتے ہیں؟" وہ سلائس واپس پلیٹ میں رکھتے ہوئے بولی۔

"مطلب تمہیں وہ کیسے انسان لگتے ہیں۔" وضاحت سارا رضوی کی طرف سے آئی تھی۔

"اچھے انسان ہیں۔" اس نے ذرا سا ہچکچا کر کہا۔

"پرسنلی کیسے لگتے ہیں۔"

"وٹس دس مما، کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو۔"

"بیٹے آپ سے ایک سیدھی بات پوچھی ہے آپ اس پر اتنا گھبرا کیوں رہی ہو، بس سیدھا سا جواب دے دو۔" ذیشان رضوی زیر لب مسکراتے ہوئے بولے۔

"اچھے ہیں سر، بہت اچھے ہیں، پرسنلی بھی ان کی میں بہت عزت کرتی ہوں، اب بتائیں

بات کیا ہے۔'' اس نے جلدی سے جواب دے کر جان چھڑوائی۔
''علیشہ بیٹے صائم جیسے انسان کا ساتھ پانا نجانے کتنی لڑکیوں کا خواب ہوگا اور ان کے جیسے شخصیت آج کل کے دور میں بہت کم ملتی ہے۔''
ان کا اشارہ ان کی سنجیدگی، ٹھہراؤ اور عزت کی طرف تھا جو اس گھر کے ہر فرد کے لئے ان کے دل میں تھی۔
''جی میں مانتی ہوں اس سچائی کو۔''
''ویری گریٹ، علیشہ اگر ہم آپ کی زندگی کا فیصلہ ہم کریں تو آپ کو اس بات پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔'' ایک امید و یاس کی جوت اس نے ذیشان رضوی کی آنکھوں میں جلتی محسوس کی تھی۔
''میری زندگی کا فیصلہ آپ کو ہی کرنا ہے پاپا، مگر اتنی جلدی کس چیز کی ہے، مجھے ابھی اپنی اسٹڈیز کمپلیٹ کرنی ہے، آپ کے ساتھ رہنا ہے۔'' اس کے دل میں واقعی ہی عجیب سی پکڑ دھکڑ مچی تھی۔
''بات اگر کسی اور کی ہوتی تو میری پہلی ترجیح آپ کی خواہشات ہوتیں، مگر اب سوال صائم مرتضیٰ کا ہے بیٹے، مجھے ان میں کوئی کمی نظر نہیں آئی جو میں انہیں اتنا انتظار کرواؤں، میرے خیال میں وہ آپ کے لئے بہترین جیون ساتھی ثابت ہوں گے اور آپ کو بھی ایک دن میرے فیصلے پر فخر ہوگا۔'' ان کا اشارہ صائم مرتضیٰ کے ساتھ شادی کے بعد اس کی ازدواجی زندگی کی طرف تھا۔
''آپ سوچ لو بیٹے، آپ اس کے باوجود کوئی فیصلہ خود سے لینا چاہتی ہیں تو ہمیں وہ بھی قبول ہوگا۔'' اسے خاموش پا کر سارا رضوی نے تسلی دی، تو وہ بس انہیں دیکھتی ہی رہی۔

☆☆☆

''مما، پاپا چائے لاؤں آپ کے لئے۔''
''نہیں ابھی طلب محسوس نہیں ہو رہی۔''
ذیشان رضوی نے کہا اور اپنے کمرے کا رخ کر گئے۔
''مما میں آپ کی بلڈ پریشر کی ٹیبلٹ لا دیتی ہوں۔''
''رہنے دو علیشہ، آئی ایم فیلنگ گڈ بیٹا، بس کچھ تھک گئی ہوں تھوڑی دیر آرام کروں گی۔''
سارا رضوی مروتاً بھی نہیں مسکرائی تھیں، وہ روہانسی ہوگئی، پچھلے کئی دنوں سے سارا رضوی اور ذیشان رضوی کا رویہ اس کے ساتھ ایسا ہی تھا، وہ دونوں اسے دیکھتے ہی خاموش ہو جاتے تھے، وہ پاس بھی ہوتی تو اس کی موجودگی کو مکمل فراموش کر جاتے۔
وہ بات کرنے کی کوشش کرتی وہ اپنے کمرے میں جانے کا عذر تلاش کر لیتے، اسے لگتا تھا وہ اکیلی رہ گئی ہے، ان کی بے رخی اس کی برداشت سے باہر تھی، اس دن جب ذیشان رضوی نے صائم مرتضیٰ کے بارے میں اس کی رائے طلب کی تو اس نے انکار کر دیا۔
اسے صائم مرتضیٰ سے کسی ایسے رشتے کی توقع نہیں تھی، وہ اسے بہت مضبوط اور کھلے دل کے انسان لگے تھے، مگر ان کی روایتی مردوں والی سوچ سے اسے بہت دھچکا لگا تھا، انہوں نے کسی بھی چیز کا لحاظ کیے بغیر اس کے لئے اپنا انتخاب بتا دیا اور ایک بار بھی اس سے پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی، ان کی یہ حرکت اسے بہت کھلی تھی، اگر کچھ دن وہ ان پر انحصار کرتی رہی تھی اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں تھا کہ وہ ان میں انوالو ہو چکی تھی، اسے تو سوچ سوچ کر خود پر غصہ آ رہا تھا، صائم مرتضیٰ کے لئے اس کا دل بہت کھٹائی میں پڑ

رکا تھا، اس نے مزید سوچنا مناسب نہیں سمجھا اور دوٹوک انکار سنا دیا۔
اس کے انکار کے بعد سارا اور ذیشان کا رویہ اس کے ساتھ اجنبیوں سے بڑھ کر ہو گیا تھا اور صائم مرتضیٰ اس کی وجہ تھا وہ والدین اور بیٹی کے رشتے میں خلیج حائل کرنے کا باعث تھا، اس کے دل میں اس کے لئے تلخی اور بڑھ گئی تھی۔
''مجھے تو لگتا ہے صائم مرتضیٰ آپ کے بیٹے ہیں اور میں غیر ہوں ان کے لئے اپنی بیٹی کے ساتھ غیروں والا برتاؤ کر رہے ہیں آپ۔'' وہ بالآخر رو ہی دی، سارا اور ذیشان رضوی پریشان ہو اٹھے۔
''آپ سے ایسا کس نے کہا؟'' سارا نے اسے فوراً بانہوں میں سمیٹا تھا۔
''آپ دونوں کے رویے نے۔'' وہ اور زور و شور سے رونے لگی تھی۔
''ایسا کچھ نہیں ہے علیشہ، ہاں آپ کے انکار سے دکھ بہت ہوا، والدین کبھی اپنی اولاد کا برا نہیں چاہتے، آپ خوش نصیب ہوتیں اگر آپ صائم مرتضیٰ جیسے انسان کے ہمراہ زندگی کا سفر طے کر پاتیں، آپ کو شاید وہ چیز نظر نہیں آ رہی جو اس وقت ہم دیکھ سکتے ہیں، مجھے ان میں ہر وہ چیز نظر آتی ہے جو خوشگوار زندگی گزارنے کے لئے ایک انسان میں ہونی چاہیں، خیر کوئی بات نہیں آپ کو وہ پسند نہیں ہیں تو یہ بحث فضول ہے۔'' ان کے لہجے میں تاسف آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔
''مجھے آپ کے انکار کی وجہ جاننی ہے علیشہ، آخر ایسی کیا کمی ہے صائم میں جو آپ ان کے پرپوزل اور ہماری مرضی کو بھی مسترد کر گئیں۔'' سارا رضوی نے بہت سنجیدگی سے پوچھا تھا، اب وہ کیا جواب دیتی کہ اپنے نام کے ساتھ کسی اور کا نام لگتے دیکھنا اس کی برداشت سے باہر ہے۔
صائم مرتضیٰ تو اس کے گلے کا پھندہ بن گیا تھا، کوئی ببول کا کانٹا تھا جسے نہ نگل سکتی تھی نہ تھوک سکتی تھی۔
''میں آپ کو چھوڑ کر کہیں جانا نہیں چاہتی تھی بس اسی لئے انکار کیا تھا اور نہ مجھے سر سے کوئی پرابلم نہیں۔'' آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر چکی تھیں۔
''بیٹیاں تو ہوتی ہی پرائی ہیں علیشہ، آج نہیں تو کل آپ کو اپنے اصلی گھر جانا ہی ہے۔'' سارا رضوی نے گلوگیر لہجے میں کہا تو وہ بے ساختہ ان سے لپٹ کر رونے لگی، ان آنسوؤں میں نجانے کون کون سا غم بہہ رہے تھے، محبت کرنے کے، اسے کھونے اور اب اسے بھول جانے کے۔
''میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی صائم مرتضیٰ آپ نے میرے والدین کو میرے سے چھیننا چاہا ہے'' اس نے آنسوؤں کے درمیان اس سے بیر باندھ لیا۔

☆☆☆

کئی گھنٹوں سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے رہنے کی وجہ سے اس کے روم روم میں تھکاوٹ اتر آئی تھی، اس نے بے ساختہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر خود کو پرسکون کیا تھا، چند لمحوں بعد جب اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو بیڈ کے بالکل سامنے صائم صدیقی کی قدم آدم پورٹریٹ لگی تھی، بلیو شرٹ اور بلیک پینٹ میں اس کی قد آور شخصیت ناقابل تسخیر ہی تو لگتی تھی، اس کے چہرے پر سجی مسکان اسے لاکھوں میں ممتاز کرنے کے لئے کافی تھی، مگر علیشہ رضوی کے اندر تو کڑواہٹ بھری جا رہی تھی، کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً صائم مرتضیٰ کی جی بھر کر تعریف کرتی، مگر اب تو اس کی

خوبیاں بھی اسے خامیاں ہی لگ رہی تھیں۔

اس کا مسکراتا چہرہ علیشہ رضوی کو اپنا مذاق اڑاتا محسوس ہو رہا تھا اس کا جی چاہا تھا اس کی مسکراہٹ نوچ لے، جس نے اس کی زندگی کو مذاق بنا دیا، ایکدم سے اسے ساری تھکاوٹ بھول گئی تھی اور دل و دماغ میں جنگ سی چھڑ گئی تھی وہ کسی صورت اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ بے بسی سی ہو کر بیڈ سے نیچے اتر آئی، میرون بھاری بھرکم لہنگے کو سنبھالتی وہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی، اپنا سجا سجایا روپ دیکھ کر نجانے کیوں رونا آنے لگا۔

''کیوں میرے وجود کو تمہارے لئے اتنا سجایا گیا ہے صائم مرتضٰی جب کہ مجھے اس چیز کی خواہش بھی نہ تھی۔'' اس کی کاجل سے سجی آنکھوں میں سفید موتی مچلنے لگے تھے وہ وزنی لہنگا اور جیولری کی پرواہ کیے بغیر اٹھ کر بالکونی میں چلی آئی تھی۔

رات کے دو بج رہے تھے، حویلی کے آس پاس چاندنیاں بجھا کر گویا سویرا کر دیا گیا تھا مگر دور دور تک اندھیرے نے اپنا خوفناک بسیرا جما رکھا تھا، صائم مرتضٰی کی شادی علیشہ رضوی سے بخیر و خوبی ہو گئی تھی وہ رضوی پیلس سے رخصت ہو کر صائم مرتضٰی کی آبائی حویلی میں آ چکی تھی، جس کی سجاوٹ دیکھ کر گماں گزرتا تھا جیسے کسی شہزادی کے استقبال کے لئے حویلی کو دلہن سے بڑھ کر سجایا ہو۔

حویلی کا ایک ایک کونہ ظاہر کر رہا تھا کہ صائم مرتضٰی کو علیشہ رضوی کو پانے کی کتنی خوشی ہے، کوئی اور لڑکی ہوتی تو اپنی قسمت پر بہت نازاں ہوتی مگر وہ علیشہ رضوی تھی جسے صائم مرتضٰی سے کوئی سروکار نہ تھا۔

مدھم سی آواز نے دروازے کے کھولنے کا عندیہ سنایا تھا، آنے والے نے بہت احتیاط سے دروازہ دوبارہ مقفل کیا، یقیناً بیڈ پر علیشہ رضوی کو ناپا کر وہ متجسس ہوا تھا، پھر وہ وہیں بیڈ پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا مگر جب پندرہ منٹ تک وہ نہیں آئی تو اسے اپنے اس خیال کی تردید کرنی پڑی کہ وہ واش روم میں ہے۔

لیکن پھر بھی تصدیق کے لئے اس نے سب سے پہلے واش روم چیک کیا اور پھر ٹیرس کا دروازہ کھلا دیکھ کر وہ برق رفتاری سے ادھر آیا تھا، وہ اس کے قریب آ کر رک گیا تھا، جیسے ایک سکون رگ و پے میں سرائیت کر گیا ہو اسے سامنے پا کر۔

''یہاں کھڑی رہو گی تو رات کی تاریکی سے میری چاندنی کو نظر لگ جائے۔'' اس کے بالکل پشت پر کھڑے ہو کر صائم مرتضٰی نے مدھم سرگوشی کی، علیشہ رضوی کو ایک درد نے اپنے گھیرے میں لیا تھا۔

''بہت خوشی ہے آپ کو مجھے پا کر؟'' وہ دھیرے سے مڑی تھی اور صائم مرتضٰی اس کے حسن میں کھو گیا تھا جو دلہن کا روپ دھار کر مزید دو آتشہ ہو گیا تھا، میرون کامدار لہنگے میں اس کے وجود کی چاندنی اور نکھر گئی تھی۔

''کیوں کیا آپ نے ایسا سر۔'' اس کی کاجل کی تحریریں بکھرنے لگی تھیں، اس کی شفاف آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ بہہ نکلے اور صائم مرتضٰی ٹھٹک گیا تھا، اس لڑکی کا سحر کہیں گم ہونے لگا تھا۔

''تم رو کیوں رہی ہو علیشہ۔'' اس نے بے چینی سے پوچھا، ایک بار اس نے اسے تب تم کہا تھا جب وہ اسے لیبر کی اسٹرائیک سے لایا تھا اور آج جب وہ اس کی ہو کر بھی اس کی نہیں تھی۔

''آپ نے رولایا ہے مجھے، اپنے اور میرے رشتے کو بدل کر آنسوؤں کو میرا مقدر بنایا ہے آپ نے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''آپ کی مرضی شامل نہیں تھی میرے لئے؟'' وہ جتنا اس کے پاس کھڑا تھا اتنا ہی فاصلے پر چلا گیا تھا کچھ دیر قبل چھلکنے والا حق اور شوخی اس کے چہرے سے غائب ہو چکی تھی، اس کی وجیہہ و شکیل شخصیت پھر سنجیدگی کے بھنور میں ڈوب کر ناقابل تسخیر ہو گئی تھی۔

''میں آپ کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں بنانا چاہتی اور اگر آپ زبردستی کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ سب بے کار ہو گا۔'' اب کے اس کا لہجہ کھردرا تھا، بے لچک اور کرخت، صائم مرتضٰی نے بہت غور سے اس کا ملیح چہرہ دیکھا تھا جس میں بے رحمی کے سوا کچھ نہیں تھا، وہ اس کے دل کے جذبات کی پرواہ کیے بغیر سنگلاخ الفاظ ادا کر چکی تھی۔

علیشہ رضوی کو لگا تھا وہ اس سے باز پرس کرے گا، اس سے ناپسندیدگی کی وجہ پوچھے گا کئی سوالات کرے گا، مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے کہا تو بس اتنا۔

''آپ جا کر چینج کر لیں، ہم صبح بات کر لیں گے اور میرے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' علیشہ رضوی نے اس کے عام سے انداز کو بہت حیرت سے دیکھا تھا، تو کیا اسے اس کی اتنی بڑی بات سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا، یا وہ اپنے جذبات چھپانے پر قدرت رکھتا تھا۔

''زندگی کے ہر میدان کو فتح کرنے کے بعد، سب سے بڑے میدان میں آ کر مات کھا گئے صائم مرتضٰی، افسوس در افسوس جس لڑکی کو تمہاری خواہش ہی نہیں تھی اس کو زندگی بنا لیا۔'' صائم مرتضٰی نے پہلی خواہش پر ہی شکست کھا لی تھی، وہ جیتنے کے باوجود ہار چکا تھا، تقریباً دو گھنٹے تک وہ خود سے لڑتا رہا تھا جب وہ کمرے میں آیا تو علیشہ رضوی کو جوں کی توں حالت میں پایا۔

وہ کتنی خوبصورت لگ رہی تھی شاید اس کی خبر خود اسے بھی نہ تھی صائم مرتضٰی کا جی چاہا تھا اسے اپنے دل میں چھپا لے اس رنگ روپ سمیت، مگر وہ حق رکھنے کے باوجود حق نہیں رکھتا تھا۔

''آپ نے چینج نہیں کیا ابھی تک؟'' اس پر نگاہ ڈالے بغیر وہ پوچھ رہا تھا۔

''مجھ سے پنیں نہیں کھل رہیں دوپٹے کی۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''پھر صبح تک کا ویٹ کریں گی یا میں......''

وہ دانستہ بات ادھوری چھوڑ گیا اور وہ اس کی ادھوری بات کا مفہوم سمجھ گئی تھی۔

صبح تک کا ویٹ کرتی تو اور بھی ہزار ایشو ساتھ اٹھتے اور ویسے بھی اب وہ بہت تھک چکی تھی اور ریلیکس ہونا چاہتی تھی۔

''آپ اتار دیں۔'' اس نے بہت سوچ کر اجازت دے دی، چند لمحے بعد وہ اس کی طرف بڑھا تھا، کندھوں پر دوپٹے کی سیٹنگ کے لئے لگی سیفٹی پنیں اس نے احتیاط سے نکال دیں، دوپٹہ اتار کر سائیڈ پر رکھا اور خود بھی جانے لگا تھا جب اس نے دوبارہ پکار لیا۔

''پلیز سر بالوں کی بھی نکال دیں۔'' اس نے چھوٹے بچوں کی طرح فرمائش کی، صائم مرتضٰی نے بغیر کوئی پس و پیش کیے اس کی بات مان لی تھی، وہ بہت ریلیکس انداز میں اس کے سامنے بیٹھی تھی، اسے کوئی گھبراہٹ نہیں ہو رہی تھی، صائم مرتضٰی کو ایک لمحے میں اندازہ ہوا تھا کہ ابھی وہ کتنی معصوم اور کمسن ہے، جسے اپنے اور صائم مرتضٰی کے مابین بننے والے رشتے کی

نزاکت کا احساس تک نہیں تھا۔

''آرام سے کس بات کا غصہ نکال رہے ہیں۔'' ایک پن نکالتے ہوئے اس کے بال میں الجھ گئے تھے وہ درد کے احساس سے چلائی تھی۔

''نیکلس اور لاکٹ کے لاک بھی کھول دیں۔'' ایک کام ختم ہوا تو دوسرے کا حکم آیا، اب کے صائم مرتضٰی زیرلب مسکرایا تھا۔

پھر اس نے علیشہ رضوی کے کہے بغیر اس کی ائیر رنگز چوڑیاں اور پائلیں بھی اتار دیں، وہ چپ چاپ اس کی کارگزاری دیکھتی رہی وہ فارغ ہو کر اٹھا تو دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا تھا اور وہ اتنا اس کے پاس آنے پر نہیں گھبرائی تھی جتنا اس کی نظروں سے نظریں ملنے پر گھبرا اٹھی تھی۔

''ڈھینگس میں چینج کر کے آتی ہوں۔''

''میری دسترس میں رہو گی تو ایک دن مجھ سے پیار کرنے لگو گی۔'' اسے دوپٹے کے بغیر واش روم کی طرف بھاگتے دیکھ کر صائم مرتضٰی نے شاید خود کو امید دلائی اور دل پر پتھر رکھتے ہوئے مایوس سا بیڈ پر لیٹ گیا گو کہ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

☆☆☆

''نہ کوئی سلام، نہ دعا، تمہارے سسرال والے آئے ہیں علیشہ اور تمہارے پاس ان سے ملنے کا ٹائم نہیں۔'' سارا رضوی نے بہت حیرت سے پوچھا تو علیشہ رضوی کھسیا کر مسکرا دی۔

''میں جاتی ہوں مما، اٹیچی میں پیکنگ کر رہی تھی۔''

''تم ہٹو میں زرین سے کہتی ہوں وہ کر دے گی۔''

''جی مما۔'' وہ پژمردہ سے قدم اٹھاتی ٹی وی لاؤنج کی طرف چل دی جہاں مرتضٰی علی اور نسیمہ بیگم سمیت صائم مرتضٰی اور دیگر جملہ افراد بھی موجود تھے، ولیمے کی تقریب کے فوراً بعد وہ ذیشان اور سارا کے ساتھ رضوی پلیس آ گئی تھی اور یہاں آ کر اس نے صائم مرتضٰی کو کال کر دی تھی کہ وہ کچھ دن یہاں رہنا چاہتی ہے اور صائم مرتضٰی نے اسے اوکے کے علاوہ دوسرا کوئی لفظ نہیں کہا تھا۔

آج تقریباً پندرہ دن بعد نسیمہ بیگم کے بہت اصرار پر وہ علیشہ رضوی کو لینے آئے تھے۔

''السلام علیکم!'' لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے خصوصی طور پر نسیمہ اور مرتضٰی علی کو سلام کیا، پنک کامدار سوٹ میں اس کی رنگت بھی گلابی دکھائی دے رہی تھی۔

''وعلیکم السلام جیتی رہو، سدا سہاگن رہو میری بچی۔'' نسیمہ بیگم نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی۔

''بہت دل لگا لیا، ماں باپ کا، اب تمہارے دوسرے والدین کا دل اداس ہے، چلو گھر چلیں علیشہ بیٹی، شادی کے بعد بھی تم چاہتی ہو کہ تمہارا شوہر اکیلا کھاتا رہے۔'' نسیمہ بیگم بہت خلوص سے کہہ رہی تھی اور علیشہ رضوی نے بے ساختہ نگاہیں اٹھا کر صائم مرتضٰی کو دیکھا تھا مگر اس نے تو بھول کر بھی اس پر نگاہ ڈالنا گوارہ نہیں سمجھا تھا۔

''اچھا چاچو اب ہمیں نکلنا ہو گا، کافی لیٹ ہو گئے ہیں۔'' وہ کھانا کھائے بغیر اٹھ کھڑا ہوا تھا، اور ذیشان رضوی سے مخاطب ہوا تھا، تب تک علیشہ بھی چینج کر کے آ چکی تھی لائٹ گرین سوٹ میں مناسب سے میک اپ اور لائٹ جیولری میں وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

''کچھ دیر اور رک جاتے صائم بیٹے۔'' ذیشان رضوی نے کہا۔

''اب تو آنا جانا لگا رہے گا بھائی صاحب۔'' مرتضٰی علی نے ذو معنی انداز میں کہا تو سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''چلیں علیشہ۔'' فرداً فرداً سب سے ملنے کے بعد وہ اس سے سارے عرصے میں پہلی بار مخاطب ہوا تھا، ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈال کر باہر نکل گیا مگر ان نگاہوں میں اس کے لئے کوئی ستائش نہیں تھی، نجانے کیوں علیشہ رضوی کو بہت برا لگا تھا۔

وہ بیک ڈور کھول کر بیٹھنے والی تھی جب نسیمہ بیگم نے اسے روک دیا۔

''آگے صائم کے ساتھ بیٹھو علیشہ، میرے دل میں بہت ارمان ہے تم دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھنے کا۔'' وہ بناء کچھ کہے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی، پہلی بار اس کا دل دھڑکا تھا، پہلی بار اس نے محسوس کیا تھا کہ صائم مرتضٰی اس کا شوہر ہے، مگر صائم مرتضٰی کے لاتعلق انداز نے اس احساس کو زیادہ دیر قوی نہیں رہنے دیا تھا کچھ دیر بعد وہ پھر اس کے بارے میں اسی انداز سے سوچنے لگی تھی۔

☆☆☆

''مجھے انکل آنٹی کے ساتھ گاؤں رہنا ہے۔'' اس کے سامنے بیٹھی وہ ایک بار پھر اس کے فیصلے کی دھجیاں بکھیر رہی تھی، صائم مرتضٰی نے بہت حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''مجھے آپ کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن آپ کا نیکسٹ سمسٹر ہونے والا ہے یوں آپ کی اسٹڈیز کا سلسلہ بھی منقطع ہو جائے گا۔''

''یہ فضول کے بہانے مت بنائیں، مجھے کے لئے آپ کے ساتھ رہنا ایک بہت بڑا ٹاسک ہے اور میں یہ ایکسپٹ کرنا نہیں چاہتی۔'' وہ ضدی انداز میں بولی۔

''آپ کی ضد ایک طرف علیشہ! لیکن یوں مجھ سے بھاگنے کے لئے آپ اپنی اسٹڈیز، اپنا کیریئر داؤ پر نہیں لگا سکتیں۔'' اس کے لہجے کی تلخی کو نظر انداز کرتا وہ بہت تحمل سے اسے سمجھا رہا تھا۔

''میری اسٹڈیز، میرا کیریئر اسی دن ختم ہو گیا تھا جس دن میرا نام آپ کے نام کے ساتھ جڑا، مجھے اب ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، آپ نے مجھے حاصل کرنا تھا کر لیا، وہ آپ کی ضد تھی، مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا یہ میری ضد ہے۔'' وہ کھردرے پن سے بولی۔

''ٹھیک ہے اپنی پیکنگ کر لیں، آپ مما پاپا کے ساتھ حویلی چلی جائیں۔'' وہ بہت شانت لہجے میں بولا تھا اور علیشہ رضوی اپنی فتح پر بہت سرشار نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

صائم مرتضٰی میں بظاہر کوئی برائی نہیں تھی مگر جب بھی وہ اس کا تصور کرتی تھی اس کے جذبات بر فیلے ہونے لگتے تھے، وہ اسے کانٹے کی طرح چبھنے لگتا تھا، وہ چاہ کر بھی اس کے ساتھ مثبت رویہ اختیار نہیں کر پاتی تھی، شاید اس کے دل کے کسی کونے میں ابھی بھی حاذم صدیقی تھا۔

پہلے وہ اسے اپنی مرضی سے یاد کر سکتی تھی مگر صائم مرتضٰی کی زندگی میں داخل ہو کر وہ یہ کام بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اسے صائم مرتضٰی سے بے ایمانی گوارا نہیں تھی، وہ پر کٹے پنچھی کی طرح قید میں پھڑ پھڑا کر ہی رہ گئی، صائم مرتضٰی کو دل سے قبول کرنے پر تیار نہ تھا اور حاذم صدیقی کو بھلانے پر بھی آمادہ نہیں تھا، عجیب دوہری کیفیت سے گزر رہی تھی اور صائم مرتضٰی کو تو جیسے اس سے کوئی سروکار ہی نہیں تھا، وہ اس کی ہر بات چپ چاپ مان لیتا تھا اور اس نے کبھی اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

صائم مرتضٰی کے لئے دیئے رویے نے

اسے اور بھی دلبرداشتہ کر دیا تھا وہ اور زیادہ اس سے بھاگنے لگی تھی۔

وہ ضد کر کے حویلی آ تو گئی تھی مگر یہاں کا ماحول اس کی سمجھ سے بالاتر تھا گو کہ اسے یہاں کسی قسم کی پابندی کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا تھا، مگر پھر بھی ایک اجنبیت اسے اپنے حصار میں لئے رہتی۔

نسیمہ بیگم کا پیار کچھ وقت کو آسان بنا دیتا تھا ورنہ تو یہ بے گانگی اس کے وجود کو کاٹنے لگی تھی، وہاں بس صائم مرتضٰی تھا جس سے اسے اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا تھا، وہ لاکھ اس سے چڑتی تھی اس سے نفرت کرتی تھی مگر پھر بھی اسے بس اسی کے پاس سکون محسوس ہوتا تھا، وہ گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے یہاں تھی اس پورے دورانیے میں صائم مرتضٰی محض تین بار آیا تھا اور تینوں بار اس نے علیشہ رضوی کو بلانا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

یوں ان کی زندگی بظاہر بہت نارمل اور خوشحال تھی مگر اندر سے نا آسودہ تھی۔

علیشہ رضوی بہت جلد حویلی کے ماحول سے گھبرا اٹھی تھی اور اسے ادراک ہونے لگا تھا کہ اپنی اسٹڈیز منقطع کر کے اس نے اپنا بہت نقصان کیا ہے۔

''مجھے آپ کے ساتھ لاہور جانا ہے۔'' وہ اس بار آیا تو علیشہ رضوی ضدی پن سے بولی۔

''کیوں اب حویلی میں کیا مسئلہ ہے؟''

''مجھے اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''اجنبیت یہاں نہیں تمہارے رویے میں ہے۔'' وہ بہت فارمل انداز میں کہہ رہا تھا۔

''اور میرے ساتھ رہ کر تمہیں اپنائیت کا احساس ہوگا؟'' اب کے ذرا سا وہ شرارتی پن سے بولا۔

''جو کچھ بھی ہے، مجھے واپس جانا ہے، ابھی سمسٹر ہونے میں کچھ دن باقی ہیں میں ان دنوں میں تیاری کر لوں گی۔''

''میرے خیال میں اب امی تمہیں نہیں جانے دیں گی، انہیں تمہارا ساتھ بہت اچھا لگتا ہے۔'' وہ ذرا سا ریلیکس ہو کر بیڈ پر لیٹ گیا۔

''نہیں وہ اعتراض نہیں کریں گی، وہ تو روزانہ مجھے کہتی ہیں کہ اگر میں اداس ہوں تو آپ کے ساتھ چلی جاؤں۔''

''تو کیا تم میرے لئے اداس تھی۔'' نجانے آج کیوں وہ شرارت پر آمادہ دکھائی دیتا تھا۔

''میرے جانے کی وجہ کیا ہے میں آپ کو پہلے سے بتا چکی ہوں۔'' اس کا شوخ رویہ علیشہ رضوی کو یخ بستہ کر رہا تھا وہ دھیمے سے لہجے میں بولی۔

''ٹھیک ہے ہم ساتھ چلتے ہیں۔'' دوسرے ہی لمحے سنجیدگی سے بولا اور سر سے پیروں تک کمبل تان کر لیٹ گیا، گو میٹنگ اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی وہ مزید گفتگو کا ارادہ نہیں رکھتا تھا، بہرحال علیشہ رضوی بھی اس سے زیادہ دیر بات کرنے کی روادار نہ تھی اس کا کام ہو گیا تھا اس کے لئے یہی کافی تھا۔

پھر نجانے اس نے نسیمہ بیگم اور مرتضٰی علی سے کیا کہا مگر وہ اسے اجازت دلوانے میں کامیاب ہو گیا تھا یوں وہ حویلی سے مستقل طور پر لاہور آ گئی۔

☆☆☆

اسے مرتضٰی ہاؤس چھوڑ کر وہ خود کسی ضروری کام سے نکل گیا، پہلے پہل صائم مرتضٰی اس گھر میں تنہا رہتا تھا، اسے باہر کے کھانوں کی عادت نہ تھی لہٰذا وہ خود ہی کوکنگ کرتا تھا مگر اب علیشہ رضوی کی موجودگی کا خیال کر کے اس نے

خانسامہ کا انتظام کر دیا تھا، علیشہ رضوی سارا دن فارغ اِدھر اُدھر گھومتی رہی کچھ کھانے کو بھی دل نہیں مان رہا تھا، وہ لان میں بے مقصد ہی گھوم کر اس کا انتظار کرنے لگی، اس کی گاڑی کو گیٹ سے داخل ہوتے دیکھ کر اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ آگے بڑھے یا وہیں کھڑی رہے۔

''کیسا گزرا آج کا دن؟'' اس کے قریب آ کر وہ خوشگوار لہجے میں بولا۔

''آپ کو کیا، آپ کو تو سارے ضروری کام آج ہی نمٹانے تھے۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی اور علیشہ رضوی کے ایسے مان بھرے شکوے سے صائم مرتضٰی کو حیرت کا خوشگوار جھٹکا لگا تھا۔

''یعنی میری بیوی مجھے مس کر رہی تھی۔'' اس کے اتنے خوبصورت شکوے کے بعد صائم مرتضٰی کا موڈ بحال ہونے لگا تھا۔

''فضول کے کام کرنے کا میرے پاس ٹائم نہیں ہے، ہمارے گھر میں ممی، پاپا، نمل آپی اتنے سارے لوگ ہوتے تھے اس لئے بوریت کا احساس نہیں ہوتا تھا مگر آپ کے گھر میں درودیوار بے جان چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔'' وہ اس قدر زہرخند لہجے میں بولی تھی کہ کچھ دیر قبل محسوس ہونے والی خوشی کا احساس زائل ہونے لگا تھا۔

''یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے علیشہ۔'' اس کی کڑواہٹ کے باوجود وہ بہت نرمی سے بولا تھا اور وہ کوئی جوابدیئے بغیر اپنے کمرے میں گھس گئی اور صائم مرتضٰی کو اس کی اجنبی رویے نے بہت رنج پہنچایا، بہت اچانک اسے اپنے وجود میں تھکاوٹ اترتی محسوس ہونے لگی تھی، اسے اپنے ہر گھر کی چار دیواری سے وحشت ہونے لگی تھی، جس میں اس کی بیوی اس کے ساتھ اجنبیوں سے بڑھ کر رویہ اپنائے ہوئے تھی۔

''صائم بابا کھانا لگاؤں؟''

''اوں ہوں، ہاں بی بی نے کھانا کھایا۔'' خانسامہ ان کے گاؤں سے تھا۔

''نہیں انہوں نے نہیں کھایا۔''

''آپ انہیں بلا لائیں پھر کھانا کھاتے ہیں۔''

اس کو یقین تھا علیشہ نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا تھا تب ہی وہ کچھ بھی باہر سے کھائے بغیر سر شام ہی گھر کی طرف دوڑا تھا، مگر علیشہ رضوی کے تلخ رویے نے اس کی بھوک پیاس سب چھین لئے تھے۔

بہت خاموش ماحول میں کھانا کھایا گیا، صائم مرتضٰی نے بہت جلد کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا، علیشہ رضوی نے بھی بس فارمیلٹی ہی نبھائی تھی، کہنے کو دو نفوس ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے مگر دیکھنے کو زندگی کی کوئی ہلچل ان کے انداز و اطوار میں نہیں تھی وہ تو ان قیدیوں کی طرح لگ رہے تھے جو مجبوری کی بناء پر ایک ساتھ قید میں رہنے پر مجبور ہوں۔

''آپ نے سونا نہیں ہے، مجھے تو بہت نیند آ رہی ہے۔'' وہ غائب دماغی سے سپورٹس چینل لگائے بیٹھا تھا، اس نے نوٹ نہیں کیا کہ کافی دیر سے علیشہ رضوی بے چین سی اِدھر اُدھر پھر رہی ہے۔

''کیا مطلب؟'' وہ واقعی اس کے اس سوال کا مطلب نہیں سمجھا تھا تب ہی ناسمجھی کے عالم میں بولا۔

''مطلب...... مطلب کہ مجھے اکیلے سونے کی عادت نہیں ہے میں بھی اسی روم میں سوؤں گی جس روم میں آپ سوئیں گے۔'' وہ نظریں جھکائے بہت آہستگی سے بول رہی تھی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں، بچپن سے اب تک میں نمل آپی کے ساتھ سوئی تھی ان کی شادی کے

بعد مما کے ساتھ اور اپنی شادی کے بعد آنٹی کے ساتھ اور......اب......" اس کے عجیب سی نظروں سے دیکھنے کے بعد وہ صفائی میں فوراً بول اٹھی۔

"ٹھیک ہے آپ کمرے میں جا کر سو جائیں میں آتا ہوں۔"

"نہیں آپ میرے ساتھ چلیں، مجھے اکیلے ویسے بھی اس گھر میں ڈر لگتا ہے۔"

"یہ بھی گھر ہے علیشہ بالکل ویسا ہی جیسا تم چھوڑ کر آئی ہو، کوئی بھوت بنگلہ نہیں ہے اور نہ ہی میں بھوت ہوں، بات صرف تمہارے سمجھنے کی ہے، تم اسے گھر سمجھو گی تو ڈر نہیں لگے گا۔" اس کی بات پر اسے بہت ہی طیش آیا تھا تب ہی کچھ تلخ لہجے میں بولا، وہ بناء کچھ کہے پلٹ گئی، اس کی آنکھوں میں چمکتی آنسوؤں کی لہریں اسے نظر آئی تھیں، صائم مرتضٰی ایک بار پھر ان آنکھوں سے ہار گیا تھا، وہ اسے تکلیف پہنچاتی تھی صرف تکلیف، لیکن وہ اسے تکلیف بھی نہیں پہنچانا چاہتا تھا کہ اس کی چاہتوں کی شدت کا یہ تقاضا نہیں تھا، وہ فوراً اس کے پیچھے گیا تھا وہ صوفہ کم بیڈ پر لیٹی تھی اس نے آنکھوں پر بازو رکھ کر گویا خود کو چھپا لیا تھا، صائم مرتضٰی بیڈ پر آ کر لیٹ گیا تا کہ اسے تسلی رہے اور وہ آرام سے سو جائے۔

وہ سونے کی بھرپور ایکٹنگ کر رہی تھی مگر وہ صائم مرتضٰی تھا تب بھی اس کو جان جاتا تھا جب اس سے دور تھی اور اب تو صرف چند قدموں کی دوری پر تھی، وہ جانتا تھا وہ رو رہی ہے مگر وہ خود کو کئی پردوں میں چھپا چکا تھا، علیشہ رضوی کو اس کی جذبات کی شدت کا اندازہ ہی نہیں تھا تو وہ بھی اپنے جذبات کو ہزار پردوں میں دفن کر گیا تھا، علیشہ رضوی کی آنکھیں جل تھل تھیں تو صائم مرتضٰی کی بھی روح بے چین تھی دونوں اپنی اپنی جگہ تڑپ رہے تھے البتہ وجوہات مختلف تھیں۔

☆☆☆

وقت کا پہیہ بہت تیزی سے دوڑ رہا تھا، علیشہ رضوی اپنے سمسٹر میں اس قدر محو تھی کہ اسے سر اٹھانے کی بھی فرصت نہیں تھی، علیشہ رضوی کو صائم مرتضٰی نے الگ گاڑی اور ڈرائیور دے رکھا تھا، دونوں نفوس کے مابین لاتعلقی حد سے سوا تھی، البتہ اس کی تنہائی کا خیال کر کے صائم مرتضٰی جلد گھر لوٹ آتا تھا، شام کو دونوں کا کھانے کی میز پر سامنا ہوتا بھی تھا تو علیشہ رضوی خاموشی سے کھانا کھاتی رہتی، اگر صائم مرتضٰی کوئی ہلکی پھلکی گفتگو کر لیتا تو ہوں ہاں کر دیتی ورنہ اس کی بھی ضرورت محسوس نہ کرتی، آج بھی صائم مرتضٰی کو بتائے بغیر وہ رضوی پیلس آ گئی تھی۔

"تم اکیلی ہو علیشہ، صائم نہیں آیا۔"

"مما وہ بہت بزی ہیں انہیں کہاں ٹائم ملتا ہے۔"

"تم اسے بتا کر تو آئی ہو۔" سارا رضوی نے کوئی ساتویں بار پوچھا تھا۔

"فار گاڈ سیک مما، بس بھی کریں، آپ نے میری شادی کر دی ہے نا میں اپنے گھر میں بہت خوش ہوں ڈیٹس اٹ، آپ مجھے ان کی اتنی بھی پابند نہ بنائیں، اگر آپ چاہتی ہیں میں وہاں اکیلی جلتی کڑھتی رہوں تو فائن، میں نہیں آؤں گی۔" وہ تو آتش فشاں کی طرح پھٹ ہی پڑی۔

"علیشہ اس میں اتنا ہائپر ہونے والی کون سی بات ہے، مما نے بس ایک چھوٹا سا سوال ہی تو پوچھا ہے۔" زرین نے نرمی سے اسے سمجھانا چاہا۔

"آپی آپ بھی تو یہاں آتی ہیں، اپنی مرضی سے رہتی ہیں حازم نے کبھی روکا، اور یوں مما بھی آپ سے کچھ نہیں کہتیں، مجھے ایک دن بھی نہیں رہنے دیتیں، مجھ سے زیادہ انہیں صائم مرتضٰی کی

پرواہ کا خیال ستاتا ہے، فوراً مجھے واپس بھیج دیتی ہیں، کیوں آپی؟ میں اپنے ہی گھر میں اپنی مرضی سے کچھ دن رہ بھی نہیں سکتی۔" وہ روہانسی ہو گئی اور زرین نجانے کیوں نگاہیں چرانے لگی تھی۔

"ٹھیک ہے تم دونوں باتیں کرو، میں تمہارے پاپا کے لئے پرہیزی کھانا بنا لوں۔" بہت پرسوچ انداز میں سارا رضوی نے کہا اور خود وہاں سے اٹھ گئیں، علیشہ کے رویے نے بہت کچھ ثابت کر دیا تھا، ان کے خدشات درست ثابت ہونے لگے تھے۔

اس نے جان بوجھ کر سیل بھی آف کر دیا تھا، صائم مرتضٰی سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لمحے اسے اس سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

"آپ تو شادی کے بعد خواب ہی ہو گئیں ہیں۔" حازم صدیقی اگلے دن شام کو زرین رضوی کو لینے آیا تھا، اس کے پرتکلف انداز پر نجانے کیوں صائم مرتضٰی یاد آ گیا جو بلا ضرورت مسکراتا بھی نہیں تھا۔

"لگتا ہے صائم مرتضٰی سے شادی کے بعد بہت خوش ہیں آپ دوستوں سے میل میلاپ بھی چھوڑ دیا، کچھ زیادہ ہی ناز برداریاں اٹھا رہی ہیں اپنے ہزبینڈ کی۔" وہی ازلی شوخی و شرارت اس کے لہجے میں تھی۔

"بس مصروفیت کچھ بڑھ گئی ہے۔" اس کے سوالوں پر وہ گھبرا اٹھی، اتنے میں صائم مرتضٰی بھی آ گیا، پچھلے دونوں سے اس کا سیل آف تھا، شام کو جب کو لوٹا تو خانساماں نے بتایا، کہ وہ دوپہر کو یونیورسٹی سے آئی ہی نہیں وہ بے طرح پریشان ہو اٹھا تھا، یوں بتائے بغیر وہ کہاں جا سکتی تھی، اس کا پہلا دھیان رضوی پیلس کی طرف ہی گیا تھا، اس کا سیل نمبر بھی آف جا رہا تھا، وہ بہت بے قرار سا گاڑی لے کر پلٹا تھا۔

آخر کسی طرح رضوی پیلس سے تصدیق کرتا، اگر ذیشان رضوی یا سارا سے پوچھتا تو بھی اس کی اپنی انسلٹ تھی کہ اس کی بیوی بتائے بغیر چلی آئی، نئے ایشوز اٹھتے، علیشہ رضوی سے کتنے سوال و جوابا ہوتے وہ الگ پریشان ہوتی، لہٰذا اس نے یہ ارادہ موقوف کر دیا۔

"لیکن اگر رضوی پیلس نہ ہوئی تو......" اس کے دماغ نے دوسری سمت چلنا شروع کیا اور اس کے جسم سے جیسے روح کھنچنے لگی تھی، اس کے کانٹیکٹ میں اس کی جتنی فرینڈز تھیں اس نے ان سے پوچھا تو پتہ چلا کہ اس کی طبیعت بھی ناساز تھی اور وہ جلدی چلی گئی تھی، اس کی پریشانی میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا۔

پھر مجبور ہو کر اس نے سارا رضوی سے اس کے بارے میں پوچھا تو ان سے معلوم ہوا کہ وہیں تھی، اس کی غیر ذمہ دارانہ حرکت پر خون کھول اٹھا تھا مگر وہ صحیح سلامت ہے یہ جان کر دل کو قدرے سکون ملا تھا پھر سارا رضوی کے کال کرنے پر وہ دو دن بعد اسے لینے آیا تھا۔

☆☆☆

"آپ نے کیا جادو کیا ہے علیشہ تو پہلے سے بھی زیادہ حسین ہو گئی ہے۔" حازم نے صائم مرتضٰی کو دیکھتے ہوئے کہا، اس کی بات پر علیشہ رضوی پہلو بدل کر رہ گئی، جس سے حازم صدیقی کا دوستانہ رویہ اسے اپنی طرف کھینچتا تھا آج یہ اسے غیر مہذب پن کے علاوہ کچھ نہیں لگ رہا تھا، زرین رضوی بھی بس منہ کھولے دیکھ کر رہ گئی۔

"جو لوگ قدرتی طور پر خوبصورت ہوں انہیں مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔" وہ شائستگی سے جواب دے رہا تھا اگرچہ اپنی بیوی کو موضوع گفتگو بنتے دیکھنا اس کی برداشت سے

باہر تھا۔

ایش گرے تھری پیس میں، ٹو پیس میں ملبوس حاذم صدیقی کے سامنے صائم مرتضیٰ بہت باوقار اور جاذب لگ رہا تھا، زرین نے دل ہی دل میں تجزیہ کیا اور علیشہ رضوی کے خوش نصیب ہونے پر مہر ثبت کی۔

رات کو ڈنر کے بعد حاذم اور زرین رخصت ہو گئے اور کچھ ہی دیر میں صائم مرتضیٰ بھی جانے کو تیار تھا اس بار انہیں کسی نے بھی روکنے کی کوشش نہیں کی تھی، علیشہ رضوی کی پر امید نگاہوں کو، کہ شاید مما پاپا اسے روک لیں، سارا اور ذیشان دونوں ہی نظر انداز کر گئے تھے۔

''تمہیں مجھے ایک بار انفارم کرنا چاہیے تھا کہ تم رضوی پیلس جا رہی ہو۔'' وہ وائٹ کاٹن کے شلوار سوٹ کے کف موڑتے ہوئے صائم اس کے روبرو بیٹھ گیا۔

''اپنے گھر ہی گئی تھی کہیں اور نہیں گئی تھی جو آپ سے اجازت کی اسٹمپ لگوا کر جاتی۔'' اس کی باز پرس پر وہ چڑ کر بولی۔

''یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔''

''میرے پاس یہی جواب ہے۔''

''سیل کیوں آف کیا تھا؟''

''کیونکہ مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی تھی۔''

''میں کتنا پریشان ہو گیا تھا کچھ اندازہ ہے اس چیز کا تمہیں۔''

وہ شاید آج اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ کتنا تھک گیا ہے اس کا انتظار کرتے کرتے، اس کے چہرے پر مسکان دیکھنا چاہتا ہے، ان سنہری آنکھوں میں اپنے لئے محبت دیکھنا چاہتا ہے اپنے شب و روز صرف اس کی پناہوں میں گزارنا چاہتا ہے۔

''پریشانی کسی بات کی، اب تو آپ جاگیر ہوں، جہاں بھی جاؤں آخری ٹھکانہ تو یہ ہے۔'' اس نے نفرت سے ہنکارا بھرا۔

''کیا تمہیں اس مسکن سے محبت نہیں علیشہ۔'' اس کے لہجے میں امید کے جگنو جگمگا رہے تھے۔

''نہیں نہ اس مسکن سے نہ اس مسکن سے منسلک لوگوں سے۔'' وہ بے دردی کی انتہا کر رہی تھی، صائم مرتضیٰ کے دل میں جیسے طوفان برپا ہو تھا۔

''کیا تم کسی اور میں انٹرسٹڈ ہو؟'' اس کے رویے کی تلخی کا نچوڑ صائم مرتضیٰ نے اس کے سامنے رکھا، علیشہ رضوی کی ساری نفرت اور بیزاری جھاگ کی طرح بیٹھنے لگی تھی وہ حق دق اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی، جس پر بلا کی سنجیدگی تھی، وہ سپاٹ چہرہ لئے بیٹھا تھا، جو بھی تھا اس سوال میں سچائی تھی یا نہیں، لیکن صائم مرتضیٰ اپنی زندگی میں شامل کرنے کے بعد اس سے یہ سوال کرے گا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں؟'' بہتے آنسوؤں کے درمیان اس کا لہجہ لڑکھڑا رہا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔''

''ایسی ہی بات ہے صائم مرتضیٰ، ایسی ہی بات ہے، میری بیزاری کی وجہ بہت خوب تلاش کی ہے آپ نے، میرے ہی کردار کی دھجیاں بکھیر دیں، مجھے میری ہی نظروں میں چھوٹا کر دیا۔'' وہ پھٹ پڑی تھی۔

''تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔'' وہ آگے بڑھا تھا۔

''میں آپ کو غلط نہ سمجھوں اور آپ مجھے جو مرضی سمجھتے رہیں ہاں نہیں ہے مجھے آپ سے محبت، جو سمجھنا ہے آپ سمجھ سکتے ہیں، آئی ہیٹ

یو، صائم مرتضیٰ۔'' وہ پورے زور سے چلائی تھی اور وہاں سے روتی ہوئی نکل گئی، صائم مرتضیٰ صوفے پر ڈھے سا گیا۔

اس کے گھر کی ایک ایک چیز میں علیشہ رضوی کا لمس تھا اور زندگی گزارنے کے لئے اسے یہ خوشبو اور احساس ہی کافی تھا، شکست کی سلوٹوں کا جال اس کی پیشانی پر پھیلا تھا، صائم مرتضیٰ مرد تھا بہت مضبوط مرد مگر اس چھوٹی سی لڑکی سے جدائی کے احساس نے اس کی آنکھوں سے موتیوں کی بارش کر دی تھی۔

☆☆☆

آج پھر وہ ناشتہ کیے بغیر ہی نکل گیا تھا، لیکن شام کو علیشہ رضوی کا احساس کرتے ہوئے اسے لوٹنا ہی تھا اور پھر وہ سب ہو گیا جس کا صائم مرتضیٰ کو اندازہ بھی نہ تھا، اسے معلوم تھا کہ علیشہ رضوی اس رشتے سے ناخوش ہے مگر وہ اس سے اس قدر بدگمان ہے اسے بالکل بھی پتہ نہ تھا، اپنی ازدواجی زندگی کے اولین دن سے ہی اس نے قدامت پسند اور روایتی مردوں والا رویہ اس کے ساتھ روا نہیں رکھا تھا، اس کی تلخی کو بھی مسکراہٹ کے پیالے میں پی گیا تھا۔

اسے لگا تھا وہ اپنی نرمی اور محبت سے اسے جیت لے گا مگر سب بے سود، آج علیشہ رضوی کے ایک ایک لفظ نے اسے بہت چھوٹا کر دیا تھا، وہ تو کبھی کسی کی دل آزاری کا باعث نہیں بنا تھا تو اس ہستی کا دل کیسے توڑ سکتا تھا جو اس کی دل کی دھڑکن سے منسوب تھی، اپنی محبت اور جذبات کو دل میں دفن کرتے ہوئے اس نے آخری فیصلہ کر ہی لیا، گویا کہ فیصلہ کٹھن تھا اور اس پر عمل اس سے بھی زیادہ مشکل، لیکن بعض اوقات جان سے بھی عزیز لوگوں کے لئے خود اپنی خوشیاں ہی قربان کرنی پڑتی ہیں اور صائم صدیقی وہی کر رہا تھا۔

☆☆☆

''غلطی ہماری ہے، علیشہ کے انکار کے بعد ہمیں اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرنی چاہیے تھی، وہ دماغی طور پر اس رشتے کو قبول کر ہی نہیں پائی، صائم بیٹے کی زندگی کو بھی دو حصوں میں بانٹ دیا ہم دونوں نے۔'' سارا رضوی نے ذیشان رضوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں سارا، نجانے کیسے اتنی بڑی چوک ہو گئی ہم سے علیشہ کو سمجھنے میں۔'' ذیشان رضوی نے بھی تاسف سے کہا۔

''اب آپ کے خیال میں کیا بہتر ہے؟''

''کچھ سمجھ نہیں آتا سارا، بیٹی کے بھی گناہ گار ہیں اور بیٹے کے بھی، ان کے جذبات کس قدر پامال ہوئے ہیں ہم سمجھ سکتے ہیں۔'' ذیشان رضوی بے وجہ نادم ہوئے جا رہے تھے۔

''مجھے نہیں لگتا تھا کہ علیشہ، صائم مرتضیٰ جیسے شاندار انسان کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کر پائے گی، جس نے اس کی کئی باتوں کو بچپنا سمجھ کر اگنور کر دیا۔'' سارا رضوی نے کہا ان کے لہجے تک افسوس کی پرچھائیاں تھیں۔

''ہمیشہ ویسا ہی نہیں ہوتا جیسا ہم سوچتے ہیں، یہی زندگی ہے سارا، جیسا علیشہ چاہتی ہے، صائم کرنے کو تیار ہے، وہ کچھ دنوں کے لئے واپس حویلی جا رہا ہے واپسی پر ڈائیورس پیپرز تیار کروا لے گا۔'' باپ ہونے کے باوجود وہ یہ بات کر رہے تھے کہ انہیں دونوں ہی عزیز تھے، سارا کی بھی آنکھوں میں آنسو تھے اور دل میں ماتم برپا تھا۔

☆☆☆

''یہ کیا کیا تم نے علیشہ، سر جیسے بہترین انسان کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔'' زرین نے حیرت و استعجاب سے استفسار کیا۔

"آپ سب کو ان کی جو عظمت نظر آتی ہے وہ مجھے کیوں نظر نہیں آتی۔" وہ الجھ کر بولی۔

"علیشہ تم جو کھونے جا رہی ہو وہ انمول ہے۔" زرین نجانے کیوں اسے صائم مرتضیٰ سے دور نہیں دیکھنا چاہتی تھی، اسے جب پتہ چلا کہ صائم مرتضیٰ اسے ہمیشہ کے لئے رضوی پیلس چھوڑ گیا ہے تو فوراً دوڑی چلی آئی تھی۔

"جو میں کھو چکی ہوں اس کے بعد میں زندگی بھی کھو دوں تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" دل کے کسی کونے سے محبت نے سر نکال کر حاذم صدیقی کی تصویر دکھائی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ پگھلنے لگے تھے۔

"آپ خوش نصیب ہیں آپی، آپ نے جو چاہا پا لیا۔" اسے واقعی ہی زرین رضوی پر رشک آ رہا تھا۔

"یہ خوش نصیبی بہت تکلیف دہ ہے علیشہ، سمجھو میرے نصیب کی سیاہی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ادھر آؤ علیشہ آج میں تمہیں ایک سچائی بتاتی ہوں۔" زرین نے علیشہ کا ہاتھ پکڑا اور صوفے پر آ کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے آپی، آپ اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہیں؟" اس نے پہلی بار زرین رضوی کی سنجیدگی پر غور کیا تھا۔

"کیا تمہیں صائم سر نے کبھی کہیں آنے جانے سے روکا۔"

"کیا مطلب آپی؟" وہ الجھی۔

"مجھے بتاؤ علیشہ۔" وہ اپنے سوال پر مصر تھی۔

"نہیں کبھی بھی نہیں۔" اس نے پوری سچائی سے جواب دیا۔

"کیا انہوں نے تمہارے سیل یوز کرنے پر تنقید کی۔"

"نہیں۔"

"تمہارے سیل کی ہر رات انویسٹی گیشن کی۔"

"نہیں آپی کبھی نہیں۔"

"تمہارے ساتھ تلخ رویہ اپنایا، تمہیں بات بے بات آزادی کا طعنہ دیا۔"

"ہمارے درمیان ایسا کچھ نہیں تھا آپی، انہیں مجھ پر بہت اعتماد تھا، وہ ہمیشہ میری عزت کرتے تھے مجھ سے بھی زیادہ مجھے سمجھتے تھے، انہوں نے کبھی مجھ سے غلط رویہ نہیں اپنایا۔" نجانے کون اس کے اندر صائم مرتضیٰ کی اچھائی کا اعتراف کر رہا تھا اور یہ سب سچ تھا۔

"لیکن آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں آپی، سب ٹھیک تو ہے نا۔" اس کی چھٹی حس کچھ غلط ہونے کا الارم بجا رہی تھی۔

"یہ سب میرے ساتھ ہوتا ہے علیشہ، حاذم کو مجھ پر ایک رتی برابر بھی اعتبار نہیں، انہیں میرے باہر آنے جانے پر اعتراض ہے انہیں میری جاب پر اعتراض ہے انہیں میرے سیل یوز کرنے پر اعتراض نہیں ہے، وہ مجھے میرے والدین کے گھر گزاری زندگی کا طعنہ دیتے ہیں علیشہ، ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھنے کے باوجود ان کا دماغ شک کے کیچڑ میں ہی کلبلاتا رہتا ہے اور ان کی خوش اخلاقی اور شوخ رویہ جو تمہیں بہت پسند ہے وہ ہر دوسری لڑکی کے ساتھ برتتے ہیں، ہر روز ایک نئی لڑکی ان کے ہمراہ ہوتی ہے، ہر اخلاقی برائی ان میں ہے مگر میں اپنی تقدیر پر صبر کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی۔"

"علیشہ رضوی پر حاذم صدیقی کی حقیقت کسی ایٹم کی طرح گری تھی۔"

"حاذم صدیقی، صائم مرتضیٰ کے سامنے

زیرو ہے علیشہ، میں جانتی ہوں تمہارے دل میں آج بھی کہیں نہ کہیں وہ انسان ہے تب ہی تم صائم سر کو ان کا حق نہیں دے پائیں، تم نے سراب کے پیچھے حقیقت گنوا دی علیشہ، وہ انسان کسی کے قابل نہیں، جب اس نے تمہیں چھوڑ کر میرا انتخاب کیا مجھے تب ہی اس کی بھنورا صفت اور پست سوچ کو سمجھ لینا چاہیے تھا، مگر میں نہیں سمجھ سکی، لیکن تم نے اپنی زندگی اس کی خاطر کیوں برباد کی، کیوں صائم سر جیسے انسان کا ساتھ دھتکار کر آ گئی ہو جو اتنے سچے کھرے ہیں، حاذم صدیقی صرف تمہارے دماغ کی بھول ہے علیشہ اور صائم مرتضیٰ تمہاری حیات کے لمحات کی جگمگاتی سچائی۔" زرین رضوی رو رہی تھی اور علیشہ رضوی پر حقیقت کے بہت خوفناک راز شناسائی کی منزل طے کر رہے تھے، یہ سچ تھا کہ اس کے دل میں حاذم صدیقی کی یادوں کا سمندر موجزن تھا تب ہی وہ آج تک صائم مرتضیٰ کو اپنا نہیں سکی، مگر وہ اس قدر گھٹیا ہوگا اس نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

دل و دماغ یہ سب ماننے کو تیار نہ تھا مگر عقل تو شاید کر رہی تھی کہ اس شخص کی شریک حیات جھوٹ کیوں بولے گی، وہ تو سمجھ رہی تھی کہ اس نے حاذم صدیقی کی محبت کو دل میں چھپا لیا ہے مگر زرین رضوی کو تو سب معلوم تھا۔

وہ لمحات کے شکنجے میں پھنسی تھی، ایک بار پھر سارے راستے آپس میں گڈمڈ ہو گئے تھے، حاذم صدیقی کی اصلیت قابل قبول نہ تھی تو صائم مرتضیٰ کے ساتھ جو اس نے کیا وہ بھی قابل بیان نہ تھا، اس کے دل و دماغ میں عجیب سی ہلچل مچ گئی تھی۔

☆☆☆

"یہاں کھڑی رہو گی تو رات کی تاریکی سے میری چاندنی کو نظر لگ جائے گی۔" وہ ٹیرس پر کھڑی چاند سے محو گفتگو تھی جب صائم مرتضیٰ کی نرم گرم سرگوشی اسے پھوار میں بھگو گئی، وہ گھبرا کر کمرے میں آ گئی، آئینے میں اپنے خوبصورت عکس کو دیکھ کر اسے وہ رات یاد آ گئی جب وہ صائم مرتضیٰ کے لئے سجی تھی، اس کی انگلیوں کے پوروں کا لمس اسے اپنے بالوں شانوں اور گردن پر محسوس ہو رہا تھا۔

"یعنی آپ میرے لئے اداس ہو۔" ایک اور شوخ سرگوشی اسے چونکا گئی۔

"مجھے کوئی حق نہیں ہے آپ کے بارے میں سوچنے کا، میں آپ کے قابل نہیں ہوں سر، ایک ایسے انسان کے لئے میں آپ کے جذبات پامال کرتی رہی جو ان کے قابل ہی نہیں تھا، آپ کو کسی ایسی لڑکی کی ضرورت ہے جو آپ کو سنبھال لے اور وہ لڑکی میں نہیں ہوں، میں نے انجانے میں آپ کو بہت تکلیف پہنچائی ہے اور میری یہی سزا ہے کہ میں آپ کی یاد میں ہمیشہ تڑپتی رہوں، اپنے رویے پر پچھتاؤں اور انہی پچھتاوؤں میں میری زندگی تمام ہو جائے۔" اپنے خوبصورت عکس سے اسے بے پناہ نفرت محسوس ہو رہی تھی اپنا آپ بہت کریہہ اور بے رحم لگ رہا تھا۔

"کیا تھک نہیں گئے آپ یہ اچھائی کا ڈھونگ رچاتے رچاتے میرا دم گھٹتا ہے یہاں، نفرت ہے مجھے ان در و دیوار سے نفرت ہے مجھے آپ سے، گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی میں ایک دن، کچھ نہیں ہو سکتا ہمارے بیچ، وقت حالات اور آپ کی نرمی کا دکھاوا کچھ بھی ہمارے درمیان حائل خلیج کو پاٹ نہیں سکتا، کیا کریں گے آپ مجھے اپنا بنانے کے لئے، ماریں گے یا روایتی مردوں والا طریقہ اپنائیں گے اپنی مردانگی مجھ پر ظاہر کریں گے، دیر کس بات کی ہے اتار دیں یہ نیک نیتی کا نقاب جس سے نجانے کس کس کو بے وقوف

بنایا ہے آپ نے......

''فضول کے کام کرنے کا ٹائم نہیں میرے پاس......'' یہ سب کچھ اور نجانے کتنے بے رحم الفاظ تھے جس سے اس نے اس بے پناہ خوبصورت دل رکھنے والے انسان کو چھلنی کیا تھا۔

''ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا سر۔'' اس نے تہہ دل سے اس سے معافی مانگی تھی اور تکیے میں منہ چھپا کر رو دی کہ پچھتاوا تھا کہ بڑھتا ہی جاتا تھا، درد تھا کہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح ایک نیا ہنگامہ لئے نمودار ہوئی، حاذم صدیقی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، وہ سب آگے پیچھے ہسپتال روانہ ہوئے تھے، زرین اسے پٹیوں میں جکڑا دیکھ کر تڑپ اٹھی تھی اس کی حالت بہت مخدوش تھی، سارا اور علیشہ اسے سنبھال رہی تھیں، کچھ دن اسی مصروفیت میں گزر گئے، زرین رضوی، حاذم صدیقی کی دیکھ بھال کر رہی تھی، گزشتہ چند دنوں میں علیشہ صائم مرتضٰی کے بارے میں سوچ ہی نہیں پائی تھی، سوچتی بھی تو اپنے رویے کی بدصورتی پر شرمساری کے علاوہ کچھ محسوس نہیں ہوتا تھا۔

آج ذیشان رضوی کے اطلاع دینے پر وہ حاذم صدیقی کو ہاسپٹل دیکھنے آیا تھا، وہ حاذم صدیقی سے حال احوال پوچھ رہا تھا علیشہ رضوی چپکے سے روم سے نکل آئی۔

وہ آج بھی اتنا ہی بھرپور اور جاذب تھا، نظر لگ جانے کی حد تک حسین اور باوقار، اس کی علیشہ رضوی کی طرف پشت تھی، علیشہ رضوی کی نظر اس کے بھرے بھرے چوڑے شانوں پر تھی۔

''تم واقعی سحر زدہ ہو صائم مرتضٰی مگر مجھے تمہاری قدر و منزلت کا اندازہ تب ہوا جب تم مجھ سے دور ہو گئے۔'' اس کا دل بہت شدت سے دھڑکا تھا، وہ باہر نکل رہا تھا، علیشہ رضوی نے بہت تیزی سے رخ موڑا تھا، اس کا فرار وہ بھانپ گیا تھا، وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بھی اس کی حالت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

بلیک سوٹ میں پرسوز حسن کے ساتھ وہ اسے اپنے دل سے بھی زیادہ قریب لگی تھی، سنہری آنکھوں کے گرد گلابی ہوتے غلاف اس کے رونے کی چغلی کھا رہے تھے وہ تو یہی سمجھا تھا کہ وہ زرین اور حاذم کی وجہ سے اپ سیٹ ہے، وہ جانتا تھا کہ وہ بہت نرم دل ہے ہر چیز کو بہت جلد محسوس کر لیتی ہے، ہاں بس اس کے بارے میں ہی پتھر دل تھی۔

''میں نے طلاق کے پیپرز تیار کروا لئے ہیں، انہیں اسٹڈی کر کے بھجوا دوں گا تم سائن کر دینا، اب تمہیں زیادہ دن میرے نام کی قید میں نہیں رہنا پڑے گا۔'' علیشہ رضوی کی رنگت ایکدم زرد پڑ گئی، اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ لیا تھا، آنسو بن بلائے مہمان کی طرح چلے آ رہے تھے، صائم مرتضٰی اس کی غیر ہوتی حالت کو سمجھ نہیں پا رہا تھا، اس کے دور جانے کے احساس سے وہ حال سے بے حال ہو رہی تھی یا کوئی اور وجہ تھی۔

''مجھے ہمیشہ آپ کے نام کی قید میں رہنا ہے۔'' اس کے دل نے دہائی تھی، مگر لبوں نے جنبش نہ دی تھی کہ الفاظ آواز کی صورت میں برآمد ہو پاتے۔

''اپنا خیال رکھنا علیشہ۔'' بس اس کا دل کیا کہ وہ اسے کہے تو اس نے آج دل کی مان لی، اگلے ہی لمحے وہ لمبے ڈگ بھرتا باہر کی طرف چل دیا، لمحہ بہ لمحہ اس کی شبیہ اس سے دور ہوتی جا رہی تھی، صائم مرتضٰی کا عکس دھندلا ہوتا ہوتا کہیں گم ہو گیا تھا، وہ اپنی بدنصیبی خود اپنی تقدیر میں رقم کر چکی تھی، اس پر جتنے آنسو بہاتی کم تھا۔

☆☆☆

''علیشہ بیٹے کیا بات ہے آپ روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہو کھانے پینے سے کیوں لڑائی کر رکھی ہے میری بیٹی نے۔'' اسے ہر لمحہ گم صم دیکھ کر سارا رضوی نے پیار سے پچکارا۔

''کچھ نہیں مما بس ایسے ہی۔''

''میں جانتی ہوں مجھ سے اور آپ کے پاپا سے بہت بڑی غلطی ہو گئی آپ کی زندگی کا فیصلہ کر کے لیکن یوں رہ کر آپ ہمیں مزید شرمندہ کر رہی ہیں، ہو سکے تو ہمیں معاف کر دینا۔''

''ایسا کچھ نہیں مما، اپنے ہر فعل کے لئے میں خود جوابدہ ہوں اور اپنے ہر عمل کے لئے میں خود ذمہ دار ہوں۔''

''پھر اتنی اداس کیوں ہو علیشہ، تمہاری اداسی میرا دل دہلائے رکھتی ہے۔''

اسے تو خود پتہ نہیں تھا کہ سب کچھ حسب منشاء ہونے کے باوجود وہ خوش کیوں نہیں تھی، صائم مرتضٰی کیوں اس کے حواسوں پر چھا گیا تھا، وہ بھی تب جب وہ اس کی رسائی سے بہت دور تھا۔

''مما میں اپنے روم میں ہوں، زرین آپی آئیں گی تو ہم ساتھ کھانا کھائیں گے۔'' وہ فرار کی راہیں تلاش رہی تھی اور سارا رضوی نے بھی اسے روکا نہیں تھا۔

☆☆☆

''حاذم کا رویہ میرے ساتھ بہتر ہو رہا ہے علیشہ۔'' شام کو زرین نے اس سے باتیں کرتے ہوئے بتایا۔

''یہ تو اچھی بات ہے لیکن یہ ہوا کیسے؟''

''کیونکہ انہیں میرے علاوہ توجہ دینے والی کوئی نہیں وہ ٹوٹلی مجھ پر ڈیپینڈنٹ ہیں شاید میری سچائی پر انہیں یقین آ جائے اور ہم ایک نئی شروعات کر سکیں۔'' اسے یقین نہیں آیا تھا کہ وہ

ہدایت دی اور وہاں سے نکل گئی، پتہ نہیں کیوں اس میں حوصلہ نہیں تھا صائم مرتضٰی کا سامنا کرنے کا، بہر حال خانساماں نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اسے کیسے بھی وہیں روک لیا تھا اور ایک گھنٹے تک کمرے میں نہیں جانے دیا تھا، صائم مرتضٰی نے چپ چاپ کھانا شروع کر دیا مگر خانساماں کی مچلتی ہنسی اسے کسی غیر معمولی بات کا پتہ دے رہی تھی۔

''کیا بات ہے آج آپ بہت خوش لگ رہے ہیں۔'' کھانا ختم کرتے ہی اٹھتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

''کچھ نہیں صائم بابا، آپ اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں۔'' وہ مسکراتے ہوئے برتن اٹھانے لگے تو صائم مرتضٰی بھی کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی، ایک لمحے کے لئے نگاہیں چندھیا گئیں تھیں، پھر جس ہستی کو اس نے اپنے سامنے کھڑا پایا وہ اسے اپنا الوژن ہی لگا، وہ گومگو کی کیفیت میں کھڑا تھا۔

وہ کوئی سپنا تھا یا حقیقت وہ تصدیق نہیں کر پا رہا تھا، وائٹ اور پرپل کمبی نیشن کے شلوار سوٹ میں وہ مجسمہ حسن اس کے سامنے تھی، آنکھوں میں کاجل تحریر رقم تھی تو شنگرفی ہونٹوں پر لپ اسٹک کی تہہ تھی، بالوں کو جوڑے کی شکل میں باندھا ہوا تھا، وہ الجھ کر آگے بڑھنے لگا تھا جب اس کی آواز نے شہادت دی کہ یہ کوئی الوژن نہیں بلکہ وہی دشمن جاں ہے۔

''سر!'' وہ محض اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

"تم...... آئی مین...... یہاں کیا کر رہی ہو اس وقت۔" اپنی حیرت پر قابو پاتا وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"تمہیں اپنا سامان چاہیے تھا۔" اس نے قیاس لگایا تو علیشہ رضوی کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے، لیکن وہ ہمت نہیں ہاری تھی۔

"آپ فریش ہو کر آئیں ہم پھر بات کرتے ہیں۔" وائٹ شلوار سوٹ اسے تھماتے ہوئے بولی۔

اس کے بڑھتے ہاتھ کو نظر انداز کرتا وہ وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"یہ شلوار سوٹ پہن لیں پلیز۔" وہ نظریں جھکائے کہہ رہی تھی، اس کے لہجے میں شکست بہت نمایاں تھی اس بار صائم مرتضیٰ نے کچھ نہیں کہا اور اس کے ہاتھ سے ڈریس لے لیا، مگر انداز ایسا تھا گویا احسان ہی کیا گیا ہو، تقریباً بیس منٹ بعد وہ نکھرا نکھرا سا واش روم سے برآمد ہوا وہ بیڈ کے کنارے بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی، وہ بالوں میں اِدھر اُدھر برش چلا کر اس کے قریب ذرا فاصلے پر بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ کیوں آئی ہو تم یہاں۔"

"کیا یہ میرا گھر نہیں ہے۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"ہوں، تھا تمہارا اگر تم نے کبھی سمجھا نہیں۔" وہ بہت تاسف سے کہہ رہا تھا، اور علیشہ رضوی شرمندہ تھی۔

"وہ میری بھول تھی سر، میری نادانی تھی۔"

"لیکن تمہاری نادانی کا احساس تمہیں بہت دیر سے ہوا ہے علیشہ، میں نے خود کو سمجھا لیا ہے۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں جانتی ہوں جو میں نے کیا وہ ناقابل معافی ہے، میں نے آپ کا دل دکھایا ہے لیکن پھر بھی میں اپنے رویے کی آپ سے معافی مانگتی ہوں۔"

"کیا معاف کر دینا اتنا ہی آسان ہے، تم نے کتنے خوبصورت دن ضائع کر دیئے علیشہ، تم نے میرے احساسات کو مٹی میں ملا دیا، تم نے مجھے توڑ دیا۔"

"مجھے سزا دیں سر، آپ جو سزا دیں گے مجھے قبول ہے، مگر مجھے خود سے الگ مت کریں، بے شک مجھے اپنے دل میں جگہ مت دیں لیکن مجھ پر اتنا رحم کریں کہ میں آپ کو دیکھ کر اپنی زندگی گزار سکوں، آپ سے دور رہ کر مجھے احساس ہوا کہ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔" جذبات میں بہہ کر اس نے روتے روتے کتنی بڑی سچائی کا اعتراف کیا تھا وہ خود نہیں جانتی تھی۔

"میرے لئے ان لمحوں کو فراموش کرنا آسان نہیں ہے اس تکلیف کو بھلانا آسان نہیں ہے جو تمہارے انتظار میں میرے حصے میں آئی۔" وہ واقعی بہت ٹوٹ چکا تھا۔

"مجھے اور شرمندہ مت کریں، میں واقعی اپنے کیے پر بہت......" جملہ مکمل ادا نہیں ہوا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، صائم مرتضیٰ نے اسے تسلی نہیں دی تھی، اسے چپ بھی نہیں کروایا تھا وہ کافی دیر روتی رہی تھی، اسے بہت دیر بعد اندازہ ہوا تھا کہ اس نے آنے میں دیر کر دی ہے، وہ رخ موڑے کھڑا تھا، وہ بھی اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

"مجھے معاف کر دیجئے گا سر، گو کہ میں معافی کے قابل نہیں ہوں لیکن جیسے آپ نے میری ہر خطا کو درگزر کیا اس غلطی کو بھی معاف کر دیجئے گا، میں ہمیشہ آپ کی خوشیوں کی دعا مانگوں گی۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے کر دیئے، صائم مرتضیٰ کے تو تصور میں بھی ایسی معافی نہیں

تھی وہ تڑپ کر رہ گیا۔

"جب میرے بغیر رہ نہیں سکتی تو پھر مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہی ہو۔" صائم مرتضیٰ نے اس کے آنسوؤں کی رفتار دیکھ کر مزید تنگ کرنا مناسب نہیں سمجھا، معاف تو وہ اسے تب ہی کر چکا تھا جب وہ خود چل کر اس گھر میں واپس آئی تھی، تھوڑا بہت جو غصہ تھا وہ اس کے اقرار نے رفع کر دیا، وہ رونا دھونا بھول کر اس کی بات کا مفہوم سمجھنے لگی تھی۔

"ہاں مت جاؤ علیشہ، تم میرے دل کی اولین خواہش ہو، تمہارے بغیر یہ شب و روز کس اذیت میں گزارے ہیں میں بتا نہیں سکتا۔" اس کے جڑے ہاتھوں کو تھام کر وہ بیڈ کی طرف بڑھ گیا۔

"مجھے اپنی چاہت کی سچائی پر یقین تھا، مجھے یقین تھا کہ تم لوٹ کر ضرور آؤ گی۔" وہ اقرار کر رہا تھا اس نے بہت محبت سے اس کے آنسوؤں کو چن لیا۔

"میں بہت بری ہوں سر، میں نے خود اپنے ساتھ اور آپ کے ساتھ بہت برا کیا۔" اس کے محبت بھرے انداز اسے پھر نادم کرنے لگے تھے۔

"ہاں بہت بری ہو، لیکن پھر بھی میرے دل میں رہتی ہو۔"

"مجھے معاف کر دیں سر۔" وہ ایک بار پھر رو پڑی۔

"میں آپ کی محبت کے قابل نہیں ہوں سر۔"

"بس اب ایک لفظ اور نہیں، میں ماضی کی تلخ حقیقتوں کو ڈسکس کر کے اپنے اس حسین لمحے کو ضائع نہیں کرنا چاہتا جو ہوا وہ وقت کا بھنور تھا جو آج ہے وہ کل سے بہتر ہے اور ہم ان لمحوں سے اتنی خوشیاں کشید کریں گے کہ ماضی کا کوئی لمحہ ہمارے مابین نہیں آئے گا۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

"آپ بہت اچھے ہیں سر آپ کا دل بہت بڑا ہے۔"

"پہلی بیوی ہے جو اپنے شوہر کو سر کہہ رہی ہے اب تو میرا نام لے لو یار۔" اسے ٹون بدلنے میں ایک لمحہ لگا تھا۔

"ویسے لڑتے ہوئے پورا نام لیتی ہو۔" اس نے گزشتہ گفتگو یاد دلائی تو وہ پھر شرمندہ ہونے لگی۔

"سارا قصور آپ کا ہے، میں نے منع کر دیا تو کیا ہوا، آپ نے تو یوں مجھ سے منہ موڑا جیسے میں آپ کی کچھ لگتی ہی نہیں آپ میری طرف دیکھتے بھی نہیں تھے پتہ ہے مجھے کتنا دکھ ہوتا تھا۔" وہ اپنی ہی رو میں بول گئی۔

"اچھا اب نظر انداز نہیں کروں گا صرف تمہیں ہی دیکھوں گا۔"

اس کے لہجے کی بڑھتی شرارتوں کی پرواہ کیے بغیر وہ اپنی ہی کہہ رہی تھی۔

"اچھا اب نہیں کروں گا ایسی بات، آئی ایم سوری۔" وہ اس کے ہاتھ اپنی گرفت میں لے کر بولا اور ذرا سا اسے اپنے قریب کیا۔

"نو آئی ایم سوری، ساری غلطی میری ہے۔" سنہری آنکھیں ایک بار پھر برس اٹھیں۔

"بس اب بالکل نہیں رونا علیشہ، ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔" ہمیشہ کی طرح اسے دھمکی ہی دینی پڑی تھی۔

"چپ ہو جاؤ علیشہ ورنہ مجھے اپنا حق استعمال کرنا پڑے گا۔" اس کے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چنتے ہوئے وہ محبت سے بولا، علیشہ رضوی کا وجود نجانے کیوں تپنے لگا، اس کے وجود سے عجیب سی حدت نکلنے لگی وہ گھبرا

کر پیچھے ہوئی، صائم مرتضیٰ اس کی ادا پر مسکراتا ہوا وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا اور ایک کیس نکال لایا۔

''یہ تمہارے لئے بہت پہلے خریدے تھے، مگر دینے کا موقع اب آیا ہے۔'' بہت خوبصورت جڑاؤ دو کنگن اسے تھماتے ہوئے وہ بولا۔

''بتاؤ کیسے ہیں، ویسے میری بیوی کے لئے شاپنگ میں تو تم نے میرا ساتھ دینا تھا۔'' اس نے کوئی ماضی کی یاد دلائی۔

''بہت خوبصورت ہیں، شاید میں آپ کی بیوی کے لئے اتنی خوبصورت چیز نہ خرید پاتی۔'' وہ بھی کھل کر مسکرائی۔

''میری بیوی زیادہ خوبصورت ہے، ہے نا۔'' وہ اس پر ذرا سا جھک کر اس کی رائے مانگ رہا تھا، جواباً وہ شرما کر سر جھکا گئی۔

''پہن لو، اتارنے کی ڈیوٹی تو میں نے ہی سرانجام دینی ہے۔'' اس نے کسی گزشتہ یاد کا حوالہ دیا تو علیشہ رضوی کی جھکی گردن مزید جھک گئی، پھر اس نے خود ہی اس کلائی میں وہ کنگن پہنا دیئے۔

''پرامس تم اب مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گی۔''

''آئی پرامس آپ بھی وعدہ کریں کہ آئندہ مجھے دور کرنے کی بات نہیں کریں گے۔'' اس نے کسی خدشے کے پیش نظر بہت لاڈ سے کہا۔

''نہیں کروں گا۔''

''اتنی دور کیوں بیٹھی ہو علیشہ، ادھر آؤ میرے پاس۔'' صائم مرتضیٰ نے بہت محبت سے اسے پکارا تو وہ شرماتی لجاتی اس کے پہلو میں ٹک گئی، صائم مرتضیٰ نے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے اسے بالکل اپنے ساتھ لگا لیا۔

''بہت تنگ کر لیا تم نے مجھے، اب میری باری ہے کہیں نہیں جانے دوں گا تمہیں۔'' وہ بہت مخمور سی سرگوشی اس کے کانوں میں کر رہا تھا اور علیشہ رضوی کے ہاتھوں کے طوطے اڑتے جا رہے تھے۔

''آؤ علیشہ ایک دوسرے کو اپنی محبت کی وفا کا اعتبار سونپیں گزرے ہر پل کی پرچھائی کو اپنے آج سے مٹا دیں۔'' وہ اس سے وفا کا اعتبار مانگ رہا تھا اور اس نے دیر نہیں کی تھی۔

''ایک بات اور......'' وہ اچانک بولا۔

''کیا؟'' علیشہ رضوی حیران ہوئی۔

''یہ بال میرے سامنے باندھ کر مت رکھا کرو۔'' اس نے پھر خود ہی اس کے بال کھول دیئے تھے، علیشہ رضوی شرما کر اس کی بانہوں میں سما گئی تھی، اس کے رگ و پے میں عجیب سی سرشاری سرائیت کر گئی۔

صبح جب سارا رضوی نے اسے گھر سے نکلتے دیکھا تو پوچھا تھا۔

''کہاں جا رہی ہو علیشہ؟''

''اپنے گھر مما......'' اس نے برجستہ جواب دیا، تو سارا رضوی اس کے فیصلے پر بے پناہ خوش تھیں، زرین نے بھی اس کے فیصلے کو بہت سراہا تھا اور بالآخر خوشیاں اس کا مقدر ٹھہریں۔

''میں آپ کی ہمیشہ فرمانبردار بن کر رہوں گی کہ سراب اور دھوکے میں بہت وقت برباد ہو گیا صائم، آپ ہی میری زندگی کی حقیقت ہیں، خدا ہمارا آنگن خوشیوں سے آباد رکھے۔'' اس نے دعا مانگی، بھیگتی رات نے ان کی خوشیوں کو سویرے کی نوید دی تھی۔

☆☆☆

''بس میں نے کہہ دیا نا؟ اب دوبارہ اس موضوع پر بات نہ کرنا میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں کہ تمہاری بہانے بازیوں پر کان دھروں اور روز جو تم ڈرامے کرتے رہتے ہو اس پر غور کروں سمجھے؟'' فائق کے کمرے سے آتی اس کی گرجدار آواز برابر والے کمرے میں قرآن پاک پڑھتی فاخرہ کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گئیں۔

وہ کچھ دیر تک مزید اور بھی اکبر پر برستا رہا تھا، ان کی ذہنی رو اس کی جانب ہی لگی ہوئی تھی کہ انہیں گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی جس کا مطلب تھا کہ وہ ڈیوٹی کے لئے ہسپتال روانہ ہو رہا ہے۔

انہوں نے قرآن پاک کو چوما اور غلاف میں لپیٹ کر جزدان میں رکھ کر لاؤنج کی طرف آئیں تو سامنے ہی لاؤنج میں کارپٹ پر اکبر کو کو رنجور سا بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان کے دل کو کچھ ہوا۔

نہ جانے فائق میں اتنا غصہ کیوں بھرا رہتا تھا ہر وقت جیسے مرچیں چبائے رکھتا، ملازموں کی ڈانٹ ڈپٹ کرنا تو جیسے اس کا معمول تھا جبکہ فاخرہ کا خیال تھا کہ ملازمین سے پیارے بات کر کے بھی اپنا کام کروایا جا سکتا ہے، کیا یہ ضروری ہے کہ ہم دوسرے انسان کی تضحیک کریں آخر وہ بھی اللہ کے بندے ہیں اگرچہ فاخرہ کو بیٹے کا ایسا تند رویہ قطعی پسند نہیں تھا لیکن وہ یہ سب اس سے نہیں کہتی تھیں کیونکہ ان کی یہ سوچ تھی کہ جب بیٹے جوان ہو جائیں تو کسی بھی متوقع بدمزگی سے پہلے ہی ماؤں کو اپنی حدیں مقرر کر لینی چاہئیں۔

''کیا بات ہے اکبر؟ ایسے کیوں بیٹھے ہو؟''

''جج...... جی...... بی بی جی...... ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' فاخرہ کے مخاطب کرنے پر وہ جیسے اپنے خیالوں سے چونکتے ہوئے بولا۔

''تو پھر اتنے پریشان کیوں ہو؟ اور فائق تم پر اتنا غصہ کیوں کر رہا تھا؟'' وہ اس کے پاس رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''نہیں...... جی...... پریشانی کیسی؟'' وہ اداسی سے بولا۔

''تم فائق کی باتوں کو دل پر نہ لیا کرو، بس وہ تھوڑی سی سخت طبیعت کا ہے ورنہ دل کا برا نہیں ہے بس زبان کا کڑوا ہے۔''

''نہیں...... نہیں...... بی بی جی...... میں بھلا صاحب جی کی باتوں کا برا کیوں مناؤں گا، ان کا پورا حق ہے کہ میں اگر ان کا کوئی کام وقت پر نہ کروں تو وہ مجھے ڈانٹیں لیکن بات یہ ہے کہ میری چھوٹی بہن جس کی چھ مہینے پہلے ہی شادی ہوئی ہے، اس کو اچانک ہی ٹائیفائیڈ بخار ہو گیا ہے اور وہ ہسپتال میں ہے، اماں نے کہا کہ مجھے جانا چاہیے اور ابا جی کی وفات کے بعد میں ہی اس کے باپ کی جگہ پر ہوں لیکن صاحب جی چھٹی نہیں دے رہے، وہ مجھے جتنا بھی برا بھلا کہہ لیں ڈانٹ پھٹکار کر لیں مجھے کوئی پرواہ نہیں، پر ان کی ایک بات سے میرا بہت دل دکھا ہے انہوں نے میری بہن کے بارے میں کہا کہ مرتی ہے تو مر جائے، اس کے جانے سے دنیا کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا، زندگی تو چاہے امیر کی ہو یا غریب کی ہر کسی کی ہی قیمتی ہوتی ہے۔'' اس نے اپنے سانولے کھردرے ہاتھوں سے آنکھوں سے اڈتے آنسوؤں کو صاف کیا تو فاخرہ جیسے کانپ سی گئیں، ان کے گھر کی دہلیز پر ایک غریب کا دل دکھا تھا اور وہ رو رہا تھا اور اس کی دل آزاری کرنے والا بھی ان کا اپنا بیٹا تھا۔

''اس خدا کے تصرف میں ہے وہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے تو پھر ہم کیوں تکبر میں آ جاتے ہیں؟ اگر اکبر کی جگہ ہم آ جائیں اور وہ ہماری جگہ تو...... انسان تو قدرت کے کاموں کے سامنے بے بس ہے نا۔'' ان کے ذہن کی سلیٹ پر جیسے ہی سوچ ابھری وہ اندر باہر سے کانپ سی گئیں۔

''اکبر...... بیٹا...... فائق کی طرف سے میں تم سے معذرت کرتی ہوں، بس آج کل اس پر کام کا بوجھ بہت زیادہ ہے اس لئے تھک سا جاتا ہے، میرے بیٹے کو بد دعا مت دینا۔'' ان کے التجائیہ لہجے پر اکبر جیسے تڑپ اٹھا۔

''میں بلا ایسا کر سکتا ہوں، صاحب جی کو تو میں اپنے بڑے بھائیوں کی جگہ اور آپ کو اپنی ماں کی جگہ سمجھتا ہوں، اسی لئے تو آپ کے سامنے دل کی بات کہہ دی، کیا آپ کو میرے خلوص پر شک ہے بی بی جی؟''

''میں تمہاری محبت اور خلوص پر شک کر ہی نہیں سکتی بیٹا۔'' انہوں نے مہربان نظر اس کے سانولے چہرے پر ڈالی۔

وہ بیس سال کا غیر شادی شدہ نوجوان تھا اور اسے تین سال ہو گئے تھے ان کے گھر کام کرتے ہوئے، گھر میں اگرچہ اور بھی ملازمین تھے لیکن وہ بہت ذمہ دار تھا یہی وجہ تھی کہ فائق کو اپنے ہر کام کے لئے اس کی عادت پڑ گئی تھی وہ صبح فائق کے ہسپتال جانے سے پہلے ہی آ جاتا اور رات کو اس کے سارے کام نپٹا کر دس بجے کے قریب واپسی جاتا تھا، اتنے عرصے میں اس نے انہیں کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا یہی وجہ تھی کہ فاخرہ کو بھی اس سے خاص انسیت ہو گئی تھی۔

''لو بیٹا، یہ پیسے رکھ لو اور کل کی چھٹی تمہیں میں دے رہی ہوں۔'' فاخرہ نے اپنے کمرے سے اسے پیسے لا کر دیے تو وہ چند ثانیے سوچ میں پڑ گیا۔

''لیکن صاحب جی ناراض نہ ہوں۔'' اس نے جیسے کسی خدشے کے تحت پوچھا۔

''تم فکر مت کرو، میں فائق سے بات کر لوں گی۔''

''لیکن......'' وہ تذبذب کا شکار ہوا تو اس کے چہرے پر لکھی تحریر پڑھ کر فاخرہ مسکرا دیں۔

''میں فائق کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔'' جواباً وہ انہیں دعائیں دیتا ہوا چلا گیا تو فاخرہ نے گہری سانس خارج کی۔

درحقیقت وہ فائق کی اتنی خشک طبیعت سے پریشان رہتی تھیں، حالانکہ پیشے کے لحاظ سے وہ ڈاکٹر تھا، وہ صبح ہسپتال جاتا تھا جبکہ شام کو پرائیویٹ کلینک چلاتا تھا، صبح و شام مریضوں میں گزارا رہتا تھا اس لئے اسے تو بہت نرم خو حساس اور رحمدل ہونا چاہیے تھا جبکہ اس کے برعکس وہ اتنا ہی خشک اور اپنے آپ میں رہنے والا تھا، فاخرہ جتنی حساس دل تھیں وہ اتنا ہی تند مزاج تھا۔

شوہر کے انتقال کے بعد وہی ان کی کل دنیا تھا، اس کی تمام عادات بہت اچھی تھیں، وہ صوم و صلوہ کا بہت پابند تھا اور کسی بھی اخلاقی برائی سے کوسوں دور تھا ماسوائے اس خامی کے اور فاخرہ اسے بھی اس کی شخصیت سے دور کرنے کی شدت سے خواہشمند تھیں۔

☆☆☆

''اکبر'' رات آٹھ بجے فائق گھر آیا تھا چنانچہ اکبر کو آواز دے کر وہ اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا، یہ اس کا روز کا معمول تھا وہ اکبر کو مخاطب کر کے اپنے کمرے کی سمت بڑھ جاتا تھا اور اکبر پھرتی سے اس کے لئے دودھ گرم کر کے اسے دے کر آتا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے

دیگر کام بھی کر دیتا، وہ لیپ ٹاپ کھولے کچھ کام کر رہا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔
"آ جاؤ۔" اس نے مصروف سے انداز میں کہا، دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو وہ اکبر کو مخاطب کرتے کرتے رہ گیا کیونکہ سامنے سے فاخرہ آ رہی تھیں۔
"امی...... آپ...... آیئے بیٹھیں۔" اس نے اپنی ٹانگیں سمیٹتے ہوئے بیڈ پر ان کے لئے جگہ بنائی۔
وہ سائیڈ ٹیبل پر دودھ کا مگ رکھ کر اس کے پاس بیٹھ گئیں۔
"اکبر کدھر ہے؟" س نے انہیں استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔
"دودھ ٹھنڈا ہو جائے گا، پی لو۔" وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔
آج وہ دل میں فیصلہ کر کے آئی تھیں کہ وہ باتوں ہی باتوں میں ہلکے پھلکے انداز میں اسے ضرور سمجھانے کی کوشش کریں گی اور بحیثیت ماں یہ ان کا فرض بھی بنتا تھا، کہ وہ اس کی کسی کی بھی غلط بات یا روش پر اسے سرزنش کریں بے شک وہ بڑا ہو گیا تھا اور اس دور سے نکل گیا تھا جب ہر کام بچہ ماں سے پوچھ کر کرتا ہے لیکن بچہ چاہے جتنا بھی بڑا ہو جائے اسے ماں باپ کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ بڑا ہوتا جاتا ہے تو اسی حساب سے ماں باپ کی عمر اور تجربہ بھی بڑا ہوتا جاتا ہے۔
"آپ نے مجھے اکبر کے بارے میں نہیں بتایا، آپ کو خوامخواہ میرے لئے تکلیف اٹھانی پڑی۔" اس نے دودھ پیتے ہوئے دوبارہ ان سے استفسار کیا۔
"کیوں؟ میں تمہارا اتنا سا کام بھی نہیں کر سکتی؟ تمہیں پال پوس کے اتنا بڑا میں نے کیا ہے اکبر نے نہیں۔" انہوں نے پیار سے اس کے بالوں کو بکھیرتے ہوئے کہا تو وہ جھینپ کر مسکرا دیا، اس کا موڈ خوشگوار ہوتا دیکھ کر وہ بولیں۔
"اکبر کو میں نے چھٹی دے دی ہے، اس کی بہن بیمار ہے نا۔"
"اوہو، امی یہ کیا کیا آپ نے؟ اب پتہ نہیں کتنے دن لگا کر آئے گا وہ، آپ کو پتہ بھی ہے کہ میرے چھوٹے چھوٹے سارے کام وہی کرتا ہے، ان لوگوں کو تو عادت ہوتی ہے جھوٹے بہانے بنانے کی، تنخواہ پوری لیتے ہیں اور آئے دن کوئی نہ کوئی رشتہ دار کی بیماری کا بہانہ بنا کر چھٹی کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔" یک لخت ہی فائق کے لہجے میں بیزاری در آئی تھی اور چہرے پر سرد تاثرات ابھر آئے تھے۔
"کوئی بات نہیں بیٹا، ایک دن کی چھٹی پر ہی گیا ہے وہ اور چھوڑو اس بات کو، مجھے یہ بتاؤ زیادہ مصروف تو نہیں ہو، کیا میں اپنے بیٹے کا تھوڑا سا ٹائم لے سکتی ہوں؟"
"ارے نہیں تو مصروفیت کیسی؟ اس وقت تو میں فارغ ہی ہوتا ہوں۔" اس نے خالی کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔
"تو پھر ٹھیک ہے، آج ہم ماں بیٹا باتیں کریں گے، عرصہ ہو گیا، تمہاری اتنی مصروفیت میں تو ڈھنگ سے بات کرنے کا بھی وقت نہیں ملتا۔" وہ ممتا لٹاتی نظروں سے اپنے ہونہار بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔
"کیوں نہیں، یہ تکیہ لیں اور ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھیں۔" اس کے چہرے کے خوشگوار تاثرات بتا رہے تھے کہ اس کا ذہن اکبر کی طرف سے یکسر ہٹ گیا ہے، انہیں یک گونہ اطمینان محسوس ہوا۔
"فائق! نیکی کیا ہوتی ہے؟ اگر تم سے پوچھا

جائے کہ ایک مکمل نیک انسان کسے کہا جاتا بیٹا تو تم اس کی تشریح کرو گے؟" وہ مختلف موضوعات پر باتیں کر رہے تھے جب باتوں کے دوران اچانک ہی فاخرہ نے فائق سے پوچھا، یکدم وہ ٹھٹک سا گیا۔
"یہ آپ مجھ سے کیا پوچھنے لگ گئیں۔" وہ ان کے سوال پر گڑبڑا سا گیا۔
"ویسے ہی پوچھ رہی ہوں، کوئی اتنا مشکل سوال تو نہیں پوچھا میں نے۔" انہوں نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"میرے خیال میں تو نیکی اسے ہی کہا جاتا ہے جو پوری نمازوں کی پابندی کرے، زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں مشغول رہے، قرآن باقاعدگی سے پڑھتا ہو، تہجد گزار بھی ہو، میرے خیال میں یہی نیک انسان کی صفات ہوتی ہیں۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے انہیں دیکھا۔
"ہوں تو تمہارے نزدیک نیک انسان بس وہی جو حقوق اللہ پورے کرتا ہوں۔" فاخرہ کے ذومعنی لہجے پر وہ الجھی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔
"تو پھر آپ بتایئے کہ نیک انسان کی کیا خوبیاں ہونی چاہئیں۔" چند ثانیے خاموشی کے بعد فائق نے ان سے استفسار کیا۔
"عام طور پر ہم نیک اس بندے کو ہی کہتے ہیں جو حقوق اللہ پوری تندہی سے انجام دے رہا ہو لیکن بیٹا، کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ نماز پڑھ کر قرآن پڑھ کر یا روزے رکھ کر ہم نیکی نہیں کر رہے ہوتے بلکہ یہ تو سب کچھ ہم پر فرض ہے جسے ہمیں ہر صورت ادا کرنا ہے اور ہمارا المیہ ہے کہ ہم اپنے حصے کے فرائض ادا کر کے خود کو نیک گرداننے ہیں اور متکبر ہو جاتے ہیں، ہم اپنی زندگی میں جس طرح اپنے حصے کے باقی فرائض ادا کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی ہمارے فرائض کا حصہ ہے لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ ہم اپنے اس فرض کو نیکی میں شمار کر کے باقی تمام چھوٹی چھوٹی نیکیوں کو جو درحقیقت نیکیاں ہوتی ہیں ان سے خود کو بری الذمہ قرار دے دیتے ہیں، اس لئے میرے خیال میں تو مکمل نیک انسان اسے کہنا چاہیے جو حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی پورے کرے، کیا لوگوں کے ساتھ نرمی برتنا، دوسروں کے دکھ درد کا خیال کرنا، کسی سے خوش اخلاقی سے ملنا نیک انسان کی صفات نہیں ہونی چاہئیں، ہماری تھوڑی سی محبت اور مٹھاس بھرا لہجہ اگر کسی کے چہرے پر مسکراہٹوں کے پھول بکھیر دے تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں نیکی کی ہی تو مختلف شکلیں ہیں، نا۔" اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے تائیدی انداز میں اس کی طرف دیکھا، نہ تو ان کے لہجے میں طنز کی کاٹ تھی اور نہ ہی کچھ جتانے کا احساس تھا، وہ عام سے لہجے میں کہہ رہی تھیں لیکن پھر بھی ان کی خود پر مرکوز تائیدی نظریں اسے شرمسار سا کر گئی تھیں۔
باتوں ہی باتوں میں فاخرہ نے اس کی توجہ کتنے اہم نقطے کی طرف مبذول کروا دی تھی اور اسے خود میں موجود خامی سے بھی روشناس کروا دیا تھا جو اسے آج سے پہلے کبھی خود میں نظر نہیں آئی تھی یا شاید فاخرہ نے اتنے خوبصورت انداز میں اسے سمجھایا تھا کہ وہ اپنے اندر جھانکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔
"چلو اب تم آرام کرو، رات کافی ہو گئی ہے میں بھی اب آرام کروں گی، بہت باتیں کر لیں ہم نے۔" انہوں نے اس کے چہرے پر سوچوں کے سائے پھیلتے دیکھے تو فوراً ہی اپنی گفتگو سمیٹ دی، یقیناً وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں جو اسے سمجھانا

جیا اور جانان

ظل ہما

چاہ رہی تھیں اس میں کسی حد تک کامیاب ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

''سلام صاحب جی۔'' اکبر نے ڈرتے ڈرتے فائق کو سلام کیا۔

وہ آج صبح ہی گھر پہنچا تھا اور سیدھا نوکری پر آ گیا تھا کہ فائق کے غصے سے واقف تھا اور اب دروازہ فائق نے ہی کھولا تھا حالانکہ صبح ہمیشہ فاخرہ ہی دروازہ کھولتی تھیں لیکن آج فائق کو سامنے دیکھ کر اس کے اوسان ہی خطا ہو گئے تھے۔

''وعلیکم السلام کیسے ہو؟ اور تمہاری بہن کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' اس نے اکبر کے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کرتے ہوئے پوچھا وہ جو فائق کے شدید ردعمل کو جھیلنے کے لئے دل کڑا کر رہا تھا، اس کے نرم لہجے پر تحیر آمیز بے یقینی کی کیفیت میں گھرا اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

''ج...... جی...... صاحب جب...... وہ......اب تو پہلے سے بہت بہتر ہے۔'' اس کے لہجے سے عیاں تھا کہ وہ شدید بے یقینی کی کیفیت میں ہے کہ کیا اس کے صاحب جی اتنے نرم لہجے میں بھی بات کر سکتے ہیں، جبکہ اکبر کی کیفیت پر محفوظ ہوتے فائق کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ در آئی۔

''چلو یہ تو اچھی خبر ہے۔''

''بس صاحب جی اللہ کا بڑا کرم ہے جی ورنہ وہ تو بڑی سخت بیمار ہو گئی تھی۔'' جواباً اکبر بولا۔

''اکبر میں نے پرسوں غصے میں تمہیں کافی برا بھلا کہہ دیا تھا اور تمہاری بہن کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کیے تھے جن کا میں حق نہیں رکھتا تھا، یقیناً تمہارا دل دکھا ہو گا میں اس کے لئے معذرت کرتا ہوں، اگر تمہیں میری کسی بھی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہنا۔''

''ارے صاحب جی یہ آپ کیسی بات کر رہے ہیں، میں اس قابل تو نہیں کہ آپ مجھ سے معافی مانگیں۔'' وہ تشکر اور خوشی کی ملی جلی کیفیت میں گھرا ہوا بولا۔

''نہیں اکبر اپنی غلطی کا احساس ہو جانے سے کسی سے معافی مانگ لینے سے، کسی سے تسلی بھرے چند جملے بول لینے سے عزت گھٹتی نہیں بلکہ ہم دوسروں کی نظروں میں اور معتبر ہو جاتے ہیں اور مجھے یہ بات اچھی طرح سمجھ آ گئی ہے۔''

''جی صاحب جی بالکل ٹھیک لیکن......''

''آ...... ہاں بس اب باتیں بگھارنا بند کرو اور جلدی سے ناشتہ بنا کر لاؤ اس سے پہلے کہ میں پھر غصے میں آ جاؤں۔'' فائق نے مسکرا کر اسے ٹوکا۔

فاخرہ بیل کی آواز سن کر کمرے سے باہر آئی تھیں لیکن اکبر اور فائق کے مابین گفتگو سن کر وہی کھڑی ہو گئی تھیں۔

انہوں نے محبت بھری نظر بیٹے کے چہرے پر ڈالی جس کے خوبصورت نقوش جو ہمیشہ سخت اور پتھریلے تاثرات لئے ہوتے تھے آج وہی نقوش نرمی اور ملائمت کا تاثر لیے کتنے دلکش لگ رہے تھے انہوں نے دل ہی دل میں بیٹے کی نظر اتاری۔

اپنے آپ پر نظر رکھ کر خود کو سرزنش کرنا اور اپنی غلطی کا اعتراف کرنا بڑا ہمت کا کام ہے اور فائق نے یہ کام بخوبی کر لیا تھا، اس سے فاخرہ نے اپنے دل میں خوشی کی بے پناہ رمق کو محسوس کیا تھا۔

☆☆☆

اس نے پردہ ہٹا کر کھڑکی سے باہر جھانکا، بارش تواتر سے ہو رہی تھی، وہ اس ٹپ ٹپ برستی بارش سے سخت بیزار ہوا، اس کی طبیعت میں ٹک کے بیٹھنا نہیں تھا اور سرما کی اس بارش سے زیادہ کمرے میں ماما نے ٹھنڈ لگنے کے ڈر سے بند کیا تھا، اس کو ہمیشہ سرما کی بارش میں بھیگنے سے فلو اور بخار ہو جاتا تھا، وہ پلٹنے والا تھا کہ مدھم سی موسیقی کی آواز پر متوجہ ہوا، سامنے والے گھر کی سائیڈ دیوار کے ساتھ والے ٹیرس پر بیٹھا وجود یقیناً نظر انداز کیے جانے کے قابل ہرگز نہیں تھا، گرم شال میں لپٹا وہ دھان پان سا وجود بے نیازی کی اتنی عمدہ مثال تھا کہ وہ داد دیئے بنا نہ رہ سکا، وہ آنکھیں بند کیے موسیقی کی لے کے ساتھ پاؤں ہلانے میں مصروف تھی، اس نے الفاظ پر توجہ دی۔

پھولوں میں رنگوں میں خوابوں میں میں نے اسے دیکھا ہے
میں نے اسے دیکھا ہے پھولوں میں رنگوں میں خوابوں میں
بادلوں سے گزرتے ہوئے چاند میں چھپ کے جلتے ہوئے
بجھے تاروں کے پہلو میں پچھلے پہر آنکھ ملتے ہوئے
روشنی کی طرح نیم وا کھڑکیوں سے نکلتے ہوئے
خوابوں میں شہروں کی گلیوں میں میں نے اسے دیکھا ہے

اسے اس ماحول نے مسمرائز کر دیا تھا، یکا یک ہی وہ برستی بارش، کرسی پر نیم دراز وجود اس کی تمام تر توجہ کا مرکز بن گیا تھا، باقی سب کچھ جیسے منظر سے ہٹ گیا تھا، کندھوں پہ بکھرے ریشمی بال، چھوٹی سی ناک، گھنی پلکیں، گلاب ہونٹ، دودھیا رنگت، نازک سا سراپا، اس کی نظروں نے بہت حیرت اور احترام سے اس کے نقوش کو چھوا تھا پھر برستے آسمان کی جانب دیکھا تھا کہ ایسا کیا ہوا ہے، جو یہ چہرہ یکدم اپنے دل میں دھڑکتا محسوس ہو رہا ہے، بارش مزید تیز ہوگئی تھی، ہر طرف سحر طاری تھا۔

وہ چاہتے ہوئے بھی نظر نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

''اونہوں۔'' اس نے بے لگام ہوتے دل اور بے قرار نظروں کو ڈپٹا۔

''معاذ میاں انسان بن جاؤ، کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا کہ کبھی لڑکی نہیں دیکھی جو اتنے باؤلے ہو رہے ہو۔'' اس نے پردہ برابر کیا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

وہ موسم کے سحر میں گرفتار اس بات سے انجان تھی کہ آس کا یہ بے خبر اور لاپرواہ انداز کسی کے دل کی دنیا اتھل پتھل کر گیا ہے، بارش ابھی بھی برس رہی تھی اور محبت نے مسکراتے ہوئے اس لڑکی کو دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

''جاناں! کہاں تھی تم، اتنی دیر سے کال کر رہی ہوں، نہ میسج کا جواب نہ کال اٹینڈ کر رہی تھی تم۔'' وہ اس کو دیکھتے ہی کوریڈور کے دوسرے سرے سے چلائی تھی جبکہ اس کی آواز پہ بہت سے لوگ مڑ کر اس کی اور اس کی جاناں کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

جاناں اتنے لوگوں کو متوجہ دیکھ کر کچھ گھبرا گئی تھی، جبکہ اس کو کسی کی پرواہ نہیں تھی وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتے نان سٹاپ بولنے میں مصروف تھی، آج ان کا یونیورسٹی میں پہلا دن تھا، جاناں کی سنجیدگی اور جیا کا چلبلا پن ایک بہت خوبصورت سا تاثر دیتا تھا، آنے والے دنوں میں لوگوں نے دیکھا کہ واقعی جیا کی جاناں جیا کے ساتھ اتنی مکمل تھی کہ کسی تیسرے کو ان کے درمیان آنے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔

وہ دونوں ایم ایس سی سائیکولوجی کی سٹوڈنٹ تھیں، جاناں پڑھائی میں بہت اچھی تھی تو جیا بھی کچھ کم نہیں تھی، اس کی ایکسٹرا ایکٹوٹیز اس کو نمایاں کرتی تھیں، جلد ہی اس کو بلا مقابلہ پولیس کی جی آر منتخب کر لیا گیا تو اس کا حلقہ احباب بھی بڑھتا گیا جس پہ سب سے زیادہ غصہ جیا کی اماں جان کے بعد جاناں کو آیا کرتا تھا کیونکہ جیا کوئی بھی کام جاناں کے بنا تکمیل تک نہیں پہنچتا تھا، دوسری طرف یہ ہی حال جاناں کا تھا، دونوں کزن بھی تھیں سو گھر والے بھی ایک دوسرے کے بہت قریب تھے، جیا جاناں کی پھپھو کی بیٹی تھی، اکثر جیا جاناں کی طرف اور جاناں جیا کی طرف پائی جاتی تھی، اکثر لوگ مذاق کرتے تھے کہ پتہ نہیں چلتا کہ جیا کن کی بیٹی ہے اور جاناں کن کی، تیمور اور ارسلان کی دوستی کے رشتے کو ان کی بیٹیوں نے اور بھی مضبوط کر دیا تھا۔

☆☆☆

''سر پلیز میں ایک بات پوچھنا چاہوں گی۔'' جیا نے ہاتھ کھڑا کیا تھا۔

ایجوکیشنل سائیکولوجی کی کلاس میں وہ اکثر ایسے سوال کیا کرتی تھی جو سر اعجاز کو غصہ دلاتے تھے، وہ ان استادوں میں سے تھے جو سوال جواب کی بجائے صرف لیکچر دے کر کلاس روم سے چلے جاتے ہیں۔

''جی پوچھیئے۔'' انہوں نے بادل نخواستہ اجازت دی تھی۔

''سر کیا ایرک ارکن کی سائیکو سوشل تھیوری سے آپ اتفاق کرتے ہیں؟'' وہ ان کو بحث کرنے پر اکسا رہی تھی، سب طلباء کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی، ان کو اندازہ تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔

''آپ کو کوئی اعتراض ہے اس تھیوری پہ؟'' انہوں نے تیوری چڑھائی جبکہ مقابل پر کوئی اثر نظر نہ آیا۔

''سر جب ہم کہتے ہیں ہر فرد دوسرے فرد سے اپنی خصوصیات کی بناء پر مختلف ہے تو پھر ہم عمر کے مطابق اس کو تقسیم کیسے کر سکتے ہیں؟''

''دیکھیئے یہ ایک جنرل تھیوری ہے اس کی ایپلیکیشن ایوریج لوگوں پر ہوگئی، اب آپ کسی پاگل یا اندھے کی سوشل ڈویلپمنٹ تو ایسے ممکن نہیں ہو سکتی نا۔'' انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی، مگر مقابل کو ایک نیا نکتہ مل گیا۔

''سر کیا ذہنی معذور شخص یا بینائی سے محروم شخص کا اپنی محرومی میں کوئی قصور ہوتا ہے جو ہم ان کو سوشل سرکل سے نکال دیں اور سر جتنا میں جانتی ہوں ہم بینائی سے محروم شخص کو Person with visual impairment تو کہہ سکتے ہیں اندھا نہیں، یہ اخلاقیات کے منافی بھی ہے اور جاہل معاشرے کی علامت بھی۔'' اس نے بنا جھجکے ان کی غلطی کی نشاندہی کی تھی۔

''بس سر شی از رائیٹ، ڈس ایبل لوگ بھی عزت کے متقاضی ہوتے ہیں۔'' سیف جو کہ سی آر بھی تھا، نے جیا کی حمایت کی، باقی سب بھی باری باری حصہ ڈالنے لگے۔

جیا اپنے دلائل اور بحث میں اتنی مصروف تھی کہ کسی کی گہری نظریں بھی محسوس نہیں کر پائی، کسی کی مکمل توجہ کا مرکز تھی وہ، جبکہ کلاس میں ایک نئی بحث شروع ہو چکی تھی۔

☆☆☆

''ماما...... ماما جلدی سے کھانا لگا دیں، بہت بھوک لگی ہے۔'' معاذ دھڑ ادھڑ سیڑھیاں اترتے ہوئے شور مچاتا آ رہا تھا، معوذ نے چینل بدلتے ہوئے ہٹ کر اسے دیکھا اور مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا، دونوں بغل گیر ہوتے بیٹھ گئے تھے۔

''کہاں تھے بڑے بھائی، سارا دن دکھائی نہیں دیئے۔'' معاذ جو سکرین پر بڑے دھیان سے دو سیاسی مرغوں کو لڑتے دیکھ رہا تھا، متوجہ ہوا۔

''یار بس کالج کے بعد ہاسپٹل پھر آ کے سو گیا تو اب اٹھا ہوں۔'' وہ میڈیکل کے فورتھ ائیر میں تھا اور کافی مصروف رہا کرتا تھا۔

''تم سناؤ دن کیسا رہا؟'' اس نے ساری توجہ معوذ پر مرکوز کی تھی جو آج کل کافی بدلا بدلا بلکہ ہونق نظر آ رہا تھا، معاذ کے ہتھے وہ آج چڑھا تھا سو پوچھنے کا ارادہ کیا بلکہ ٹٹولنے کا، کیوں کہ وہ جلدی بات اگلنے والوں میں سے نہ تھا۔

''بہت اچھا، آج کل سر اعجاز کی شامت آئی ہوئی ہے، ہماری جی آر کے ہاتھوں۔'' وہ سارا قصہ سنانے لگا تھا جبکہ معاذ نے بات بدلی۔

''یہ بتا رات تجھے کیا ہوا تھا؟ آدھی رات کو اٹھ کر ٹیرس پر بیٹھا کون سا وظیفہ کر رہا تھا؟'' اس نے ڈائریکٹ حملہ کیا تھا، معوذ بوکھلا گیا۔

''میں کیا وظیفہ کروں گا ایسے ہی نیند نہیں آ رہی تھی۔''

''آثار بتا رہے ہیں کافی گڑبڑ ہے۔'' معاذ معنی خیزی سے مسکرا رہا تھا۔

''کیا مطلب؟ آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں جیسے میرے سر پہ سینگ ہوں۔'' وہ انجان بنا۔

''اچھا بیٹا استادوں سے استادی، اتنا تو اندازہ ہو گیا ہے کہ چکر محبت کا ہے ورنہ تم جیسا نیک شریف بچہ راتوں کو جاگتا نہ پھرتا۔'' وہ دور کی کوڑی لایا۔

''بس اب جلدی سے بتا دے کون ہے وہ؟'' معاذ کی ایک خوبی یا خامی بہت بے صبر ہونا بھی تھا، تبھی نگہت وہاں چلی آئیں۔

''چلو بیٹا کھانا لگ گیا ہے۔'' وہ دونوں اپنی نوک جھونک ملتوی کر کے کھانے کی میز پر پہنچ گئے۔

''ماما میں نے معاذ کے لئے لڑکی ڈھونڈی ہے آپ اس کی شادی کر دیں۔'' اچانک ہی اسے معاذ کو گھیرنے کا موقع ملا تھا۔

''کیا...... کیا؟'' معاذ کے ہاتھ سے چمچ گرا تھا جبکہ ماما بھی حیران تھیں۔

''یہ بندہ میرے لئے لڑکی پسند کر چکا ہے جو کپڑے تک میری پسند سے پہنتا ہے، نہ بابا نہ، شادی تو میں اپنی مرضی سے کروں گا، یہ تو کسی افلاطون لڑکی سے شادی کرا دے گا اور میں بے چارہ مارا جاؤں گا۔'' وہ الٹی سیدھی ہی ہانک رہا تھا۔

''اپنی مرضی سے کرنے لگے تو ہر ماہ بیوی بدل چکی ہو گی آپ کی، ہر دوسرے دن تو نئی لڑکی سے محبت ہو جاتی ہے تمہیں۔'' مقابل بھی اس کا بھائی تھا۔

''بکو نہیں۔'' وہ جھینپ گیا۔

''اس بار سچی محبت ہوئی ہے مجھے، میں تمہیں دکھاؤں گا وہ لڑکی، تمہیں پسند آئے گی اور ماما کو بھی۔'' وہ ارادے باندھ رہا تھا جبکہ ماما مسکراتے ہوئے کھانا کھانے میں مصروف تھیں۔

☆☆☆

''جاناں یہ محبت کیا ہوتی ہے؟'' جیا نے اچانک پوچھا تھا جبکہ جاناں نے اچھل کر اس کی طرف دیکھا، اس کا نیا ایڈونچر کافی خطرناک تھا۔

''جو بھی ہوتی ہے تمہیں ہو تو نہیں گئی؟ اگر کرنے کا ارادہ ہے تو بتا دینا میں پہلے سے جوتوں کا بندوبست کر کے رکھوں اور اگر اس سے بھی بات نہ بنے تو میں پھپھو اور ماموں کو بتا دوں، میں تمہیں ہرگز اجازت نہیں دوں گی کہ تم ان کی عزت کو اس محبت نامی بلا پہ لٹا دو اور......'' ابھی اس کا جوش خطابت عروج پر تھا کہ جیا نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔

''چپ کرو موٹی، سارے شہر کو سناؤ گی

کیا؟'' اس نے دانت پیسے جبکہ جاناں اس کا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹا کر چپ بیٹھ گئی۔

''ہاں اب میری بات سنو۔'' وہ جاناں کے کان میں گھس گئی تھی۔

''وہ جو بقراط ہے ناں۔'' اس نے کلاس کے سب سے گم صم بلکہ مستقل گم لڑکے کا نام لیا تھا، انداز کافی پراسرا سا تھا، جاناں پریشان ہو گئی۔

''ہاں ہے پھر کیا تمہیں اس سے محبت ہو گئی ہے؟'' وہ ششدر تھی۔

''اُف۔'' اس نے اپنی بجائے جاناں کا سر پیٹ لیا۔

''پوری بات سنو گی تم؟''

''آج جب مجھے ایڈمن ہیڈ نے بلایا تھا تو مجھے وہاں ثانیہ ملی، وہی جو اس بقراط سے نوٹس مانگ مانگ کے رٹے لگاتی ہے۔'' اس نے نشاندہی کی، جاناں نے ٹوکا۔

''تو؟...... اگر ثانیہ کو اس سے محبت ہوئی ہے تو تمہیں کیا اعتراض؟''

''او کے تم بس اپنے مفروضے قائم کرتی رہو، میں نہیں بتا رہی۔'' وہ ناراضگی سے اٹھی تو جاناں نے بازو کھینچ کر پھر بٹھا لیا، وہ بھی پھر جوش سے بتانے لگی۔

''تمہیں پتہ ہے ناں، ثانیہ میں اور کوئی خوبی ہو نہ ہو، اس کی مشاہداتی حس بہت اچھی ہے۔'' اس نے گواہی مانگی جبکہ جاناں نے بس سر ہلانے پر اکتفا کیا، اب اگر وہ کچھ کہتی تو جیا سے واقعی مار پڑ جاتی، مگر اسے اس سارے قصے میں جیا کی اس پراسراریت کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''وہ ثانیہ نے آج مجھے بتایا ہے کہ وہ کئی دن سے آبزرو کر رہی ہے کہ بقراط میں کچھ تبدیلی آئی ہے، وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کھوجتا رہتا ہے اور آج کل ایک لڑکی کو بہت غور سے دیکھتا ہے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسے محبت ہو گئی ہے اس لڑکی سے، اس کا ثبوت یہ کہ اس نے اپنے جنرل پہ اس کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے۔'' اس نے ایک ہی سانس میں بتایا۔

''تو؟...... تم کیوں اس کے قصے میں ٹانگ اڑا رہی ہو؟'' اس نے تفتیش کی۔

''دادی اماں۔'' جیا نے دانت کچکچائے۔

''اس لڑکی کا نام نہیں پوچھو گی جس پہ بقراط میاں مر مٹے ہیں۔''

''وہ بھی بتا دو تم۔'' جاناں نے گویا احسان کیا۔

''جیا......!'' اس نے ایٹم بم سے بڑا دھماکہ کیا تھا، جاناں ہل کر رہ گئی۔

''یعنی تم......؟'' وہ بے یقین تھی، اس کا اثبات میں ہلتا سر، وہ گھوم کر رہ گئی۔

☆☆☆

وہ اکیلی برے برے منہ بناتے کینٹین میں بیٹھی آتے جاتے لوگوں کو تاڑنے میں مصروف تھی، آج جاناں کی طبیعت ناساز تھی تو اس کو اکیلے ہی آنا پڑا، وہ بھی کبھی نہ آتی اگر اسے کوئز کمپٹیشن کی تیاری کے لئے سر رندھاوا سے مواد نہ لینا ہوتا، آج جمعہ تھا اور اگلے دو دن یونیورسٹی بند رہنا تھی، سو ناچار اسے آنا پڑا، آج شروع کی دو کلاسز کے بعد وہ کچھ دیر تو سر رندھاوا سے سر کھپاتی رہی پھر بور ہوتی یہاں آ کر بیٹھ گئی، ابھی آخری کلاس رہتی تھی ورنہ وہ گھر جا چکی ہوتی۔

کچھ دیر اس نے اِدھر اُدھر پھرتی لڑکیوں سے ہیلو ہائے کی، مگر کب تک؟ آخر کار سب اپنے اپنے گروپس میں بزی ہو گئیں، تو وہ سینڈوچ کو دانتوں سے کترتی تانک جھانک کر رہی تھی تبھی سامنے سے بقراط آتا نظر آیا تو اس کی شکل پہ نظر

پڑتے ہی اسے ثانیہ اور اس کا پر یقین لہجہ یاد آ گیا، وہ لاشعوری طور پر سنبھل کر بیٹھ گئی، بقراط سیدھا اسی کی میز پر آیا تھا، وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

''السلام علیکم! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے، اگر آپ کی اجازت ہو تو؟'' وہ کھنکھارتا ہوا بولا پھر خود ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا جبکہ وہ اپنا اعتماد اکٹھا کر رہی تھی، پھر سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''جی فرمایئے۔'' اس کا انداز استفسارانہ تھا، جبکہ مقابل بھی پر اعتماد انداز میں مسکرایا۔

''کیا میں آپ کا ایڈریس جان سکتا ہوں؟''

''جی؟'' وہ اتنی غیر متوقع بات پر بھونچکا رہ گئی، پاکستانی فلم کی ہیروئن ہوتی تو یقیناً آج دو فٹ تک اچھل چکی ہوتی مگر وہ جیا تھی، اصلی زندگی کی ہیروئن، سو صرف حیرت سے اس کی طرف دیکھا، کھلتا منہ بھی بڑی مشکل سے بند کیا تھا۔

''آپ میرے ایڈریس کا کیا کریں گے؟'' اس کا لہجہ کڑا تھا۔

''بارات لاؤں گا۔'' گلابی ہونٹوں کے ساتھ براؤن آنکھیں بھی مسکرائیں، اس نے گڑبڑا کر آنکھیں جھکا لیں، وہ کافی ڈھیٹ شخص تھا۔

''دیکھیں جیا!'' اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''میں بہت گھما پھرا کر بات نہیں کروں گا، سمپل سی بات ہے کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، ایڈریس اس لئے پوچھا کہ اپنی والدہ کو بھیج سکوں۔''

''آپ خود کہاں رہتے ہیں؟'' اس نے جوابی سوال کیا۔

''میں گلبرگ فیز ٹو میں رہتا ہوں، میرے فادر کی ڈیتھ ہو چکی ہے گھر میں ماما میں اور میرا دس منٹ بڑا بھائی معاذ ہوتا ہے، وہ میڈیکل میں ہے اور مجھے یقین ہے آپ میرے گھر والوں کو بہت پسند آئیں گی۔'' دوسری طرف وہ پر یقین تھا کہ جیسے وہ پچھلے پانچ سال سے اس کی محبت کا دم بھرتی رہی ہو۔

''دیکھئے مسٹر۔'' وہ سانس لینے کے لئے رکی تو وہ جلدی سے بولا۔

''بقراط! آپ تو مجھے یہی کہتی ہیں ناں، ویسے مجھے معوذ کہا جاتا ہے۔'' اب کے جیا کا منہ واقعی کھل گیا تھا، جو اس نے بہت دیر بعد بند کیا۔

''آپ جو کوئی بھی ہیں، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تاہم میں یونیورسٹی رشتے تلاشنے نہیں آتی، یہ کام میرے والدین خود کر لیں گے اللہ ان کو سلامت رکھے۔'' اچانک ہی نہ جانے کس بات پہ اس کو غصہ آیا تھا سو بے نقط سنانی چلی گئی۔

''آپ بہتر ہو گا کوئی اور لڑکی جا کر ڈھونڈیں، میں اس ٹائپ کی نہیں ہوں۔'' وہ مقابل کی حیرت سے دیکھتی آنکھیں اور کچھ کہنے کے لئے کھلتے لب نظر انداز کرتی فائل اور بیگ سنبھالے نکلتی چلی گئی، مقابل ابھی تک شاک میں تھا۔

''شاید کچھ زیادہ ہو گیا۔'' جیا نے خود سے سرگوشی کی، جاناں نے کہا تھا اگر وہ کچھ کہے تو جھاڑ دینا، اچھی بیٹیاں ایسا ہی کرتی ہیں، دل کی دماغ سے جاری جنگ میں الجھتی وہ کلاس روم کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

''معوذ جلدی باہر آؤ تمہیں کچھ دکھانا ہے۔'' معاذ ٹیرس سے آوازیں دے رہا تھا، وہ

کسلمندی سے لیٹا رہا پھر معاذ کی مسلسل آوازوں پہ اٹھ کر ٹیرس پہ آ گیا، معاذ ریلنگ سے لٹکا سامنے والے گھر میں جھانک رہا تھا، اسے آتا دیکھ کر غصے سے اس کی طرف پلٹا۔

''اب بھی نہ آتے، وہ چلی گئی ہے اب۔'' اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔

''ہائیں کون؟'' اس کے پلے کچھ نہ پڑا۔

''یہ جو سامنے والا گھر دیکھ رہے ہو ناں، وہاں تمہاری بھابی رہتی ہے، ابھی وہ ٹیرس پہ بیٹھی تھی تو تمہیں بلایا کر دیکھ لو، بعد میں کہو گے مجھے نہیں دکھایا۔'' معاذ نے اسے تفصیل بتائی تو وہ الجھی نظروں سے سامنے دیکھنے لگا، بات سمجھ میں آئی تو وہ معاذ کے پیچھے لپکا جو واپس نیچے جا رہا تھا، دونوں نے سیدھا لاؤنج میں بیٹھی ماما کے پاس جا کر بریک لگائی تھی، دونوں ان کے گرد بیٹھ گئے، معوذ نے ماما کو شکایت لگائی، جبکہ معاذ مسکرا رہا تھا۔

''ماما اس نے چپکے سے لڑکی بھی ڈھونڈ لی ہے اور مجھے بتایا بھی نہیں۔''

''ارے بیٹا! مجھے آج ہی بتایا ہے اس نے، سامنے والے گھر میں رہتی ہے، اچھی فیملی ہے، میں کل جاؤں گی ساتھ، تم بھی چلنا۔'' ماما نے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''یہ بتاؤ تمہیں محبت کب ہوئی؟'' معوذ نے تفتیش کی۔

''یار بس برستی بارش میں ایک چہرہ یوں بھایا کہ پھر کچھ اور نہیں سوجھا، کچھ دن میں نے دل کو چیک کیا پھر دل کی مان کر ماما سے کہا کہ وہ جا کر اس کی فیملی سے بات کریں۔'' معاذ نے مختصر بات بتائی۔

''اوہ۔'' اس نے سیٹی بجائی۔

''ماما ملوانا تو میں نے بھی ہے کسی سے آپ کو مگر......'' ابھی اس کی بات نامکمل تھی کہ باہر برستی بارش نے ماما کی توجہ کھینچی۔

''معوذ چندا جلدی سے ٹیرس کا دروازہ بند کر کے آؤ ورنہ سارا کارپٹ گیلا ہو جائے گا۔''

اس نے بات ادھوری رہ جانے پر برا سا منہ بنایا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا، دروازہ بند کرتے اس نے ایک بار تجسس سے سامنے والے ٹیرس پر دیکھا تو وہاں موجود چہرہ اسے منجمد کر گیا، ایک بار دو بار، سہ بار، وہ وہی تھا۔

☆☆☆

جاناں کی منگنی کا شور اچانک اٹھا تھا، وہ بھی یونیورسٹی اور باقی سب سرگرمیاں بھلائے تیاریوں میں مگن تھی، البتہ کبھی کبھار اسے وہ بقراط اور اس کی براؤن آنکھیں ضرور ڈسٹرب کرتی تھیں جسے وہ سر جھٹک کر نظر انداز کر دیتی تھی، اس نے کئی بار جاناں کے منگیتر سے ملنے کی فرمائش کی مگر ان کی والداؤں نے کسی بھی فرمائش پر کان نہ دھرے کیونکہ جیا سے کسی بھی الٹی حرکت کی توقع کی جا سکتی تھی، آج بھی وہ شاپنگ کر کے لوٹی تھی تو صوفے پر لیٹی مسلسل ہائے ہائے کرنے مصروف تھی تبھی ڈور بیل بجی تو اسے اٹھنا پڑا، اتنے میں کچن میں کام کرنے والا لڑکا شاہد دروازہ کھولنے پہنچا تو وہ وہیں رک کر دیکھنے لگی کہ کون ہے، جانی پہچانی آواز پہ وہ چونک کر آگے بڑھی۔

''یہ کچھ چیزیں ماما نے دی ہیں، اپنی بی بی سے چیک کرا لینا، انہیں پسند ہیں کہ نہیں۔'' شاہد اسے پہچانتا تھا سو سر ہلا کر شاپرز پکڑ لئے۔

''معوذ اور یہاں؟'' وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی تو شاہد کو آواز دی۔

''شاہد کون آیا تھا؟'' وہ شاپر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''جاناں بی بی کے منگیتر آئے تھے، یہ

چیزیں انہوں نے بھیجی ہیں۔"

"کیا؟" وہ شاپر تھامنا بھول گئی تھی۔

"اتنا بڑا دھوکہ؟ پرپوز مجھے کر رہا تھا اور شادی جاناں سے؟ کیا جاناں یہ بات جانتی ہے؟" اس نے پلٹ کر لاؤنج میں کیٹی جاناں کو دیکھا تو اس کے چہرے پر پھیلے رنگ دیکھ کر اس نے ہر بات اپنے اندر دفن کر دی۔

"نہیں، یہ جاناں کی خوشی ہے اور مجھے چپ رہنا ہوگا، جو بھی ہے وقت پر سامنے آجائے گا، معوذ اچھا لڑکا ہے جاناں کو خوش رکھے گا اور مجھے کون سا اس سے محبت ہے جو مجھے فکر ہو۔" اس نے خود کو تسلی دی اور چہرے پہ بشاشت لاتے ہوئے اندر چلی گئی، اب جاناں کو تنگ کرنا تھا۔

☆☆☆

معاذ کو سمجھ نہیں آرہا تھا معوذ کو کیا ہوا ہے؟ اچانک ہی وہ بہت چپ چپ سا ہو گیا تھا، محبت کے وجود سے تو وہ سرے سے انکاری تھا کہ مجھے کسی سے نہیں ملوانا، میں نے مذاق کیا تھا، ہنستا مسکراتا وہ ماما کو تو چکر دے گیا تھا مگر معاذ ماننے کو تیار نہیں تھا، منگنی میں بس دو دن باقی تھے اور معوذ معاذ کو پکڑائی نہیں دے رہا تھا۔

اب بھی وہ شاپنگ کرنے نکلا تو معوذ نے تھکن کا بہانہ بنا کر معذرت کر لی، وہ اس کی سسرال بھی نہیں گیا تھا کہ منگنی والے دن ہی بھابھی سے مل لے گا، معاذ نے منگنی کے بعد اسے درست کرنے کا سوچا۔

جب ہوا رخ بدلنے کے اعلان میں لڑکھڑانے لگے
کھلتی کلیوں کے کانوں میں بھنورا کوئی گنگنانے لگے
اور جب خود بخود دل میں اک آرزو مسکرانے لگے
ایسے ہی لمحوں کی بانہوں میں میں نے اسے دیکھا تھا
پھولوں میں رنگوں میں خوابوں میں میں نے اسے دیکھا ہے

وہ اوندھے منہ بیڈ پہ لیٹا خود کو سمجھاتے میں مصروف تھا، اس کی اور معاذ کی پسند اکثر ایک ہوا کرتی تھی مگر یہ کیا؟ کہ دل بھی ایک پر ہی اٹکا تھا کچھ دن پہلے وہ اور معاذ کچھ کپڑے اور جیولری دینے گئے تو گیٹ سے ہی پلٹ آئے حالانکہ معاذ نے کہا تھا جا کہ اپنی بھابھی سے مل آئے مگر اس نے منگنی کے دن ملنے کا ہی کہہ کر ٹال دیا تھا، وہ بچہ نہیں تھا کہ حالات کی سنگینی محسوس نہ کرتا، اسے جیا کو اپنی بھابھی کے روپ میں قبول کرنا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ معاذ کو ذرہ بھر بھی احساس نہ ہو، اسے اپنا بھائی اور بھائی کا دل اپنے دل سے کہیں زیادہ عزیز تھا، اس نے اپنے دل کو ڈپٹ کر آنسو پونچھ لئے، اسے جیا اور اپنے بھائی کے رشتے کا وقار بھی قائم رکھنا تھا، جیا اب اس کے لئے بہت قابل احترام تھی، اب نگاہ کو بے لگا ہونے سے روکنا تھا۔

☆☆☆

بہت سی تیاریوں اور سجاوٹ کے ساتھ منگنی کا دن آپہنچا تھا، جاناں شاکنگ پنک اور گرین لہنگے میں اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ جیا نے کئی بار نظر اتاری تھی، جاناں کے پرائے ہونے کا احساس اتنا طاقتور تھا کہ وہ کئی بار اس سے چھپ کر رو چکی تھی، اتنا تو وہ بھی جان چکی تھی کہ جاناں نہیں جانتی کہ اس کی منگنی کس کے ساتھ ہو رہی ہے، تمام تر تیاریوں کے باوجود اس کا چہرہ پھیکا پھیکا سا محسوس ہو رہا تھا جسے وہ ہی نہیں سب گھر والوں نے محسوس کیا تھا اور جاناں سے لگاؤ کے سبب اس کی جدائی پر محمول کیا تھا اور مقدور بھر تسلی بھی دی تھی کہ جاناں کو بیاہ کر کون سا دور جانا ہے روز مل آیا کرنا مگر وہ جانتی تھی کہ اب وہ یوں روز اس کے گھر نہیں جا پائے گی، وجہ وہ اپنے دل کو بتانے سے بھی قاصر تھی دل کے کسی نہ کسی گوشے میں بقراط کا خیال موجود تھا جو اسے چور بنا رہا تھا،

تبھی شاہد نے اطلاع دی کہ وہ لوگ اپنے گھر سے نکل رہے ہیں تو وہ مہمانوں کی آمد کا سن کر جاناں کی طرف چلی آئی تھی، کچھ دیر بعد جب جیا کی امی انہیں بلانے آئیں تو وہ جاناں کو ان کے حوالے کر کے خود کچن سے کولڈ ڈرنکس وغیرہ لے کر شاہد کے ساتھ سرو کرنے کی تیاری کرنے لگی، جبکہ ڈرائینگ روم کے دروازے سے معوذ نے حیرت سے اسے دیکھا کہ وہ آج بھی کام میں مصروف ہے، تبھی جیا کی امی دلہن بنی جاناں کو لئے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ چونکا۔

"ہائیں؟" وہ آنکھیں پھاڑے جاناں کو دیکھ رہا تھا، ساتھ بیٹھے معاذ نے کہنی ماری تو وہ سیدھا ہوا اور بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا، صورتحال اب اس کو سمجھ آنے لگی تھی، وہ جانتا تھا کہ جیا اور جاناں کزنز ہیں سوا سے اپنی غلط فہمی کا اندازہ بھی ہو گیا تھا، اس کے پہلو میں دل نے یکدم شور مچا کر خوشی کا اظہار کیا، اس کی کائنات لٹنے سے بچ گئی تھی خوشی قابو سے باہر ہونے لگی، اسی وقت جیا اندر داخل ہوئی تو نظر سامنے براجمان معوذ سے ٹکرائی وہ معاذ کے ساتھ بیٹھا تھا، جبکہ جیا کی امی دائیں طرف اور جاناں اپنی ساس کے ساتھ بیٹھی دکھائی دی، وہ الجھن کا شکار ہو گئی کیونکہ بقراط کی شوخ نظریں تو کوئی اور ہی فسانہ سنا رہی تھیں، معوذ نے معاذ کے کان میں سرگوشی کی جو کہ برابر بیٹھی اس کی والدہ نے بھی سن لی اور مسکرا دیں، ان کے بیٹوں کی خوشی ہی ان کی خوشی تھی۔

"بڑے بھائی یہ تو میرے والی ہے۔" معاذ اپنی جگہ حیرت زدہ تھا، نگہت نے جیا کا ہاتھ پکڑ کر دوسری سائیڈ پہ بٹھا لیا اور بولیں۔

"بھائی صاحب میں ابھی آپ سے آپ کی اس بیٹی کو بھی مانگنا چاہتی ہوں اگر آپ کو برا نہ لگے تو، معوذ آپ کے سامنے ہے۔" کوئی بھی انہیں انکار نہ کر سکا تھا جیا تو چلو لڑکی تھی معوذ تک کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی وہ بول نہیں پا رہا تھا۔

"اُف میرا بھائی تو ابھی سے گونگا بہرا ہو گیا ہے۔" معاذ نے جملہ کسا تو جیا کو بولنا پڑا۔

"اونہوں Person with visual impairment کہتے ہیں۔" ہر طرف محبت مسکرا رہی تھی، سبھی دکھ سبھی غلط فہمیاں دور ہو گئی تھیں محبت خوش تھی بے حد خوش۔

☆☆☆

وہ ستارہ صبح امید کا

فوزیہ غزل

سترھویں قسط کا خلاصہ

ولیمہ میں شرکت کی غرض سے شاہ ہاؤس کے مکین حویلی میں ہیں اور اپنی اپنی جگہ سب اذیت و کرب اور ٹینشن کا شکار، معاذ پرنیاں سے بات کرنے کے غرض سے اسے اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے جہاں اک بار پھر دونوں کے درمیان تلخ کلامی ہوتی ہے، حویلی واپسی پہ رہی سہی کسر نیلما سے ہونے والا سامنا پوری کرتا ہے، اس کی بے باکی کا مظاہرہ پرنیاں کو معاذ سے بدگمانی کی آخری حد تک لے جاتا ہے۔

جہان ولیمہ کی رات زینب سے سامنا نہ کرنے کی خاطر حویلی کی بھول بھیلیوں میں بھٹک کر جہاں پہنچتا ہے وہاں تیمور اور نیلما کی بے تکلفی کا مظاہرہ اسے شاکڈ کر کے رکھ دیتا ہے۔

نوریہ زیاد کے جھکاؤ اور معاذ کی بے اعتنائی کو سہتی شدید ہیجانی و ذہنی تناؤ کا شکار ہے اور اس ٹینشن میں وہ پرنیاں کو اپنی طرف سے مشکوک کر کے ٹھکاتی ہے۔

جہان کو یقین کامل ہے، کہ زینب خوش نہیں ہے، یہ ادراک و یقین اسے شدید ہیجان میں مبتلا کر چکا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

اٹھارویں قسط

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ فکر نہ کریں مما میں آتی رہوں گی۔" اس نے تسلی دی تھی، زینب کو جانا تھا جبھی مما اس کے پاس سے اٹھ گئی تھیں، پرنیاں نے اپنی تیاری مکمل کی اور پپا کے کمرے کی جانب چلی آئی، مقصد ان سے اجازت لینا تھا، ان کے کمرے کے دروازے سے ابھی چند قدم کے فاصلے پہ تھی جب معاذ حسن اپنے دھیان میں دروازہ کھول کر باہر آیا، دونوں ایک دم ایک دوسرے کے مقابل آ گئے تھے، پرنیاں نے نگاہ چرائی جبکہ معاذ نے جم کر اسے دیکھا تھا۔

"پپا کے کمرے میں جانے کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں؟ آپ کون ہوتے ہیں مجھ پر پابندیاں لگانے والے۔" وہ درشتی و نخوت سے اسے دیکھ کر کوئلے کی طرح چٹخی تھی۔

"وہاں تیمور ہے میں نہیں چاہتا کہ تمہارا اس سے سامنا ہو، آئی سمجھ کہ نہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر سرد مہری سے بولا اور اسے واپس مڑنے کا اشارہ کیا تھا، پرنیاں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔

"مجھے کام ہے ان سے، واپس جانا ہے مجھے۔" وہ چڑ کر بولی تھی، معاذ نے چونک کر اسے دیکھا، بڑی چادر میں لپٹی وہ جانے کو ہی تیار تھی۔

"آپ اندر چلیں مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" معاذ نے ایکدم کسی نتیجے پر پہنچ کر کہا تھا، پرنیاں نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"مگر مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ چڑ کر بے حد تلخی سے بولی تھی اور پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی، معاذ وہیں کھڑا اس کے اکھڑے ہوئے سرد انداز کو دیکھتا کسی متفکرانہ سوچ میں گم ہو گیا تھا۔

ہم ذوق نظر ذوق تماشا نہ کریں گے
وہ سامنے آئیں بھی تو دیکھا نہ کریں گے
ہر حال میں رکھیں گے بھرم اپنی وفا کا
ہم ان سے کبھی وفاؤں کا تقاضا نہ کریں گے
یہ زخم وفا حاصل ارباب وفا ہے
مر کے بھی کبھی اس کا مداواہ نہ کریں گے
ہر تمنا نے دیئے ہیں داغ تمنا
اب تو یہ تمنا ہے کہ تمنا نہ کریں گے
اخلاص کے پردوں میں ہر شخص نے لوٹا
اب ہر گز بھی کسی پہ بھروسہ نہ کریں گے

☆☆☆

پچھلے چار دن کی ٹھیک ٹھاک بیماری کاٹ کر وہ پورے پندرہ دن بعد کالج آئی تو ثنا کے بقول واقعی ہی وہاں کا ماحول یکسر بدل چکا تھا، تعلیمی ادارے کی بجائے وہ کوئی فیشن فیسٹول لگتا تھا جہاں ہر کوئی دوسرے سے سبقت لے جانے کو ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا، ثناء پچھلے چار دنوں سے نئے

مقرر ہونے والے سر کا تذکرہ جوش و خروش سے کرتی رہی تھیں، ان کا ہیئر اسٹائل ان کی ہائیٹ ان کی شاندار باڈی سے لے کر دیکھنے کے اسٹائل تک ان چار دنوں میں لڑکیوں کو ازبر ہو چکے تھے، خود ثنا بھی کچھ کم متاثر نہ تھی مگر اس کا حال بہر حال ویسا نہ تھا جو دیگر بے وقوف لڑکیوں کی دیوانگی تھی، وہ سب سے مزے کی بات یہ ہے کہ نہیا صاحبہ بھی دانیال کو ہری جھنڈی دکھا کر سر کے آگے پیچھے پھرتی ہے، اپنی دولت اور حسن کی پوری پوری نمائش لگا کر۔

کل ہی ثنا نے یہ سب سے اہم اطلاع اسے فراہم کی تھی۔

"یار پری رئیلی وہ اتنے ہینڈسم ہیں کہ انہیں دیکھ کر دل کو کچھ کچھ ہونے لگتا ہے، مجھے تو لگتا ہے تم بھی ضرور اسیر ہو جاؤ گی۔" آخری بات اس نے شرارت میں اسے چھیڑنے کو کہی تھی اور پرنیاں نے اسے گھورنے پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا۔

"شرم تو نہیں آتی ہے ثناء، استاد بھی باپ کے درجے پر فائز ہوتا ہے۔"

"لاحول ولاقوہ اللہ باللہ۔" ثناء نے بے اختیار کانوں کو ہاتھ لگائے اور ہنستے ہوئے لال پیلی ہونے لگی۔

"باپ!" اس کی ہنسی نہیں تھمنے میں آ رہی تھی۔

"تم نے ابھی دیکھا نہیں ہے نا انہیں، رئیلی ہم سے چند سال ہی بڑے ہوں گے، باپ کدھر سے ہو گئے؟"

"لڑکیاں تو لڑکیاں ان کی شاندار پرسنالٹی سے تو لڑکے بھی بری طرح متاثر ہو چکے ہیں، رئیلی یار ان کی سحر انگیز شخصیت کا تاثر اول روز سے ہی سب پہ اپنا تسلط جما چکا ہے، یہ سچ ہے کہ میں نے بھی پہلی بار انہیں دیکھا تو سحر زدہ سی ہو کر رہ گئی تھی، مجھے حیرت ہوتی ہے انہیں دیکھ کر کوئی اتنا شاندار بھی ہو سکتا ہے؟"

ثناء کو پھر سے تعریفوں میں رطب اللسان ہوتے دیکھ کر پرنیاں تاسف سے سر جھٹکتی رہی تھی، مگر کالج آنے کے بعد لڑکیوں کے بدلے رنگ ڈھنگ دیکھ کر اسے ثناء کی بات کی صداقت کا یقین نہ چاہتے ہوئے بھی کرنا پڑا تھا ثناء نے اسے بتایا تھا نئے آنے والے سر کا آخری پریڈ ان کا ہوتا ہے یعنی ابھی کلاس میں بہت ٹائم تھا، پرنیاں ثناء کے ہمراہ کینٹین چلی آئی تھی، آرڈر کرنے کے بعد وہ دونوں کرسیوں پہ آ کر بیٹھ گئیں۔

"تم فکر کیوں کرتی ہو سب ٹھیک ہو جائے گا جان من، اگر وہ بہت خاص ہیں تو کمی تو مجھ میں بھی کوئی نہیں۔" یہ آواز نہیاں کی تھی، وہ شاید ان سے پچھلی ٹیبل پر بیٹھی کسی سے فون پہ محو گفتگو تھی۔

"یہ بھی یقیناً سر کا ذکر خیر کر رہی ہے۔" ثناء نے اس کی سمت جھک کر راز داری سے کہا تھا، پرنیاں نے توجہ نہیں دی اور مینگو جوس کے ٹن کے سیل توڑنے میں مصروف ہو گئی۔

"کیسے کہیں یہ مت پوچھو، ان کی تعریف تو گویا سورج کو چراغ دکھانے والی بات ہو گی، ہم تو گئے کام سے۔" نہیاں کھلکھلا رہی تھی، ثناء نے معنی خیز نظروں سے پرنیاں کو دیکھا اور پھر کھنکاری مگر وہ برگر انجوائے کرتی رہی، اس نے اپنے طور پہ طے کر لیا تھا کہ ان احمق لڑکیوں کی طرح کسی قسم کا تبصرہ نہیں کرے گی، اسے ویسے یہ چھچھورپن بالکل پسند نہیں تھا۔

”تم خود سوچو مجھے کوئی ایسا ویسا بندہ اٹریکٹ اور پھر دیوانہ کر سکتا ہے ناممکن بس وہی ہے جو دیکھنے میں ساحر لگتا ہے، سورج کی اولین کرنوں میں نہا کر آیا ہوا یونانی دیوتا، مجسم وجاہت و خوبروئی، یا پھر نظر کا دھوکا، میں نے جب انہیں پہلی مرتبہ دیکھا تو اتنا مبہوت ہوئی تھی کہ حد نہیں اب بھی جب وہ سامنے آجاتے ہیں یار میں سانس تک لینا بھول جاتی ہوں۔“ اس درجہ بے حجابی اور بے باکی سے کی گئی تعریف پہ پرنیاں کی پیشانی پہ پسینہ اُمڈنے لگا، ثناء اسے جتلاتی نظروں سے دیکھتی کھی کھی شروع کر چکی تھی، پرنیاں کھڑی دیکھتی کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کہاں؟“ ثناء نے اسے بیگ کاندھے پہ ڈالتے دیکھ کر استفسار کیا تو پرنیاں نے الجھ کر اسے دیکھا۔

”سر واثق کی کلاس شروع ہونے والی ہے، جلدی اٹھو۔“

”اُف سر واثق اور انکار بور مضمون، سوری ڈیئر اس سے کہیں مزے کی نیہاں کی گفتگو ہے، آؤ نا مزا کرتے ہیں۔“ ثناء نے اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھاتے ہوئے آنکھ ماری تو پرنیاں نے اسے بے حد غصے سے گھورا تھا۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے ثناء تمہارا، چلو اٹھو۔“

”نہ جی میں نہیں جانے کی، سر درد کر رہا ہے قسم سے۔“ پرنیاں کے خوفناک نظروں کو دیکھتے وہ بسوری تھی، پرنیاں نے متاسفانہ سانس بھر کے سر جھٹکا۔

”ٹھیک ہے مری رہو یہاں، میں جا رہی ہوں۔“

”جاؤ اللہ کرے تمہارا سر سے ٹاکرا ہو جائے اور پھر تمہیں ان سے بڑی بری طرح سے محبت ہو جائے، یار اتنا ہینڈسم بندہ تمہارے جیسی لڑکی ہی سوٹ کرتی ہے، ورنہ انہیں نیہاں نے اپنے دام میں پھنسا لینا ہے جو مجھے تو کم از کم پسند نہیں آنی بات۔“

ثناء نے پتہ نہیں دعا دی تھی یا بد دعا، پرنیاں نے غصے میں سے اپنا جرنل کھینچ مارا تھا اور کلستی ہوئی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی، ثناء کی وجہ سے وہ پانچ منٹ لیٹ ہو چکی تھی، جب ہی بہت عجلت میں سیڑھیاں چڑھ رہی تھی جب دوسری سمت سے آتا معاذ بھی کچھ تیزی میں تھا کہ موڑ مڑتے ہوئے دونوں کا زبردست تصادم ہوا تھا، پرنیاں کی تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا تھا، ایک تو ماتھے پہ لگنے والی چوٹ اس پر غیر متوقع طور پہ ہونے والا معاذ حسن سے سامنا، وہ صحیح معنوں میں چکرا کر رہ گئی تھی۔

”سوری...... آر یو اوکے؟ ویسے میں حیران ہو رہا ہوں، آپ یہاں......؟ امیزنگ۔“ اس کے برعکس معاذ حسن خوشگواریت بھری حیرت کا شکار تھا، نگاہوں کی سرشاری اور تبسم بے حد وضاحت سے اس حسین حادثے کا انبساط چھلکا رہا تھا، ایک پل کو تو پرنیاں کو بھی لگا تھا کائنات کی گردش رک گئی ہو، مگر محض ایک پل کو اگلے لمحے وہ اس سے ایکسکیوز کیے بغیر اپنی کتابیں اس کے ہاتھ سے چھینتی جو اس تصادم کے نتیجے میں چھوٹ کر گر گئی تھیں اور معاذ نے ہی اٹھائی تھیں، آگے بڑھ گئی، حالانکہ اسے بھی اپنی دھڑکنیں معمول پہ لانے میں وقت لگا تھا کہ معاذ حسن کی سحر بھری مقناطیسی آنکھوں میں اس پل اپنے لئے بہت واضح نرم جذبے دکھائی دیئے تھے، جن میں سچائی او

خلوص تھا، اس کے ہونٹوں پر کتنی دلکش مسکراہٹ تھی، شرارت سے بھرپور، اس کا دل زور سے دھڑک اٹھا تھا، وہ اتنا گھبرائی تھی کہ ہونٹ بھینچے آگے بڑھتی چلی گئی، اپنی ازلی خود ساختہ بے نیازی کے ساتھ، اس کے جذبات کی پرواہ کیے بغیر پذیرائی کیے بغیر، تیز تیز باقی ماندہ سیڑھیاں پھلانگ گئی تو موسم میں اتنی تبدیلی آجانے کے باوجود وہ سر تا پا پسینے میں نہا گئی تھی، اس کے لئے یہ بہت غیر متوقع تھا، معاذ حسن کی آنکھوں میں اپنے لئے محبت کا رنگ محسوس کرنا، یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، زینب کی شادی کی ہر تقریب میں اس کی توجہ کے ارتکاز اور شوخ جسارتوں کے مظاہروں کو جب جب محسوس کیا تھا تو اس کی بھنورا صفت فطرت سے مسحور کر کے وہ اس سے بدگمان ہی ہوتی رہی تھی، مگر اب وہ کچھ الجھ گئی تھی، بے یقین سی بے یقین تھی، وہ جو کچھ ابھی دیکھ کر آئی تھی کیا وہ سچ تھا، وہ چکراتے ذہن کے ساتھ کشمکش و پیچ میں مبتلا تھی، جبکہ اس نظر اندازی پہ معاذ حسن کا چہرا خفت سے سرخ ہو چکا تھا، لب بھینچے اس نے سلگتی نظروں سے سیڑھیوں کے آخری سرے پہ اس کی لہراتے آنچل کو جھلک دکھلا کر غائب ہوتے دیکھا تھا، وہ ہمیشہ سراہا گیا تھا، پسند کیا گیا تھا، یہاں کالج میں آنے کے بعد تو یہ ستائش انتہا کو پہنچتی دیکھی تھی اس نے، وہ تو تسخیر کرنے والوں میں سے تھا، مگر پرنیاں کا رویہ اسے بے تحاشا ہرٹ کر گیا تھا، اس نے بہت تلخ انداز میں سر جھٹک دیا، وہ اس کے متعلق پہلی بار بہت شدت پسندی سے اور متنفرانہ انداز میں سوچنے پہ مجبور ہوا تھا۔

☆☆☆

کسی سے اس لئے دشوار ہے خفا ہونا
منانے آئے گا ہم کو بھی یار مشکل ہے
خزاں رسیدہ چمن میں بہار مشکل ہے
تمہارے بعد کہیں اعتبار مشکل ہے
عجب راز جنوں تھا جو میرے دل پہ کھلا
تیری گلی میں بھی آ کر قرار مشکل ہے
ہمارا کون ہے اہل وفا کی بستی میں
ملے گا کوئی ہمیں غم گسار مشکل ہے
کہاں چلے ہو محبت خریدنے محسن
بغیر سود کے ملنا ادھار مشکل ہے

وہ ساکن سی کھڑکی کے پاس کھڑی باہر دیکھ رہی تھی، تیمور خان کی سیاہ جیپ تیزی سے برف اڑاتی دور جا رہی تھی، اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اسٹیئرنگ پہ جمے ہوئے تھے، نگاہیں سامنے بل کھاتی سڑک پر مرکوز تھیں، اطراف میں حسین مناظر پھیلے تھے مگر وہ کس درجہ بے نیاز رہتا تھا، ایکدم کول، اس کی اس سرد مہری نے تو زینب کے تمام جذبوں کو بھی ٹھٹھرا دیا تھا، وہ دیوانی تھی ایسے موسموں کی قدرتی مناظر کی مگر تیمور نے اسے حویلی میں قید کر کے رکھ دیا تھا، وہ جو مہکتے تر و تازہ گلابوں جیسی نظر آیا کرتی تھی ہر گزرتے دن کے ساتھ مرجھاتی جا رہی تھی، محض شادی سے ایک ماہ بعد ہی، وہ اندر سے ختم ہونا شروع ہو چکی تھی، شاید ٹوٹے سپنوں کی کرچیاں آنکھوں میں چبھتی ہیں تو

یونہی آنکھوں میں اندھیرے بھر جاتے ہیں، وہ خود کو جوڑتے تھکنے لگی تھی، گولڈن فریم کے اطالوی طرز کے قد آدم آئینے میں اس کا عکس بے حد نمایاں تھا، ہلکے گلابی رنگ کے سوٹ میں میرون خوبصورت سی شال اوڑھے اس کا چہرا مضمحل تھا، اس کو پہلا دھچکا شادی کی پہلی رات ہی سہنا پڑا تھا، جب تیمور خان اس کے پاس آنے کی بجائے طوائفوں سے دل بہلاتا اور جام پہ جام اپنے اندر انڈھلتا رہا تھا، جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے بیوی اور داشتہ کے بیچ کا بنیادی اور اہم فرق بھول چکا تھا، ڈرنک کرنے کے بعد اس نے زینب سے جو تعلق استوار کیا تھا اس میں اذیت اور ہتک کے سوا کچھ نہیں تھا، مگر وہ یہ سب خاموشی سے سہنے پہ مجبور ہوگئی تھی، کس سے کہتی کہ یہ سب اس کا اپنا کیا دھرا تھا، وہ پہلے تو ہنستا رہا تھا، پھر معذرت کرنے لگا، مگر زینب کے رویئے کی شدت پسندی نے اسے پھر سے ال مینرڈ کر دیا تھا، وہ غیر شائستہ زبان میں اس کے لئے استعمال کر رہا تھا۔

''بہت پارسا ہو تم، یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہو مجھے، اونہہ، ایک بات یاد رکھنا زینب بیگم کہ تم بیوی ہو میری اور ہمارے ہاں بیویوں کو سر پہ نہیں رکھا جاتا، خوش قسمت ہو تم کہ میں نے نکاح کیا ہے تم سے...... ورنہ تم جیسی لالچی عورتوں کو پیسے سے خریدنا ہمارے لئے مشکل کام نہیں ہے۔''

کتنی حقارت تھی اس کے لہجے میں اور زینب وہ تو جیسے اتھاہ گہرائیوں میں اترتی چلی گئی تھی، پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ جیسے ہزاروں ٹن برف کے نیچے اپنا وجود مسخ ہوتا محسوس کر رہی تھی، اس کے بعد تیمور خان سے الجھنے کی کبھی غلطی نہیں کی تھی، زینب نے دوسرے لفظوں میں اسے اپنی ذلت گوارا نہیں تھی، مگر تیمور خان کو شاید اس سے واقعی محبت تھی کہ وہ اس کی خاطر خود یہ کچھ نہ کچھ ضبط کرنے لگا تھا، سب سے پہلے اس نے جو اپنی عادت میں تبدیلی پیدا کی وہ شراب سے دوری تھی، جب وہ زینب کے پاس آتا بالخصوص ڈرنک سے پرہیز کیا کرتا تھا۔

''اتنی خاموش اور اداس کیوں رہنے لگی ہو زینی! تم مجھے ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہو۔'' اسی رات وہ بیڈ پہ اس کے مقابل لیٹتے ہوئے اس کے ریشمی بالوں سے کھیلتے ہوئے جذبات سے بوجھل آواز میں بولا تھا، وہ جواباً کچھ نہیں کہہ پائی تھی، تیمور کو اس کی خاموشی نے تکلیف پہنچائی تھی۔

''کیا خیال ہے ہنی مون کے لئے سوئزلینڈ چلیں؟'' وہ اسے ہر قیمت پہ بہلانا چاہتا تھا، زینب حیران رہ گئی تھی اس مہربانی پہ۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں؟'' وہ جوش میں اٹھ کر بیٹھ گئی، اس میں شک نہیں تھا کہ اس نے تیمور خان سے محبت نہیں کی تھی، مگر سمجھوتہ ضرور کیا تھا، تیمور اس کی آنکھوں میں چمک اٹھنے والے ستاروں کو دیکھتا نرمی سے مسکرا دیا، ان ستاروں کی حقیقت کو جانے پہچانے بغیر۔

''ہاں بھئی! شادی کے بعد ہم کہیں گھومنے نہیں گئے، تو وہیں سہی۔''

''میں ضرور چلوں گی، مجھے بہت شوق ہے وہاں جانے کا تیمور، جب میں چھوٹی تھی تو لالے سے کہا کرتی تھی مجھے سوئزلینڈ دکھا کر لائیں، وہ ہر بار مجھے ڈانٹ دیتے اور بے ہمیشہ مجھے تسلی دیا کرتے کہ وہ مجھے لے کر چلیں گے مگر جب میں بڑی ہو جاؤں گی۔'' تیمور خان نے اس کے جگمگاتے چہرے پہ اپنوں کی یاد کی حسرت کو سنجیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا پھر گہرا سانس بھرا۔

''تمہارا یہ کزن جہان بہت قریب رہا ہے تم سے؟ ہے بھی بہت امپریسو پرسنالٹی اس کی۔''

زینب کو جیسے دھچکا لگا تھا، وہ نہ صرف خاموش ہوئی تھی بلکہ کچھ سہم کر اسے دیکھنے لگی، شاید تیمور کو اس کے منہ سے جہان کا تذکرہ اچھا نہیں لگا تھا، وہ درست قیاس کرنے سے سخت قاصر رہی تھی، اسے یاد تھا شادی سے پہلے بھی ایک بار تیمور نے ایسی بات کہی تھی مگر تب زینب نے اتنا دھیان نہیں دیا تھا اور اس کی بات اڑا دی تھی، مگر اب یہ بے نیازی وہ چاہ کر بھی نہیں برت سکتی تھی۔

''مجھے ایسا لگتا ہے اس کی انوالومنٹ بھی تھی تم میں۔'' تیمور کے اگلے سوال نے زینب کا خشک حلق کانٹوں سے بھر دیا تھا، اس نے گھبرائی ہوئی متحیر نگاہوں سے تیمور کو دیکھا۔

''ایسا تو کچھ نہیں ہے تیمور! آپ کو شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وضاحت پیش کرتی وہ روہانسی ہو چکی تھی، جب تیمور نے ہنستے ہوئے لاپرواہی سے کاندھے جھٹک دیئے تھے۔

''اوکے بابا! میں تو ایسے ہی ایک بات کر رہا تھا، تم پریشان کیوں ہو جاتی ہو۔'' وہ اسے ساتھ لگا کر تھپک کر بولا تھا مگر زینب کی اتھل پتھل ہو جانے والی دھڑکنیں جلد اعتدال پہ نہ آسکیں، پھر ان کے ٹکٹ کنفرم ہو کر آئے تو زینب کی طبیعت اس دن اچانک خراب ہوگئی تھی، قے پہ ہونے والی قے نے اس کا اندرونی نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا، اس دن زرلالے بھی آئی ہوئی تھی، زرلالے کی شادی بھی ان کے ساتھ ہی ہوئی تھی، اس کی حالت دیکھ کر وہ معنی خیزی سے مسکرائی تھی۔

''مجھے نہیں لگتا تم ہنی مون پہ جا سکو۔''

''کیوں اب ایسی بھی خراب نہیں ہے میری طبیعت۔'' زینب کو یہ بات سخت ناگوار محسوس ہوئی تھی جبھی فوراً ٹوک دیا تھا۔

''یار غصہ کیوں کر رہی ہو، مجھے لگتا ہے میں پھپھو بننے والی ہوں، بڑے تیز نکلے لالہ، اتنی جلدی تمہیں ان چکروں میں ڈال دیا۔'' زرلالے نے آنکھیں نچا کر بے حد شوخی کا مظاہرہ کیا جو زینب کو ایک آنکھ نہیں بھا سکا تھا۔

''خدا نہ کرے ابھی ایسی بات ہو، میں ہرگز ابھی ان جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہتی۔'' اس نے تھرا کر کہا تھا اب کی مرتبہ اس کی بات نے زرلالے کو ناگواری بخش دی تھی۔

''سوچ سمجھ کر تو بولا کرو زینب! تیمور لالہ ہمارے اکلوتے بھائی ہیں، ان کے بیٹے نے ہی آگے چل کر ہماری وسیع جاگیروں کو سنبھالنا ہے، خبردار جو آئندہ ایسی بات منہ سے نکالی، اور سنو ہمیں لالہ کے بہت سے بچے چاہیے، اپنے فگر کی فکر میں کوئی حماقت کرنے کی ضرورت نہیں۔''

یہ وہ زرلالہ تھی جو اس کی بے حد پیاری دوست تھی، مگر رشتوں کی تبدیلی نے دوستی کے رشتے کو بری طرح مسخ دیا تھا، زینب جس نے کبھی بہت زعم سے شہہ لالہ کی بدتمیزی پہ اسے سبق سکھانے کا عہد کیا تھا اب شہہ لالہ کے ساتھ ساتھ زرلالے کی بھی بدسلوکی کو سہنے پہ مجبور تھی تو وجہ تیمور خان ہی تھا، جو اس کی ناز برداری ضرور کرتا تھا مگر اسے کبھی بھی خود پہ اپنے رشتوں پہ اپنے فیصلوں پہ حاوی نہیں ہونے دیتا تھا اور پھر وہی ہوا تھا جس کا اسے خدشہ تھا، وہ پریگننٹ تھی اور تیمور نے اس خبر کو سنتے ہی ہنی مون کینسل کر دیا تھا۔

''دس از ناٹ فیئر تیمور! ہم نے پلین سے ہی سفر کرنا تھا نا کچھ نہیں ہوتا۔'' وہ کس درجہ ملول

ہوئی تھی، جبھی تیمور کو قائل کرنا چاہا تھا اور جواب میں اس کی جھڑکیاں سننی پڑیں۔

''تم پاگل ہو زینب! میرا پہلا بچہ ہے، اماں کہتی ہیں پہلی باریاں بننے کے مرحلے میں عورت کو بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ہر احساس سے انجان ہوتی ہے تو خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔''

زینب خاموش ہو گئی تھی، البتہ اس کی آنکھوں میں لرزتے آنسو دیکھ کر تیمور پگھل گیا تھا۔

''زینب جانم بچہ پیدا ہو جانے دو میں تمہیں سوئزر لینڈ تو کیا پوری دنیا گھما لاؤں گا، ساری دنیا کو تمہارے قدموں میں نثار کر سکتا ہوں مگر پلیز میری خاطر تھوڑا سا کمپرومائز کر لو نا۔'' اور زینب کو ہی پھر کمپرومائز کرنا پڑا تھا ہمیشہ کی طرح۔

''دلہن بڑی بیگم کہہ رہی ہیں دودھ پی لیں۔'' ملازمہ کی آواز پہ وہ چونک کر متوجہ ہوئی جو دودھ کا گلاس ٹیبل پہ رکھ رہی تھی، جب سے وہ پریگنٹ ہوئی تھی اس کی بے حد بوڑھی اور بیمار ساس خود اس کی خوراک کا خیال رکھنا شروع کر چکی تھیں۔

''پی لوں گی تم جاؤ۔'' اس نے بے زاری اور اکتاہٹ آمیز نظروں سے اسے دیکھا، ملازمہ متذبذب تھی۔

''دلہن بیگم صاحبہ کا حکم ہے ابھی دودھ پی لیں۔'' زینب نے جھلا کر گلاس اٹھا لیا اور بے دلی سے گھونٹ بھرا، ملازمہ مطمئن ہو کر نکلی تھی، زینب نے گلاس دوبارہ ٹیبل پہ رکھ دیا، موسم اچانک بدل گیا تھا اور پوری وادی اور اطراف کے علاقوں میں برف باری شروع ہو گئی تھی، ننھے منے سفید گالے گرنا شروع ہوتے تو مکان سڑکیں درخت تاروں کے کھمبے سب کچھ سفیدی میں بھر جاتے، اتنی شدید بے موسم کی برف باری زینب کو پریشان کر چکی تھی، اسے کراچی جانا تھا اور سارے راستے تیزی سے بلاک ہو رہے تھے، اضطراب سے ہاتھ مسلتی وہ دریچے سے پار گرتی برف کو دیکھنے لگی، معاً سیل فون کی گنگناہٹ پہ وہ چونکی تھی، اس نے دریچے سے ہٹ کر سیل فون تک رسائی حاصل کی تھی، جلتی بجھتی اسکرین پہ جہان کا نام جگمگایا تھا، اس کا دل جانے کس جذبے کے تحت ایکدم بے تحاشا دھڑک اٹھا، اس نے بہت بے تابی سے کال ریسیو کی تھی۔

''السلام علیکم! جے کیسے ہیں؟ آج میری یاد کیسے آئی آپ کو؟'' نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ مچل گیا تھا۔

''جہان نہیں میں ہوں زینب! تم سے بات کرنے کو جی چاہ رہا تھا تو جہان سے کہا تھا تمہارا نمبر ملا دے، کیسی ہو بیٹا؟'' مما کی رسانیت آمیز آواز پہ جانے کیوں اس کا گلا آنسوؤں سے رندھنے لگا، مگر اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں مام! بس طبیعت اپ سیٹ رہتی ہے، یہاں دل بھی نہیں لگتا، بہت اداسی اور ویرانی ہے۔''

''ابھی آپ وہاں نئی ہو نا بیٹے! آہستہ آہستہ دل لگ جائے گا، طبیعت تو ان دنوں ایسی ہی رہا کرتی ہے، عورت ان کٹھن آزمائشوں سے گزر کر ہی بلند درجے پہ فائز ہوا کرتی ہے، خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔'' انہوں نے دل سے دعا دی تھی پھر بھی جانے کیوں زینب کو لگتا تھا مما کے انداز میں وہ بے ساختگی نہیں ہے، اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

''آپ ابھی تک مجھ سے خفا ہیں نا مام! میں نے آپ سب کا بہت دل دکھایا ہے۔'' دلگیری اداسی اسے خود احتسابی میں مبتلا کرنے لگی تھی، مما بوکھلا کر رہ گئیں۔

''کیسی باتیں کرتی وہ زینی بیٹا! ماں بھی کبھی اولاد سے خفا ہوتی ہے، ایسا مت سوچا کرو، آپ کی حالت ایسی نہیں ہے، اپنا خیال نہیں رکھو گی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔''

''پپا اور لالہ بھی مجھے کبھی کال نہیں کرتے، کیا جے سے شادی نہ کر کے میں نے ان دونوں کو سب سے زیادہ ہرٹ کیا ہے۔'' وہ ہنوز اسی کیفیت کے زیر اثر تھی، مما مضطرب ہونے لگیں۔

''ایسی باتیں کیوں سوچنے لگی ہو آپ زینب بیٹے! آپ کے پپا کی مصروفیت کا تو آپ کو پتہ ہی ہے پھر بھی آپ فکر نہ کرو وہ آپ کو کال کریں گے اور معاذ......''

''لالہ کو تو غالباً آج کل پرنیاں کے سوا کچھ نہیں سوجھ رہا ہوگا ہے نا! ان کے ساتھ یہ خوب رہی ہے۔'' وہ سب کچھ بھلا کر ہنسنے لگی، مما بھی مسکرائی تھیں۔

''اچھا ہے ذرا اس کی بھی اہمیت محسوس ہو، قدر کرے گا میری بچی کی، اتنا ستایا بھی تو اسی نے ہے۔''

''ویسے مما ہے تو یہ زیادتی ہی لالے کے ساتھ، مگر خیر یہ بتائیں نوریہ کیسی ہے؟''

''نوریہ تو تمہاری شادی کے بعد سے بالکل گم صم ہو کر رہ گئی ہے، ادھر بھی بہت کم چکر لگاتی ہے وہ بھی معاذ کے ڈانٹنے پہ اللہ جانے ہنستی کھیلتی بچی کو کیا ہو گیا؟'' مما پریشانی میں مبتلا ہو کر کہہ رہی تھیں، زینب نے گہرا سانس بھرا تھا۔

''مما جے ہیں آپ کے پاس؟'' اس نے موضوع بدل دیا تھا۔

''ہاں بیٹے! ابھی آیا ہے، شاید جا رہا ہے کہیں، تمہیں بات کرنی ہے؟''

''جی مما میری ان سے بات کرا دیں۔'' زینب کے کہنے پہ مما نے اثبات میں جواب دیا تھا، پھر کچھ توقف سے اسے جہان کی مخصوص دھیمی پر تاثیر مگر بے حد گمبھیر ٹھہری ٹھہری آواز سنائی دی تھی، وہ اس کا حال دریافت کر رہا تھا۔

''آپ بھی مجھے بھول گئے ہیں نا جے! لالے اور پپا کی طرح؟'' وہ شاکی ہو کر بولی تھی، دوسری سمت کئی ثانیوں کو سناٹا چھایا رہا تھا، یہاں تک کہ اس کے سانس لینے کی بھی آواز نہیں تھی، ایک پل کو تو لگا تھا زینب کو جیسے سلسلہ منقطع ہو گیا ہو۔

''جے!'' وہ گھبرا کر پکاری تھی۔

''زینب آئی تھینک آپ گھر والوں کے لئے اداس ہو گئی ہو، ایسا کرو تیمور کے ساتھ آ کر سب سے مل جاؤ۔'' وہاں سے مشورہ حاضر تھا، وہ شاید ایسا مشورہ ہی دے سکتا تھا، پتہ نہیں زینب کے کون سے ارمانوں پہ اوس پڑی تھی پتہ نہیں وہ اس سے کیا سننا چاہتی تھی، جو اس روکھے پھیکے جواب پہ آنکھیں نم ہوتی چلی گئی تھیں۔

''یہاں بہت برف پڑ رہی ہے جے! راستے بند ہوتے جا رہے ہیں، میں نہیں آ سکتی۔'' وہ روہانسی ہو کر بتا رہی تھی۔

''چند دن ویٹ کر لو، موسم ٹھیک ہو جائے پھر آ جانا، تیمور کہاں ہے؟''

''پتہ نہیں کہیں باہر گئے ہیں، آپ بڑی ہیں؟'' زینب نے بے دلی سے جواب دیا تھا پھر اس کی مختصر بات چیت سے خیال آنے پہ پوچھا تھا۔
''ہاں میں آفس جانے کو نکلا ہوں، ڈرائیو کر رہا ہوں، حسان ساتھ ہے میرے بات کرو گی؟''
''نہیں میں پھر بات کرلوں گی حسان سے، آپ جائیں۔'' اسے پتہ نہیں کیا اتنا برا لگا تھا، اگلے پل سلسلہ کاٹ دیا، سیل فون واپس ٹیبل پہ رکھتے اس کی آنکھوں کی نمی گالوں پہ پھسل آئی تھی، زیررو ڈاور محتاط تو وہ ہمیشہ سے رہتا تھا مگر اب وہ اس کے ہر انداز میں ایک بے گانگی اور تکلف بھی محسوس کرنے لگی تھی اور یہی اس کے لئے تکلیف دہ تھا، اس نے کہا تھا وہ جہان کو اپنا دوست مانتی ہے اور دوست کو وہ کھونا نہیں چاہتی مگر اسے لگ رہا تھا اس نے جہان کو کھو دیا تھا، اس نے اپنا دوست کھو دیا تھا، اس کی آنکھ سے پھر وہی آنسو گرے جو غم کی شدت سے بہے تھے جن کا مفہوم اور مقصد آج بھی واضح نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

کافی عرصہ بیت گیا ہے جانے اب وہ کیسا ہوگا
وقت کی ساری کڑوی باتیں چپکے چپکے سہتا ہوگا
اب بھی بھیگی بارش میں وہ
بن چھتری کے چلتا ہوگا
مجھ سے بچھڑے عرصہ بیتا
اب وہ کس سے لڑتا ہوگا
اچھا تھا جو ساتھ ہی رہتا
بعد میں اس نے سوچا ہوگا
اپنے دل کی ساری باتیں خود سے خود ہی کہتا ہوگا
کافی عرصہ بیت گیا ہے
جانے اب وہ کیسا ہوگا

جہان نے سگریٹ کا گہرا کش لیا تھا اور ڈھیروں ڈھیر دھواں اپنے آگے پھیلا لیا، وہ اپنی آنکھوں میں زبردستی پھیلتی نمی سے خائف تھا، زینب کا پچھتاوا اس کے دل کا روگ بننے جا رہا تھا، وہ اپنی حماقت کی وجہ سے اپنا بہت نقصان کر بیٹھی تھی۔
(اور میں کتنا احمق تھا اسے کنویں میں چھلانگ لگاتے دیکھتا رہا۔) اس نے کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔
(کیا معاف کرسکوں گا میں خود کو اس جرم کی پاداش میں، نہیں) اذیت اس کے وجود میں تند خیز موجوں کی طرح سر پٹخنے لگی۔
(معاذ صحیح کہتا تھا میں نے صرف اپنے ساتھ نہیں زینب کے ساتھ بھی زیادتی کر ڈالی ہے) اس نے پیشانی کے بال مٹھی میں جکڑ کر ہونٹ بے دردی سے کاٹے، زینب کا مایوس کن لہجہ، آواز سے چھلکتی افسردگی، اس کے رگ جان میں سرسرانے لگی تھی۔

''السلام علیکم جہان بھائی!'' اس کو سوچوں سے زیاد کی آواز نے نکالا تھا، جو اسی وقت دروازہ کھول کر اندر آیا تھا، مگر کمرے میں بھرے دھوئیں سے کھانستا ہوا خائف سے انداز میں بولا تھا۔

''اُف آپ تو پکے پکے چین اسموکر لگنے لگے ہیں بھائی! ڈاکٹری نقطہ نظر سے سگریٹ نوشی کی زیادتی بے حد خطرناک ہے پلیز بی کیئرفلی۔'' وہ آگے بڑھ کر آفس کی کھڑکیاں کھولنے لگا، کھڑکیاں کھلتے ہی ٹریفک کا شور بڑی فراخدلی سے دفتر کے پرسکون ماحول کو درہم برہم کر گیا، جہان نے سگریٹ بجھا دی تھی۔

''سوچ رہا ہوں جاب کی تلاش میں مزید جوتے چٹخانے سے بہتر ہے میں بھی آفس جوائن کر لوں، اب میں لالے کی طرح تو ہوں نہیں کہ ادھر ڈگری ہاتھ میں آئی ادھر آفرز پٹاپٹ گرنے لگیں، نوکری اور چھوکری ساتھ ساتھ......'' وہ آہ بھر کے کہہ رہا تھا، ڈیڑھ سال کی خواری نے اسے اچھا خاصا مایوس کر کے رکھ دیا تھا۔

''مایوسی کفر ہے زیاد! اللہ سے ہمیشہ اچھی امید رکھتے ہیں، چائے پیئو گے یا کافی؟'' جہان نے وال کلاک پہ نگاہ ڈال کر انٹرکام کا ریسور اٹھاتے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''نہ چائے نہ کافی! آپ بتائیں آپ نے کیوں بلایا ہے مجھے؟'' وہ کھڑکی سے ہٹ کر کرسی پہ آ کر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

''چل جاتا ہے پتہ آؤ میرے ساتھ۔'' جہان نے انٹرکام کا ریسور واپس جمایا اور اپنا کوٹ اٹھاتے ہوئے اسے بھی اٹھنے کا اشارہ کیا تو زیاد بوکھلا سا گیا تھا۔

''ہیں ہیں کہاں لے جا رہے ہیں مجھے؟ کہیں چپکے سے میرا نکاح تو نہیں پڑھانا چاہ رہے ہیں آپ۔'' وہ مصنوعی انداز میں آنکھیں پھاڑتا اس کے پیچھے بھاگا آیا تھا، جہان نے لفٹ میں داخل ہونے سے قبل مطلوبہ منزل کا بٹن دبایا تھا، پھر اسے اندر داخل ہونے کا اشارہ کرتا آہستگی سے مسکرایا۔

''بہت شوق ہے نکاح پڑھنے کا، یہ مرحلہ بھی دور نہیں ڈونٹ وری۔''

''آپ مجھے باتوں میں لگا کر اصل جواب گول کر گئے ہیں، بتائیں نا کہاں جا رہے ہیں ہم؟''

''فی الحال تو اتنا جان لو کہ ہم معاذ کے کالج جا رہے ہیں، وہاں سے اسے پک کرنا ہے۔''

''صرف انہیں؟ پرنیاں بھابھی کو نہیں؟ وہ بھی تو وہیں ہوتی ہیں، واہ سبحان اللہ کیا سنہرے نصیب ہیں لالے کے...... رومینس کے اتنے مواقع دھڑا دھڑ مل رہے ہیں ایک ہم ہیں......'' وہ بیک وقت معاذ پہ رشک اور خود پہ ترس کھانے میں مشغول تھا، جہان کو ہنسی آنے لگی، اس کی ایسی ہی باتوں کے دوران وہ لوگ کالج کے سامنے آن پہنچے تھے، جہان نے گاڑی پارکنگ میں روکی تھی پھر معاذ کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

''تم فری ہو معاذ!''

''ہاں بس نکل رہا تھا، کیوں خیریت؟''

''آجاؤ پھر فٹافٹ ہم کالج کے باہر ویٹ کر رہے ہیں تمہارا۔'' اس کی بات نے معاذ کو حیران

کر دیا تھا۔

''ہم سے مراد؟ اور کون ہے؟''

''یہ تم آ کے دیکھ لینا یار ابھی جلدی نکلو۔'' جہان نے فون بند کر دیا، زیاد کھڑکی کا شیشہ نیچے کیے ایک شوق کی کیفیت میں کالج گیٹ سے نکلتی لڑکیوں کو دیکھنے میں مصروف تھا، جہان کو اسی کی محویت نے مسکرانے پہ مجبور کر دیا، معاً بلیک ٹو پیس میں ملبوس معاذ حسن بیگ اپنے کاندھے پہ لٹکائے بے نیاز اور باوقار چال چلتا ہوا اپنی سمت آتا نظر آیا، زیاد نے مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھا تھا۔

''ریلیکس لالے، چلتے ایسے ہیں قسم سے جیسے یہ ساری دنیا انہی کی ملکیت ہے اور باقی سارے ان کی رعایا، اوئے کیا شان بے نیازی ہے، ہاہاہا انہی کے لئے کہا گیا ہے گویا۔''

خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے

''نہیں بہت اچھی طرح سے اندازہ ہے ان کی کیا ٹور ہے، ورنہ میرے جیسا بندہ نہیں برتتا اتنی حسین لڑکیوں سے بے رغبتی۔'' زیاد نے باقاعدہ آہ بھر کے کسی قدر حسرت زدگی سے کہا تھا، اسے واقعی معاذ کی بے اعتنائی پہ حیرانی ہوئی تھی، اس وقت کالج کے باہر چھٹی ہو جانے کے باعث لڑکیوں کا جم غفیر جمع تھا اور اکثر کی توجہ اس نے خود معاذ کی سمت مبذول دیکھی تھی۔

''مجھے تو لگتا ہے یہ پرنیاں بھابھی کے ڈر کی وجہ سے اتنے پرہیز گار ہو گئے ہیں ورنہ اتنے شریف ہرگز نہیں تھے۔'' اب کے زیاد نے باقاعدہ اس کی تائید چاہی تھی، جہان مسکراہٹ دبائے رہا تھا۔

''خیریت ہے نا جے؟ تم لوگ کیوں یہاں آ گئے ہو؟'' قریب آ کر معاذ نے گاڑی کی کھڑکی پہ جھکتے ہوئے جہان سے استفسار کیا تھا۔

''ہمیں بہت باخبر ذرائعے سے اطلاع ملی تھی کہ آپ پرنیاں صاحبہ کو زبردستی اغواء کرانے والے ہیں میں بھاگم بھاگ پہنچے ہیں جی کچھ نہ پوچھیں، یہیں پڑھتی ہیں نا وہ؟'' زیاد کی اپنی بکواس تھی، معاذ نے بدمزگی سے اسے دیکھا پھر سوالیہ نگاہوں کو جہان کی سمت موڑا تو جہان نے رسان سے جواب دیا تھا۔

''تم دونوں کو چاچو نے بلوایا ہے، سمجھو سرپرائز ہے تمہارے لئے، بیٹھ جاؤ گاڑی میں۔''

''یہ پپا ہر بات ہمیں چھوڑ کر تم سے ہی کیوں شیئر کرتے ہیں آخر؟'' معاذ نے بڑے پتے کا سوال کیا تھا پھر چابی اس کی آنکھوں کے آگے لہرا کر بولا۔

''میں اپنی گاڑی میں تمہیں فالو کرتا ہوں، دیکھ لیتے ہیں سرپرائز بھی۔''

''فالو کرتے وقت یہ بات دھیان میں رکھیئے گا کہ یہ جہان بھائی کی گاڑی ہے پرنیاں صاحبہ کی نہیں۔'' زیاد نے پھر چٹکلا چھوڑا تھا، معاذ اسے گھورتا ہوا اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

''آپ بتائیں نا ذرا کیا سرپرائز ہے؟ آپ نے مجھے تو ہوا بھی نہیں لگنے دی۔'' زیاد خیال آنے پہ جہان کے سر ہوا تھا۔

''یار لگ جائے گی ہوا بھی بس تھوڑا سا ویٹ۔'' جہان اس کے کہاں دام میں آنے والا تھا،

زیادہ اسے دیکھ کر رہ گیا، ان کی گاڑیاں آگے پیچھے جس جگہ جا کے رکیں یہ علاقہ نیو کراچی کا ایریا تھا، جہاں نئی اسکیموں کے تحت نو آباد بستیاں زیر تعمیر تھیں، اس وقت شام ڈھل رہی تھی وائٹ اور گولڈن مرمر سے بنی تین منزلہ پرشکوہ عمارت جس کی پیشانی پہ حسن شاہ ہاسپٹل کے سنہرے حروف دھوپ میں لشکارے مارتے اپنا تعارف کروا رہے تھے، اپنے نام کی طرح عمارت بے حد شاندار تھی، چار اطراف میں سبزے سے گھرا ہوا وسیع لان تھا، جیسے چھوٹے چھوٹے قطعوں کی شکل دے دی گئی تھی، پھولوں کے تختے مخملیں گھاس پر اس خوبصورتی سے سجے تھے کہ دور سے دیکھنے پر یوں معلوم ہوتا تھا، جیسے سبز قالین پر ڈیزائن کڑھا ہو، اس وقت لان اور عمارت کی روشنیاں بجھی ہوئی تھیں، مگر فوارے چل رہے تھے، فواروں کے بیرونی کناروں میں بالز جیسے آرائشی بلب روشن تھے جن کی دودھیا روشنی میں پانی پراسرار انداز میں جھلملا رہا تھا، پودوں کے تختوں پر جگنو ہی جگنو تھے جو چمکتے تو یوں لگتا جیسے پھولوں پر چراغاں ہو رہا ہو اور ننھے دیے ٹمٹما رہے ہوں، زیاد تو مبہوت بے یقین سا کھڑا یہ سب دیکھتا رہ گیا تھا، سامنے والا گلاس ٹیرس بھی لان کی طرح بے حد خوبصورت تھا، وہاں مریضوں کے ٹہلنے اور بیٹھنے کے لئے بھی سنگی بینچ نصب تھے، یہ ٹیرس بہت نمایاں تھا خاص طور پہ بڑی سی گلاس ونڈو کے چاروں طرف سفید اور سیاہ گلابوں کے چھوٹے چھوٹے گملے جو ونڈو کے چاروں طرف ڈیکوریشن پیس سز کی طرح نصب تھے اتنے چمکیلے تھے لگتا تھا مٹی اور پارے سے بنے ہیں، ہاسپٹل کی عمارت کے سامنے اس وقت خوب گہما گہمی تھی، چوبی دروازے کو بند کرنے کے بعد اس کے آگے چمکیلی پٹی لگائی گئی تھی، گویا آج افتتاح بھی ہونا تھا، پھر جانے کس کونے سے پپا اور پاپا جان ایک ساتھ چلتے ہوئے ان کی جانب آئے تھے اور بہت والہانہ انداز میں انہیں باری باری گلے لگا کر پیشانی چومی تھی۔

"اپنے ڈاکٹر بیٹوں کے لئے یہ ایک معمولی سا تحفہ ہے۔" پپا کے کہنے پہ جہاں معاذ کے چہرے پہ دھیمی دل آویز مسکراہٹ بکھری تھی زیاد کی آنکھیں اس درجہ محبت اور اہمیت پہ جھلملا گئی تھیں، وہ بے اختیار پھر ان سے لپٹ گیا تھا۔

"تھینکس پپا یو آر گریٹ۔"

"گریٹ تو بس خدائے کریم کی ذات ہے بیٹے! یہ اللہ کا ہی احسان ہے کہ اس نے آپ کو اس مقام پہ پہنچایا ہے اور اس نعمت سے سرفراز فرمایا، اپنے دل اپنی زبان پہ خدا کے ذکر اور شکر کے جاری ہونے کی دعا مانگو اور اس عہدے سے سرخروئی کی بھی، میری آپ لوگوں کو بس ایک ہی نصیحت ہے کہ اپنے منصب کو پہچانیں اور فی سبیل اللہ اس کے بندوں کی مسیحائی کریں، یہ علاقہ ابھی اتنا فیس ہے نہ ہی مہنگا مگر میرا یہاں ہاسپٹل بنانے کا مقصد ہی یہاں کے لوگوں کو علاج کی سہولتیں مہیا کرنا ہے، یہ صدقہ جاریہ کی نیت سے کیا گیا کام ہے بیٹے اس میں بھی اغراض کی آلائش کو شامل نہ ہونے دینا، خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، یہاں ہر شعبہ ہے، اسٹاف بھی ہائر کر لیا گیا ہے، آج سے چارج سنبھال لیں، یہاں کے اسٹاف میں ہمارے ملک کے بہت سینئر اور ماہر سرجن نے بھی اپنی خدمات پیش کی ہیں جن کا میں بے حد مشکور ہوں۔"

پاپا جان نے افتتاح کرانے کے بعد پپا نے ہاسپٹل کے سبزہ زار پہ عارضی طور پہ بنائے گئے اسٹیج کے ڈائس پہ آ کر چھوٹی سی تقریر کی تھی، اس کے بعد مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے مہمانان خصوصی نے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا تھا اور یوں یہ تقریب کھانے کے بعد اختتام پذیر ہوئی تھی تو زیاد کے دل میں پپا کے اس اقدام نے ان کی محبت اور قدر دانی نے گراں قدر اضافہ کر دیا تھا۔

☆☆☆

اسے بارش پسند ہے
مجھے بارش میں وہ
اسے ہنسنا اچھا لگتا ہے
مجھے ہنستے ہوئے وہ
اسے بولنا پسند ہے
مجھے بولتے ہوئے وہ
اسے سب کچھ پسند ہے
مجھے بس وہ

کالج کے سیکنڈ فلور کے ٹیرس پہ کھڑا تھا وہ اس کی نگاہیں گراؤنڈ میں پھیلی ہنستی کھیلتی لڑکیوں کے بیچ صرف پرنیاں پہ جمی ہوئی تھیں، وہ اپنی دوست کے ساتھ تھی اور کسی بات پہ ہنس رہی تھی، ہنستے ہوئے اس کے داہنے گال پہ ڈمپل پڑتا تھا اور ٹھوڑی میں بھنور جو اس کی خوبصورتی میں بے پناہ اضافہ کر جاتا تھا، اس کے دودھیا چہرے پہ ہوا کی سر سے بکھرتی لٹیں بے حد حسین لگ رہی تھیں، وہ محو ہو کر اسے دیکھنے لگا، بارش شروع ہو چکی تھی، ہوا میں ہلکی پھلکی خنکی کے ساتھ نمی بھلی معلوم ہو رہی تھی، پرنیاں اب آئسکریم کھا رہی تھی، وہ شیڈ کے نیچے تھی اور بارش سے محفوظ بھی، آئسکریم کھاتے ہوئے وہ بار بار اپنا ہاتھ پھیلا کر گلابی ہتھیلی پہ بوندوں کو جمع کرتی اور پھر شرارت بھرے انداز میں ثناء کی سمت اچھال کر ہنسے جاتی، معاذ کو کالج جوائن کیے ایک ماہ ہونے والا تھا اس ایک ماہ کے دوران معاذ نے اس کی سمت کوئی پیش رفت نہیں کی تھی، پرنیاں کا تو معاملہ ہی الگ تھا، وہ اسے سرے سے اگنور یوں کیے ہوئے تھی جیسے کبھی شناسائی ہی نہ رہی ہو، کبھی کبھی اس کا یہ رویہ معاذ کو بہت تکلیف دیتا تھا، وہ جانتا تھا وہ بدگمان ہے اس سے، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اس کے جذبوں سے بے خبر نہیں پھر بھی اگر وہ اسے کسی قابل نہیں گردانتی تھی تو معاذ کے لئے اس سے بڑھ کر توہین کی بات کوئی نہیں ہو سکتی تھی، وہ جس زاویے سے کھڑا تھا وہاں سے اسے نہیں دیکھا جا سکتا تھا جبھی وہ بہت ریلیکس انداز میں اسے دیکھتا رہا تھا مگر اب جیسے وجود میں نارسائی اور بے مائیگی کے احساس نے آگ سلگا دی تھی، لب بھینچتے ہوئے وہ پیچھے ہوا اور پلٹ کر سیڑھیاں اترتا نیچے آ گیا، اس کا رخ بیرونی گیٹ کی جانب تھا لڑکیاں ابھی بھی اپنے اپنے شغل میں مصروف تھیں، کچھ بھیگ رہی تھیں کچھ برآمدوں میں کھڑیں محض نظارہ کرنے میں مصروف تھیں، البتہ وہ جہاں سے گزرتا اسے خصوصی اہمیت سے نوازتے نہ صرف جگہ دی جاتی بلکہ یہ ہنسی اور قہقہوں کے طوفان بھی تھم جاتے، وہ اس سنجیدگی کے ساتھ آگے بڑھتے یکلخت تھم گیا، وہ پرنیاں ہی تھی جسے دوسری لڑکی بہت

جارحانہ انداز میں کھینچتی دھکیلتی برآمدے سے گراؤنڈ تک لا رہی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات جتنے غصیلے تھے آنکھوں کی نفرت اس سے کہیں بڑھ کر زور آور تھی۔

"کیا سمجھتی ہو تم مجھ سے جیت جاؤ گی؟ یہاں بھی جیت جاؤ گی، ہرگز نہیں، اب ایسا نہیں ہوگا پرنیاں بیگم! دیکھنا اب تمہارا تماشا پوری دنیا دیکھے گی۔" اس نے پہلے پرنیاں کے گرد لپٹی چادر کو کھینچا تھا پھر اسے زوردار دھکا دیا، چادر کا جو آخری کونہ پرنیاں کے کاندھے پہ رہ گیا تھا اس دھکے سے وہ بھی سرک گیا، وہ لڑکھڑا کر سبزے کی باڑھ پہ گری تھی، یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ خود معاذ بھی حیرانی اور غیر یقینی سے ساکت کوئی ایکشن نہیں لے سکا، لرزتی کانپتی پرنیاں کی حالت بے حد غیر ہو چکی تھی، سبکی خفت شرمندگی کے احساس نے اسے ادھ موا کر کے رکھ دیا تھا۔

"واٹ نان سنس؟ یہ بدتمیزی کیوں کر رہی ہیں آپ؟" معاذ حسن بھڑک اٹھا تھا، اس کا خطرناک حد تک بڑھ جانے والا سرخ چہرا اس کے شدید غیض کا مظہر بن گیا تھا، اس لڑکی جس کے چہرے پہ عجب دیوانگی کا تاثر تھا اسے دیکھتے ہی جیسے ٹھنڈی پڑ گئی۔

"کیا حرکت تھی؟ میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہو کر آپ اس قدر ایٹی کیٹس سے بے بہرہ ہیں مجھے افسوس ہو رہا ہے۔" بے پناہ غصے کے باوجود وہ شائستگی کے دائرے سے باہر نہیں نکلا تھا، تو یہ اس کے عہدے کا ہی تقاضا تھا ورنہ وہ اس وقت سراپا قہر بنا ہوا تھا، ثناء نے پرنیاں کو کھڑا ہونے میں مدد دی تھی اور اسے اس کی چادر اوڑھائی، پرنیاں کی وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو، معاذ نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا اس کی آنکھیں بے حد خاموشی اور تسلسل سے بہہ رہی تھیں، وہ بے اختیار اس کی سمت بڑھ آیا۔

"کہیں چوٹ تو نہیں آئی آپ کو؟" پرنیاں نے چونکتے ہوئے نگاہ اٹھائی تھی، اس کی آنسوؤں سے دھندلاتی آنکھیں لحہ بھر کو اس کی پرتشویش متفکر نگاہوں سے ٹکرائی تھیں پھر جھک گئیں، اس نے محض سر کو نفی میں جنبش دینے پہ اکتفا کیا تھا، جبکہ معاذ کی نگاہ اس کے اجلے روئی کے گالے جیسے سفید ہاتھ سے بہتے خون پہ جم گئی تھی جس پہ گہری کھرونچ پڑ چکی تھی۔

"آپ دونوں پرنسپل کے آفس چلیں ہری اپ۔" وہ آرڈر کرنے کے بعد خود نپے تلے قدم اٹھاتا آگے بڑھ گیا تو جیسے تب سے چھایا طلسم بکھر گیا، لڑکیاں حیران ششدر، کبھی پرنیاں کو تو کبھی لحہ بہ لحہ پرنسپل کے آفس کی جانب بڑھتے سر معاذ حسن کو دیکھ رہی تھیں جو کتنی دیر بارش میں کھڑے ہو کر ایک معمولی بات کے لئے بھیگے تھے، کیوں؟ ہر آنکھ میں یہ سوال معنی خیزیت لئے ہوئے تھا اور نگاہ خود بخود پرنیاں کی سمت اٹھ گئی تھی، جس پہ استون مین معاذ حسن کی دروان کلاس بے خودی میں اٹھتی نگاہوں کی ایک دنیا گواہ ہو چکی تھی، پرنیاں کچھ اور بھی روہانسی ہو گئی، اس نے بے بس نظروں سے ثناء کو دیکھا جو اسے ہاتھ پکڑ کر پھر سے شیڈ کے نیچے لے آئی تھی۔

"اب کیا ہوگا ثناء؟ وہ یقیناً معاملے کی نوعیت پوچھیں گے۔" وہ سخت ہراساں تھی، بھلا تھی کوئی بات بتانے کی نیہاں کی اس جھگڑے اور نفرت کی وجہ کوئی اور نہیں خود معاذ حسن تھا، دیگر لڑکیوں کی طرح اس نے بھی معاذ حسن کی توجہ اس کی سمت بڑی شدتوں سے محسوس کی تھی، یہ وہی معاذ حسن تھا جس پہ وہ اپنی ہر ادا کا جادو ناکام ہوتا دیکھ چکی تھی، پھر وہ بھلا پرنیاں کے لئے کیوں موم بن گیا تھا،

اس خیال نے نیہاں جیسی خود پسند لڑکی کو پاگل کر دیا تھا اس کے لئے کبھی بھی کسی سے پنگا لینا مشکل نہیں رہا تھا، پھر پرنیاں تو بہت آسان ہدف تھی اس کے لئے کہ اس کی اکثر زیادتیوں کے جواب میں اس کی خاموشی نے نیہاں کے حوصلے بڑھا دیئے تھے، پھر اب جب کہ معاذ اپنے خیال میں سب سے محفوظ رہ کر پرنیاں کو دیکھ رہا تھا وہ یہ نہیں جان سکا تھا کہ نیہاں جس کا دھیان صرف اسی پہ لگا رہتا ہے اس کی اس حرکت سے جل کر خاکستر ہو گئی ہے، معاذ ٹیرس سے ہٹا تو وہ تن فن کرتی پرنیاں کے پاس چلی آئی تھی، اس کے نزدیک سے گزرتے ہوئے وہ جان بوجھ کر پرنیاں سے ٹکرائی تھی اور اپنا پرس پرنیاں کے پاس گرا دیا تھا، اس کے بعد اس کا تقاضا تھا کہ پرنیاں اسے پرس اٹھا کر دے پرنیاں کے انکار پر وہ آپے سے باہر ہو کر یہ سارا افساد برپا کر چکی تھی، مگر شومئی قسمت کہ اب معاملہ معاذ کی وجہ سے پرنسپل کی عدالت میں پیش ہو چکا تھا۔

"جو سچ ہے وہ بتا دینا تم۔" ثناء کے مشورہ پہ پرنیاں نے گھبرا کر اسے دیکھا گویا کہہ رہی ہو وہ ہے اس قابل بات کہ دہرائی جائے، ثناء اس سے اکثر یہ بات ڈسکس کر چکی تھی، وہ پورے دعوے سے کہتی تھی کہ سر معاذ اس کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں اور پرنیاں ہر بار اس کو پورے یقین سے جھٹلاتی تھی، ان کے درمیان بہت مرتبہ یہ بحث ہو چکی تھی جس کا اختتام پرنیاں کے جھگڑے اور پھر خفگی پہ ہوتا تھا، وہ جتنا اس موضوع سے کتراتی تھی ثناء کو اتنا ہی اسے طول دے کر لطف آیا کرتا۔

"میری جان قسم سے پورے کالج میں اگر سر معاذ کے ساتھ کوئی لڑکی سوٹ کر سکتی ہے تو وہ تم ہو؟"

"میں کچھ نہیں بتاؤں گی ثناء چاہے ساری بات مجھ پہ آ جائے۔" پرنیاں نے اپنی چادر پیشانی پہ آگے کھینچتے ہوئے پرنسپل کے آفس کی جانب بڑھتے حتمی انداز میں کہا تھا، ثناء نے آہ بھر کے اسے دیکھا۔

"یہی تو وجہ ہے کہ وہ تمہارے سر پہ چڑھ کے ناچنے لگی ہے، مجھے پتہ نہیں کیوں لگتا ہے سر معاذ تمہارے منتظر ہیں۔" وہ پھر قیاس کے گھوڑے دوڑانے لگی، پرنیاں ان سنی کیے پرنسپل کے آفس کی جانب بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

تنہا کہیں ملو تو بیان آرزو کریں
ہم اتنی بھیڑ بھاڑ میں کیا گفتگو کریں
تجھ تک رسائی کے لئے اک عمر چاہیے
سب کچھ خواب و خیال ہے کیا جستجو کریں
ہم ایسے پاکباز کہاں ہیں کہ روز و شب
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
قاصد کو درمیان سے ہٹایا ہے اس لئے
جو بات ہم کریں تیرے روبرو کریں

معاذ نے ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا جس کا چہرا غم و یاس کی ہی نہیں بے بسی کی بھی

تصویر بنا ہوا تھا، پرنسپل صاحب آفس میں نہیں تھے اور وہ زبردستی اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا اور اب خواہش مند تھا کہ پرنیاں اسے ساری بات بتائے، پرنیاں کے دماغ خراب نہیں تھا کہ اپنے ہاتھوں اپنی شامت کو آواز دے اس کے ہونٹوں پہ لگی خاموشی کی مہر نہیں ٹوٹی تھی، اس کی طرف منتظر سوالیہ انداز میں دیکھتی معاذ کی نظروں سے جھلاہٹ جھلکنے لگی۔

''تو آپ نہیں بتائیں گی مجھے کچھ بھی؟ او کے فائن میرا خیال ہے مجھے گاڑی ہاسٹل کی بجائے گھر کی طرف موڑ دینی چاہیے مما آپ سے خود پوچھ لیں گی۔'' وہ اتنا جھنجھلایا تھا کہ گاڑی میں ثناء کی بھی موجودگی کو فراموش کر گیا، خراب موسم کی وجہ سے معاذ انہیں خود ہاسٹل ڈراپ کرنے جا رہا تھا، ایک استاد کی حیثیت سے یہ بات اتنی معیوب بھی نہیں تھی اور پرنیاں دوٹوک انکار کر کے ثناء کو مشکوک نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اب معاذ کی دھمکی پہ وہ سراسیمہ ہوگئی تھی۔

''سر پلیز! یہ پرنسپل کی ٹیبل پہ بیٹھ کر حل ہونے والا مسئلہ ہے آپ اسے گھر تک کیوں لے جانا چاہتے ہیں، پھر جو کچھ ہوا اور اتنا معمولی تھا میں ہرگز بھی کوئی ایشو نہیں چاہتی۔'' اس نے گڑبڑا کر تیزی سے بات ختم کرنا چاہی تھی، اس کے لہجے و انداز میں واضح طور پہ عاجزی اتر آئی تھی، معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر کے اسے دیکھا۔

''مس نیہاں کو آپ سے بہت شکایتیں ہیں، وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ ان سے ہر مقام پہ خوامخواہ الجھتی ہیں وائے؟''

''آف کورس آپ کی فیملی بھی آپ کو ان فضولیات کی اجازت نہیں دے گی۔'' معاذ نے اسٹیئرنگ پہ جمے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے لمحہ بھر کو بیک مرر میں اسے دیکھا تھا، وہ سخت کنفیوژ نظر آ رہی تھی۔

''ایسا نہیں ہے سر! نیہاں غلط بیانی کر رہی تھیں، پرنیاں نہیں وہ خود پرنیاں سے ہر مقام پہ الجھتی ہے اور اسے نیچا دکھانے کی کوشش کرتی ہے۔''

پرنیاں کی خامشی ثناء کو بری طرح کھلی تھی جبھی اس نے اس دوران پہلی بار لب کشائی کی، معاذ نے چونک کر ثناء کو دیکھا تھا البتہ اس کی نگاہ مضطرب ہوتی پرنیاں پہ بھی ٹھہری تھی۔

''وہ ایسا کیوں کرتی ہیں مس ثناء۔'' اس بنیادی سوال پہ ثناء کی بھی بولتی بند ہوئی تھی، وہ پہلے پرنیاں پھر معاذ کو ٹکر ٹکر دیکھنے لگی۔

''ٹیل می مس ثناء۔'' اب کے معاذ نے کسی قدر سرد پن سے اسے دیکھا تھا، ثناء کے چھکے چھوٹنے لگے، پرنیاں کا خوف نہ ہوتا تو اسے اصل بات بتانے میں بھی کوئی تامل نہیں تھا۔

''شش...... شاید سر وہ...... وہ پرنیاں سے جیلس ہے۔'' وہ ہکلا کر بولی تو معاذ ایک دم ہنس دیا تھا۔

''اچھا!...... گڈ'' اس کا لہجہ ذومعنی تھا۔

''یعنی آپ بھی لڑکیوں کی نوے فیصد قوم کی طرح اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ دوسرے آپ سے جیلس ہیں۔'' ثناء کے ساتھ ساتھ پرنیاں کا بھی چہرا خفت سے سرخ پڑ گیا، پرنیاں کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ ثناء کا یا پھر معاذ حسن کا ہی سر پھاڑ دے۔

''مس ثناء مجھے امید رکھنی چاہیے کہ آپ لوگ آئندہ جامعہ کے تقدس کا احترام کریں گی اور آئندہ اس قسم کی سچویشن کری ایٹ نہیں ہوگی؟''

اس سے ایڈریس پوچھ کر گاڑی ہوسٹل کے آگے روکتے ہوئے معاذ نے کسی قدر تیکھے لہجے میں کہا تھا، ثناء نے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیر کے محض سر ہلانے پہ ہی اکتفا کیا اور گاڑی سے اترتے ہی پلٹ کر دیکھے بنا دوڑ لگا دی تھی، پرنیاں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا مگر وہ ایک سے دوسرا قدم نہیں اٹھا سکی، اس کے دوپٹہ کا کونہ معاذ حسن کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا، پرنیاں نے ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا۔

''آپ شاہ ہاؤس کب آ رہی ہیں؟ مجھے کچھ بات کرنی ہے آپ سے؟''

پرنیاں کا دل پھیلا سکڑا اور رگوں میں خون کی جگہ انگارے دوڑنے لگے، نگاہوں کا یہ تصادم لمحے بھر کا تھا مگر معاذ حسن کی نظروں سے لپکتی شوق کی شعاعیں اس کے اندر تک اترتی چلی گئی تھیں، اس کے یوں دیکھنے پر پرنیاں نے بے اختیار خود میں سمٹ کر نظریں چرائیں، وہ جب بھی معاذ کی گہری آنکھوں میں اپنے لئے جذبوں کے پرشوق بپھرتے مچلتے طوفان دیکھتی ایک ہراسگی سی اس پہ چھا جاتی تھی، کچھ کہے بغیر اس نے ایک جھٹکے سے اپنا دوپٹہ چھڑایا تھا اور راستے میں کھڑے بارش کے پانی کی پرواہ کیے بغیر آگے بڑھتی ہاسٹل کے کھلے گیٹ سے اندر گھس گئی معاذ کے اندر آگ سی بھڑک اٹھی تھی۔

(تمہیں اندازہ نہیں ہے پرنیاں کہ تم اپنے لئے کتنی مشکلات بڑھا رہی ہو، چھوڑنے والا نہیں ہوں میں تمہیں) وہ توہین اور سبکی کے احساس سے جل جل اٹھا تھا۔

☆☆☆

محبت امر رہتی ہے
اگر دل ٹوٹ بھی جائے
صنم گر روٹھ بھی جائے
کسی کا ہاتھ ہاتھوں سے
کبھی جو چھوٹ بھی جائے
محبت مٹ نہیں سکتی محبت مر نہیں سکتی
محبت امر رہتی ہے کبھی یادوں کی صورت میں
کبھی باتوں کی صورت میں اداس راتوں کی صورت میں
یہ برساتوں کی صورت میں محبت امر رہتی ہے
محبت کرنے والوں کی انوکھی ریت ہوتی ہے
محبت ہار بھی جائے تو اس میں جیت ہوتی ہے
محبت چیز ایسی ہے کبھی جو مٹ نہیں سکتی

اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا، خاموش ملگجا ابر آلود دن اس کے ساتھ تھا، وہ جالی کا دروازہ کھلا چھوڑ کر باہر آ گئی، جھولے پر کل کی آندھی سے ٹوٹ کر بکھرے ہوئے پتوں کی ڈھیری

تھی، جھولا بالکل ساکت تھا، اس نے ہاتھ سے پتے جھاڑے اور جھولے پہ بیٹھ گئی، جھولا دھیرے دھیرے ہلنے لگا، وہ کسی سوچ میں گم ہونے لگی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز پہ چونک کر دیکھا اگلے لمحے میں حیرت کی زیادتی سے ایکدم سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی، زینب نے مسکراتے ہوئے آ کر اسے گلے لگایا تب وہ گہرا سانس بھر کے اسے چھو کر دیکھنے لگی تھی۔

''یقین نہیں آ رہا ہے نا میرے آنے کا؟'' زینب ہنسی تھی، نوریہ مسکرا بھی نہ سکی۔

''کیسی ہو تم؟'' نوریہ کے ساتھ ہی وہ بھی جھولے پہ بیٹھ گئی اور بے حد حیرانی سے لان کا جائزہ لینے لگی جہاں پچھلی رات کے طوفان نے بہت تباہی مچائی تھی، آسمان ابھی بھی گرد آلود تھا۔

''تمہارا لان اتنا گندا کیسے ہو رہا ہے بھئی۔'' زینب کی حیرت بالآخر ظاہر ہو گئی تھی، وہ اس کی پودوں کے متعلق جذباتی وابستگی سے بخوبی آگاہ تھی، نوریہ کچھ شرمندہ نظر آنے لگی۔

''آؤ اندر چلتے ہیں، یہاں بہت گرد ہو رہی ہے۔''

''تو کیا ہوا؟ میں غیر تھوڑی ہوں۔'' زینب مسکرائی تھی۔

''اندر مما اور حوری سے بھی تو ملو گی نا تم۔'' نوریہ اٹھی تو زینب نے اس کی تقلید کی تھی۔

''تمہارا کوئی پروپوزل آیا ہوا ہے؟'' زینب کے سوال پہ نوریہ نے ہونٹ بھینچ لئے تھے پھر دانستہ بات کو پلٹا۔

''تم کب آئیں؟ مجھ خبر ہی نہ ہو سکی۔''

''ابھی ایک گھنٹہ پہلے آئی ہوں، مما سے کہا ہے پرنیاں کو بھی بلا لیں، تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟'' زینب کی سوئی ایک ہی جگہ پہ اٹکی ہوئی تھی، پھر نوریہ کے چہرے پہ نگاہ جما کر بولی تھی۔

''نوری میرے بھائی کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے، پلیز کچھ تو خیال کرو۔''

''کوئی کسی کے بغیر نہیں مر جاتا، میری مثال سامنے ہی تمہارے۔'' وہ کس قدر پھنکاری، زینب نے ہونٹ بھینچ لئے تھے، پھر جتنی دیر وہ بیٹھی رہی نوریہ اس سے کترائی ہوئی رہی تھی۔

''آؤ نا میرے ساتھ چلو ادھر۔'' زینب جانے کو اٹھی تو اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، جسے نوریہ نے اگلے لمحے نہایت رکھائی سے چھڑا لیا۔

''میرے لئے اب وہاں کچھ نہیں بچا ہے، زینب سو پلیز مت فورس کرو مجھے۔'' زینب اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

کوئی پل وہ تیرے ساتھ کا
میری عمر بھر کو سمیٹ لے
میں فنا بقا کے سبھی سفر
اسی ایک پل میں گزار دوں

پرنیاں اپنے دھیان میں لائبریری سے بک ایشو کروا کے نکلی تھی کہ اس سمت آتے معاذ حسن سے سامنا ہو گیا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' اسے روبرو پاتے ہی معاذ کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں، نیوی بلیو پینٹ کوٹ میں وہ اپنی ٹھٹکا دینے والی مردانگی کے ساتھ ماحول کی خوبصورتی میں گراں قدر اضافے کا سبب بن رہا تھا، جس رخ سے وہ کھڑا تھا سورج اس کے بالکل مدمقابل آ گیا تھا، سورج کی کرنیں اس کی سنہری رنگت سے یوں لپٹ گئی تھیں کہ اس کا وجود گویا جگمگا اٹھا تھا، یوں لگتا تھا یہ روشنی اس کے وجود سے خارج ہو رہی ہو، پرنیاں کو لاشعوری طور پہ ہی سہی مگر اس کی خوبصورتی نے چند لمحوں کو سحر زدہ ضرور کر دیا تھا۔

اسے اعتراف کرنا پڑا تھا کہ اس سے قبل اس نے کسی پہ بلیو کلر کو اتنا جچتا ہوا کبھی نہیں دیکھا تھا، ہمیشہ اس کو دیکھ کر نظریں جھکا لینے والی پرنیاں بھی اس پل اس کو دیکھتی رہ گئی تھیں اول روز کا اس کی ذات پہ چھایا معاذ حسن کی شخصیت کا سحر مزید گہرا ہو گیا تھا، معاذ نے اس کی اس غیر شعوری محویت کو پہلے حیرانی کی نگاہ سے دیکھا تھا پھر جیسے اپنی ذات کے غرور کے احساس سمیت زعم سے مسکرا دیا اسی مسکراہٹ نے پرنیاں کا یہ طلسم توڑا تھا اور اگلے لمحے ناگواری کے احساس سے دوچار کر دیا تھا۔

''آپ کی مجھ سے کسی قسم کی کوئی شناسائی ہے اس بات کو یہاں کوئی نہیں جانتا ہے، کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ مجھے اس طرح سر راہ مخاطب کرنا چھوڑ دیں، بہر حال میں کوئی اسکینڈل افورڈ نہیں کر سکتی ہوں۔'' اس کا تند خیز لہجہ تنا ہوا چہرا اس کے شدید غصے کا غماز تھا، پرنیاں کے اندر اس دن کی لگی آگ نہیں بجھی تھی جب وہ معاذ کے زبردستی کے نتیجے میں اس کی گاڑی میں ہاسٹل آ گئی تھی، کیسا ناک میں دم کیا تھا ثناء نے اپنے سوالوں سے اس کا، وہ ایک ایک نقطہ پوری جزئیات سے اٹھاتی تھی اور پھر اس پہ طویل بحث کرتی رہی تھی۔

''سر نے بالخصوص تمہیں اتنی اہمیت کس چکر میں دی، پھر وہ اپنی مما اور گھر کا بھی حوالہ دے رہے تھے وائے پرنیاں وائے؟'' اور پرنیاں کو اس جیسی ذہین زیرک لڑکی کے سامنے جان چھڑانے کو ایک ہزار ایک جھوٹ بولنے پڑے تھے مگر وہ اس کی نگاہوں کے شکوک پھر بھی ختم کرنے سے قاصر رہی تھی، یہی نہیں اس روز جتنی لڑکیوں نے بھی انہیں معاذ حسن کے ساتھ گاڑی میں جاتے دیکھا تھا، سب کی نگاہوں میں اس کے لئے رشک وحسد بیک وقت ڈولتا رہتا تھا، وہ پرنیاں کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگی تھیں اور پرنیاں کو یہی بات کھا گئی تھی۔

''اپنا لہجہ درست کریں پرنیاں! میں ہرگز آپ کی بدتمیزی برداشت نہیں کروں گا، حد ہوتی ہے کسی بھی بات کی؟ آپ خود کو سمجھتی کیا ہیں؟'' اس ہتک نے اسے آتشیں کر دیا، اس کی تذلیل کرنے والا آنکھیں دکھانے والا کوئی پیدا نہیں ہوا تھا اسی لئے وہ ایک منٹ سے بھی کم دورانیے میں بھڑک اٹھا، شدید غیض سے اس کی آنکھیں دہک اٹھی تھیں، وہ جیسے سب کچھ فراموش کر کے مرنے والے انداز میں اس کی جانب بڑھا تو پرنیاں سراسیمہ ہو کر بے اختیار کئی قدم پیچھے سرکی، اسے ایکدم اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا، کالج آف ہو چکا تھا اور کالج کا یہ حصہ یکسر سنسان تھا، وہ اس پل وہاں اس کے ساتھ اکیلی تھی اور گویا اس کے رحم و کرم پہ معاذ کی پیش قدمی کے نتیجے میں وہ یونہی الٹے قدموں پیچھے ہٹتی دیوار سے جا لگی۔

''سس...... سوری سر! مجھے آپ سے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا، آئی ایم رئیلی ویری سوری پلیز۔''

مفاہمتی انداز میں دونوں ہاتھ اٹھائے، وہ گڑگڑاتی کچھ اتنی عاجزی سے بولی تھی خوف کے شدید احساس سے آنکھیں چھلک پڑنے کو بے قرار ہو گئیں، معاذ کا دماغ میں ٹھوکریں مارتا جنونی غصہ سرد پڑنے لگا، اس نے نگاہ بھر کے اس کے چہرے کو دیکھا، سر سے دوپٹہ سرک جانے کے باعث کچھ لٹیں چہرے پہ ڈھلک آئی تھیں، معاذ کی نگاہیں اس کے چہرے کی دلکشی اور سحر انگیزی سے خیرہ ہونے لگیں، اس نے ہونٹ بھینچ لئے بلاشبہ یہی وہ چہرا تھا جس نے اس کے ہوش و حواس چھین لئے تھے، اسے کسی بھی انتہا سے واپس لانے کو بھی یہی چہرا جادو اثر صلاحیت رکھتا تھا، وہ جیسے ہارنے لگا، خود اپنے آگے بھی۔

"آئندہ مجھ سے اس بدتمیزی سے بات نہیں کرنا پرنیاں ورنہ انجام کی تمام تر ذمہ داری آپ کی ہو گی۔" اس کے سہمے ہوئے چہرے پہ نگاہ ڈالتا ہوا وہ تنبیہ کے انداز میں جتلا کر بولا تھا، پرنیاں کے حواس اس قدر مختل تھے کہ بے اختیار سر ہلا کر گویا عہد کر لیا تھا یا پھر وہ اس سے جلد از جلد جان چھڑانا چاہتی تھی، معاذ کو دوسری سوچ زیادہ صحیح محسوس ہوئی تھی۔

"زینب آئی ہوئی ہے اور وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے، میں گاڑی میں آپ کا ویٹ کر رہا ہوں پانچ منٹ کے اندر آئیں۔" اس سے فاصلہ بڑھاتا ہوا وہ وہاں سے مڑتے ہوئے اس کی سماعتوں میں صور پھونک کر اسے دہشت کے حصار میں دھکیل گیا تھا، اس نئے آرڈر پہ پرنیاں کی روح فنا ہو گئی تھی، چند لمحوں کو تو اس پہ سکتہ طاری ہو گیا، پھر وہ حواسوں میں آ کر سراسیمہ ہوتی اس کے پیچھے بھاگی آئی تھی۔

"سر...... سر پلیز! امم...... میرے پاس زینب کا سیل نمبر ہے، میں انہیں کال کر لوں گی، اور اگر آنا ہوا تو خود ہی......" باقی کا فقرہ اس کے حلق میں ہی گھٹ کر رہ گیا تھا، معاذ حسن نے دیکھا ہی اسے ایسے خونخوار انداز میں تھا کہ وہ پھر سہم گئی تھی۔

"شٹ اپ پرنیاں! میں نے آپ سے مشورہ نہیں مانگا، آرڈر کیا ہے آپ کو، آرڈر کا مطلب سمجھتی ہیں، پانچ منٹ ہیں آپ کے پاس۔" کلائی پہ بندھی رسٹ واچ پہ نگاہ ڈال کر وہ سرد آواز میں پھنکارا تھا اور اس کے فق ہوتے چہرے پہ نخوت بھری نگاہ ڈال کر آگے بڑھ گیا تھا، بے چارگی اور بے مائیگی کے احساس نے پرنیاں کو مغلوب کر کے توڑ پھوڑ ڈالا تھا، اس کے پاس کوئی راستہ نہیں بچا تھا راہ فرار کا، اس کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، وہ شکست خوردہ سی آ کر اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تو چہرے سے بے بسی کا تاثر بے حد واضح تھا۔

"یہاں آیئے محترمہ! میں آپ کا ڈرائیور نہیں ہوں۔" اسے پچھلا دروازہ کھولتے دیکھ کر وہ انہی سخت تیوروں سے بولا تھا، پرنیاں کچھ اور بھی بے جان سی ہو گئی، ناچاہتے فرنٹ سیٹ پہ اس کے برابر بیٹھ کر وہ بے دردی سے ہونٹ کچلنے لگی تھی، معاذ حسن نے آگے کی سمت جھک کر بازو بڑھا کر خود اس کا کھلا چھوڑا ہوا دروازہ نہایت جارحانہ انداز میں بند کیا تو پرنیاں کی اس کے بگڑے تیوروں سے جان نکلنے لگی تھی۔

(بھلا یہ اب مجھے جہاں مرضی لے جائیں، اتنے تو غلط انسان ہیں) اس کی نگاہوں میں نیلما والا منظر پھر روشن ہوا، اس نے چور نگاہوں سے اسے ایک نظر دیکھا اور جیسے خدشات کی یلغار سے

خود پہ قابو نہ رکھ سکی، ٹپ ٹپ کتنے آنسو ایک ساتھ بہے تھے، معاذ نے حیران ہو کر اس بن بادل برسات کو دیکھا تھا۔

"کیوں رو رہی ہیں؟" وہ بے حد خراب موڈ کے ساتھ غرایا، پرنیاں کے پاس جواب نہیں تھا نہ آنسوؤں پہ اختیار، یہ خاموشی اور شدت سے بہتے آنسو معاذ کے غضب کو دعوت دے رہے تھے۔

"مجھے پتا ہے آپ کو مجھ پہ اعتماد نہیں ہے۔" وہ کوئلے کی طرح چٹخا، آنکھیں توہین کے احساس سے جل اٹھی تھیں، پرنیاں کی ہراسگی یکلخت بڑھ گئی۔

"نا...... نہیں نہیں...... مجھے آپ پہ اعتماد ہے۔" وہ گھبرائی ہوئی تھی، بے اختیار یقین دہانی کرانے لگی، معاذ نے چونک کر اسے دیکھا پھر اس کی حالت کو سمجھا تو ایکدم چند لمحوں کو چپ ہو گیا تھا۔

"تو آپ کو مجھ پہ اعتماد ہے، گڈ، کتنا؟" وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا، آنکھوں کے گوشوں میں مسکراہٹ در آئی تھی مگر وہ اتنی حواس باختہ تھی کہ عقل گویا رخصت ہو گئی تھی۔

"بہت اعتماد ہے آپ بہت اچھے ہیں سر۔" اپنی بات کے اختتام تک وہ سسک اٹھی تھی، معاذ نے دھیان سے اسے دیکھا۔

"سر کیوں کہہ رہی ہیں؟ یہ کالج نہیں ہے۔" اس نے بظاہر سختی سے ڈانٹا تھا، پرنیاں آنسو بھری آنکھوں سے ہونٹ کچلتے اسے دیکھنے لگی۔

"رو کیوں رہی ہیں؟ رونا بند کریں۔"

تجھ سے محبت کرتا ہوں تیری میں جان لے لوں گا
اگر ان جھیل آنکھوں کو کبھی پرنم کیا تو نے

اگلا آرڈر جاری ہوا تھا بڑے شاہانہ انداز میں اس پہ جھک کر وہ خواب آسا لہجے میں گنگنایا تھا، پرنیاں کے مختل حواس بڑی سرعت سے کام کرنے لگے، اس نے خود کو بے اختیار پیچھے کی جانب سرکایا۔

کتنی منہ پھٹ ہیں تمنائیں میری
جیسے بچے امیر لوگوں کے

اس نے سرد آہ بھری اور اس کے آنسو پونچھنے کو بڑھا اپنا ہاتھ درمیان سے ہی واپس کھینچ لیا اور ٹشو کیس سے ٹشو کھینچ کر اس کی گود میں پھینک دیئے۔

"چہرا صاف کروالیں میں نہیں چاہتا کوئی میری طرف سے مشکوک ہو۔" خود پہ بے حسی لاتعلقی اور بے نیازی کا خول چڑھاتے ہوئے وہ کس قدر تنک کر بولا تھا، پرنیاں نے بغیر کسی جھجکے حکم کی تعمیل کی تھی، گاڑی شاہ ہاؤس کے آہنی گیٹ کے آگے ٹھہری تھی، معاذ نے ہارن پہ ہاتھ رکھ دیا، چند لمحوں کی تاخیر سے گیٹ کھلتا چلا گیا تھا، پرنیاں کی عجیب سی کیفیات ہو گئیں، سب کا سامنا کرنے کے خیال وہ بھی معاذ کے ساتھ اسے عجیب سی خفت اور شرمندگی سے دوچار کرنے لگا، کب سے سوئے جاگے احساسات پوری طرح بیدار ہو چکے تھے، ورنہ معاذ نے تو کچھ اس انداز میں پریشرائز کیا تھا کہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی بیکار ہوتی محسوس کر رہی تھی، مگر

اب یہ صلاحیتیں پھر سے بیدار ہو گئی تھیں، اسے شاہ ہاؤس کے مکینوں کے متوقع تاثرات مضطرب کرنے لگے۔

"(بھلا کیا سوچیں گے وہ سب میرے متعلق!)۔" اسے اپنی پوزیشن بے حد آکورڈ لگنے لگی۔

معاذ نے گاڑی پورٹیکو میں روکی پھر اس کی سمت توجہ ہوا تھا، مگر وہ کسی گہری سوچ میں تھی، معاذ نے شرارت آمیز نظروں سے اسے دیکھ کر کھانس کر متوجہ کیا۔

"کیا آپ شرما رہی ہیں؟ مگر ابھی میں آپ کو شادی کر کے تو نہیں لایا، یہ ساری جھجک اور گریز اس وقت کے لئے اٹھا رکھیں۔" پرنیاں نے چونک کر اسے دیکھا، اس کی نگاہوں سے ٹپکتی شرارت اور معنی خیز تبسم اسے جلا کر خاکستر کر گیا، کچھ کہے بغیر وہ تپتے چہرے کے ساتھ رخ پھیر کر گاڑی سے اترنے کو دروازہ کھولنے لگی تھی کہ معاذ نے پھر پکار لیا، پرنیاں کا ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہو گیا تھا گویا ہمہ تن گوش ہو گئی مگر پلٹ کر اس کی جانب نہیں دیکھا مگر وہ بھی معاذ تھا، ضدی اور ہٹیلا۔

"ادھر دیکھیں میری طرف۔" پرنیاں لازمی اڑی دکھاتی اگر جو وہ کچھ دیر قبل اس کا طنطنہ اچھی طرح توڑ نہ چکا ہوتا، اس نے اپنا رخ معاذ کی سمت پھیر لیا تھا مگر چہرا اور نگاہیں ہنوز جھکی تھیں، تاثرات سے عجب بے بسی چھلک رہی تھی جو اس کی واضح ہار تھی، معاذ کو اس کی کیفیت نے انوکھا لطف دیا، مگر اسے زچ کرنے ستانے کا ارادہ موقوف نہیں کیا۔

"اک گزارش کر سکتا ہوں؟" اس کا لہجہ مدھم اور گمبھیر تھا، پرنیاں نے ہونق ہو کر اس کی شکل دیکھی تھی۔

"ج...... جی۔"

"میں نے کہا ایک ریکوسٹ کر لوں؟" وہ بظاہر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا مگر لبوں کے گوشوں میں مسکراہٹیں مچل رہی تھیں، توجہ کے اس درجہ ارتکاز نے پرنیاں کی پلکوں پہ لرزش اور گالوں پہ سرخی دوڑا دی۔

"حکم کیجئے۔" اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی طنزیہ ہو گیا، اسے تو اس کیفیت پہ ہی تاؤ آنا شروع ہو گیا تھا کہ وہ کس درجہ اسے سراسیمہ کر کے الو بنا چکا تھا، معاذ نے اس کے انداز کی تبدیلی کو محسوس کیا اور حظ لیتے ہوئے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"از یو وش! آپ حکم سمجھ لیں۔"

"حکم یہ ہے کہ۔"

اک کام کرنا
چاند سے کچھ مٹی لینا
اس سے پیار کے دو مجسمے بنانا
اک تم جیسا
اک مجھ جیسا
پھر ان کو تم توڑ دینا

پھر ان سے دو اور بنانا
اک تم جیسا
اک مجھ جیسا
تا کہ یہ دوری مٹ جائے
تم میں کچھ میں رہ جاؤں
مجھ میں تم کچھ رہ جاؤ

پرنیاں کے سارے جسم کا خون سمٹ کر اس کے چہرے کی جانب آ گیا تھا، کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑتی وہ بھاپ چھوڑتے چہرے کے ساتھ گاڑی سے نکل کر اندھا دھند اندرونی حصے کی سمت بھاگی تھی، اس پل اپنی گاڑی سے نکلتے پپا نے پہلے اسے پھر اس کے پیچھے گاڑی سے باہر آتے معاذ کو حیرانی سے دیکھا تھا، وہ اتنے حیران تھے کہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے تھے، معاذ بڑی ترنگ میں تھا مگر انہیں دیکھ کر فوری طور پر خود پہ سنجیدگی طاری کر لی۔

"یہ پرنیاں...... آپ کے ساتھ ہی آئی ہیں؟" پپا کی غیر یقین نظریں اس پہ آن رکیں، وہ دل آویزی سے مسکرایا۔

"جی پپا اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے، اسٹوڈنٹ ہے میری، آپ سے میں نے بات کی تھی نا پپا یہی وہ لڑکی ہے جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں پلیز۔" وہ ملتجی ہو کر کہہ رہا تھا، پپا چونکے تھے اور پھر ایکدم ساکن ہو گئے، انہیں گویا جھٹکے پہ جھٹکے لگ رہے تھے۔

☆☆☆

زندگی بھر اداس رہنا ہے
سوچتا ہوں تو مسکراتا ہوں

وہ عجیب سے امتحان سے دوچار ہوا تھا، زینب اس کے ساتھ تھی، اپنی تمام تر بے نیازی، لاتعلقی اور بے خبری کے ساتھ اور وہ نارسائی قرب اور آگاہی کے ساتھ بے بسی کی آگ میں جل جل کر خاکستر ہو رہا تھا، وہ آفس سے اٹھ رہا تھا جب اس کے سیل پہ زیاد کی کال آئی تھی۔

"جہان بھائی کہاں ہیں آپ؟"

"گھر جا رہا ہوں خیریت؟" اس نے اپنی ٹیبل کے اہم دراز کو لاک کرتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"تھنک گاڈ کہ آپ گھر نہیں گئے، پلیز زینب کو پک کر لیجئے گا، مجھے ایک ضروری کام سے جانا پڑ گیا ہے۔" زیاد نے ہاسپٹل کا نام بتا کر عجلت میں فون بند کر دیا تھا، جہان ٹھنڈا سانس بھر کے اس آزمائش میں مبتلا ہونے کو حوصلے مجتمع کرتا مطلوبہ ہاسپٹل کے راستے پہ گاڑی ڈال چکا تھا، زینب کل سے آئی تھی، تیمور اسے چھوڑ کر خود واپس چلا گیا تھا، زینب کو چیک اپ کرانا تھا، یقیناً وہ اسی سلسلے میں ہاسپٹل میں آئی تھی، ہاسپٹل کی پارکنگ میں گاڑی روک کر جہان نے فون پہ اس سے رابطہ کیا تھا اور اسے باہر آنے کا کہا۔

"جی فارغ تو میں ہو گئی ہوں مگر مجھے تو زیاد بھائی نے پک کرنا تھا۔" جہان نے جواب میں

زیاد کا عذر پیش کیا تھا، زینب نے اسے انتظار کرنے کا کہہ کر رابطہ کاٹ دیا، اگلے دس منٹ میں وہ اس کے ساتھ تھی۔

''تھینک گاڈ! اسی بہانے آپ کی شکل تو نظر آئی۔'' وہ شاکی ہو گئی تھی، جہان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا، اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ اس سے گریزاں رہا تھا تو وجہ اس پہ کسی بھی کمزور لمحے کی زد میں آ کر عیاں ہونے سے خائف تھا۔

''اتنے خاموش کیوں رہنے لگے ہیں جے!'' جہان پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا اور سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

''تمہارا وہم ہے۔''

''میرا وہم نہیں ہے۔'' زینب نے اپنی بات پہ زور دیا تھا، اس سے پہلے کہ جہان جواب میں کچھ کہتا اس کا سیل فون گنگنا اٹھا تھا، وہ چونک گیا، اسٹیئرنگ سے ہاتھ ہٹا کر اس نے کوٹ کی جیب سے سیل فون نکالا تھا مگر اسکرین پہ مسز آفریدی کا نام دیکھ کر اس کا رنگ لمحہ بھر کو متغیر ہوا تھا اگلے لمحے اس نے کال ڈسکنکٹ کر دی تھی ساتھ ہی سیل فون کو سائلنٹ پہ کر کے واپس کوٹ کی جیب میں ڈال دیا، زینب نے اس کی اس حرکت اور چہرے کے زاویوں کو بغور دیکھا تھا اور فوری گرفت کر لی تھی۔

''کس کی کال تھی؟''

''کچھ نہیں رانگ نمبر تھا۔'' جہان نے سرسری سا انداز اپنایا۔

''رانگ نمبر تھا یا خاص نمبر تھا کہ آپ نے میرے سامنے بات کرنا مناسب نہیں سمجھی، ہے نا جے؟'' اس کے انداز میں یکدم تلخی اتر آئی تھی، جہان کے چہرے پہ یکلخت گمبھیرتا پھیل گئی، اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

''جے اس لڑکی کا کیا بنا جس کی تصویر آپ کے پاس تھی، اب تو مان لیں آپ نے محبت کی تھی؟'' زینب نے گھوم پھر کے پھر اسی الجھے ہوئے ریشم کا سرا ڈھونڈنا چاہا، جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

''اب کیا تبدیلی آ گئی کہ تسلیم کر لوں؟ خیر تمہیں اس وقت غلط فہمی ہوئی تھی زینب۔'' اس کا لہجہ رسان آمیز تھا، وہ ایک بار پھر پردہ ڈال رہا تھا، زینب کو یہی بات بری لگی تھی، وہ ہونٹ بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل گئی۔

''تو آپ نہیں مانیں گے؟'' وہ کچھ دیر بعد روٹھے پن سے بولی تھی، جہان عاجز سا ہو گیا۔

''تو زینب شاہ آپ کہہ لیں، میں بزدل ہوں، کم ہمت ہوں، محبت سے وفا کے تقاضوں سے خائف ہوں، جبھی محبت سے سو کوس دور بھاگا ہوں ہمیشہ۔'' ہونٹوں پہ زبردستی کی مسکراہٹ سجائے وہ زینب سے زیادہ خود کو دھوکہ دے رہا تھا، زینب نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی، اس کے چہرے پہ خفگی سمٹ آئی تھی، معاً وہ ایکدم اچھل سی پڑی۔

''جے گاڑی روکیں پلیز گاڑی روکیں۔'' جہان نے کچھ بوکھلا کر یکلخت بریک پہ پیر رکھ دیا، گاڑی زبردست جھٹکے سے رکی، بھاری انجن غرا کر رہ گیا۔

''کیا ہوا خیریت؟'' وہ کسی قدر گھبرا اسے دیکھنے لگا مگر اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

''مجھے گول گپے کھانے ہیں۔'' سڑک کنارے گول گپوں کے اسٹال کی سمت اشارہ کرتی وہ ہنستے ہوئے بولی تھی، جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔

''حد ہے تم سے بھی زینی! اب یہاں بیٹھ کر کھاؤ گی، عجیب لگتا ہے، ایسا کرتا ہوں پیک کرا لیتا ہوں۔'' وہ جھجک کر کہہ رہا تھا، وجیہہ چہرے پہ تذبذب کے آثار تھے، زینب ٹھنک سی گئی۔

''نہیں جے پلیز! مجھے یہیں کھانے ہیں، آپ گاڑی میں منگوا لیں نا۔''

اور جہان کو اس کی خواہش کے آگے سر جھکانا پڑا تھا، چند لمحوں بعد ہی اس کے آرڈر پر دوکان کا چھوٹو جو ہر کام بھاگ بھاگ کر کر رہا تھا اس کے لئے ٹرے میں بھرائی والے گول گپے اور کھٹا پانی لے آیا تھا، صد شکر برتن صاف ستھرے تھے، زینب نے بڑی رغبت سے کھانے شروع کیے تھے، پھر اسے ہاتھ پہ ہاتھ رکھے دیکھ کر دعوت دی تھی۔

''آپ بھی لیں نا جے! رئیلی اتنے مزے کے ہیں۔'' اس کا منہ بھرا ہوا تھا، شفاف چہرے پہ بچوں کی سی معصومیت اور خوشی کا رنگ تا، لمبے بے حد سلکی بال جو جوڑے کی شکل میں لپیٹے گئے تھے اب کھل کر دائیں شانے پہ بکھر کر سیاہ بالوں کا آبشار سینے پہ پھیلتا گود میں گر رہا تھا، بائیں طرف آوارہ لٹیں ہوا کی لے پر ہولے ہولے لہرا رہی تھیں۔

جہان کی نگاہ اٹھی تھی تو وہ اسے بھٹکنے سے روک نہیں سکا تھا، زینب نے کھانے میں مصروف رہ کر اسے دیکھا تب وہ ایکدم سنبھلا تھا۔

''ایسے اس لئے دیکھ رہے ہیں نا کہ میں ندیدی ہو رہی ہوں۔'' وہ کچھ خجل ہو کر ہنسی تھی، جہان نے دانستہ مسکراہٹ ہونٹوں پہ کھینچ تان کر سجائی۔

''چلو یہی سمجھ لو۔''

''بہت دل کر رہا تھا، اس حالت میں کسی نہ کسی شے کو ایسے دل مچل ہی جاتا ہے اکثر۔'' وہ کھسیا کر وضاحت دیتی ہوئی گویا صفائی پیش کر رہی تھی۔

''کیسی حالت میں؟'' جہان بے خیال سا تھا، بے ارادہ کہہ بیٹھا، پھر زینب ہی نہیں خود وہ بھی بے ساختہ نظریں چرا گیا تھا، ایک ان دیکھا خنجر تھا جو اس کے رگ جاں میں اترا تھا، زینب کھسیانی سی ہنسی ہنس رہی تھی۔

''آپ کو نہیں پتہ، حویلی کا وارث دنیا میں تشریف لانے والا ہے۔'' جہان کا چہرا جانے کس احساس کے تحت دہک کر انگارہ ہونے لگا، کچھ کہے بغیر اس نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی، زینب نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں، گاڑی کی فضا میں بوجھل اور تکلیف دہ سناٹے کا راج قائم ہو گیا تھا۔

(باقی آئندہ)

عابی ناز

''جی جناب! آپ نے ہمیں یاد کیا؟ دیکھئے اِدھر آپ نے یاد فرمایا اور اُدھر ہم ''چراغ کے جن'' کی طرح جھٹ سے حاضر ہو گئے سب سے پہلے تو ہمارا ''فائیو سٹار گروپ'' آپ کا نہایت مشکور ہے کہ آپ نے ہمیں اتنی پذیرائی بخشی کہ ہم دوبارہ حاضر خدمت ہونے کی جسارت کر رہے ہیں، ویسے اس بار ''منگیتر نامہ'' کم اور فرینڈز کا ''شوہر نامہ'' زیادہ لکھیں گے، کیونکہ ہماری تین عدد ''منگنی شدہ'' دوستوں میں سے ایک ''نکاح شدہ'' جبکہ دوسری ''شادی شدہ'' ہو چکی ہے۔''

''جی ہاں ہم صحیح کہہ رہے ہیں، بکرا عید کی چھٹیاں گزار کر واپس آئے ہمیں ابھی ایک ماہ ہی ہوا تھا کہ انیتا کے نکاح جبکہ عاشی کی شادی کے دن طے ہو جانے کی خبر کسی بم دھماکے کی طرح ملی، (بھئی آج کل بم دھماکے بھی تو ایسے ہی جھٹ پٹ ہو جاتے ہیں) پھر کیا تھا؟ انیتا نے تو بھل بھل رونا شروع کر دیا، مگر عاشی کی خوشی کی انتہا نہ رہی وہ شرم و حیا کی ساری حدود و قیود کو پھلانگتے ہوئے باقاعدہ بھنگڑا ڈالنے اٹھ کھڑی ہوئی تھی مگر پھر ہمارے شرم دلانے اور لعن طعن کرنے پر جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔''

''ارے جھجک شرم بھی کوئی چیز ہوتی ہے یہ کام تمہارے کرنے کے ہیں بھلا؟'' زیبی تڑخ کر پھر بولی۔

''یہ کام تو ہمارے کرنے کے ہیں۔'' اگلے ہی پل وہ دونوں ہاتھ اٹھائے بھنگڑا ڈال رہی تھیں جبکہ میں اور سمیرا بھی بھرپور ساتھ دے رہی تھیں اس کا لہک لہک کر کمر دوہری کرنے میں، ہماری تیاری ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی پھر اگلے ہی ہفتے ہمارا پورا گروپ انیتا کے گھر موجود تھا، نکاح سے ایک روز پہلے ہی ہم پہنچ گئی تھیں (صد شکر کہ اس بار ہڑتالوں نے ہمارا راستہ نہیں روکا تھا، ورنہ اس بار تو میں ''کنگ فو ماسٹر'' بن کر راہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ ختم کر ڈالتی) ہمارے گھر واکنگ ڈسٹینس پر ہونے کی وجہ سے ہم نے ارم اور کرن (انیتا کی بہنیں) کے ساتھ مل کر تقریب کی تیاریاں تو جو کروائیں سو کروائیں ساتھ ساتھ اپنی ''لیپا پوتھی'' مسلسل جاری رہی، انیتا کا تعلق ایک ریزروڈ اور مذہبی گھرانے سے ہے چنانچہ بہت زیادہ ہلہ گلہ نہیں کیا گیا، (وہ الگ بات کہ ہم نے تو پھر بھی چھپ چھپا کر اپنا ''چس'' پورا کر ہی لیا) سوں سوں کرتی انیتا نے نکاح نامے پر سائن کیے تو میری برداشت جواب دے گئی۔

''چپ کر یار! تو تو ایسے رو رہی ہے جیسے آج ہی ہمارے جیجا جی تجھے بھگا کر لے جائیں گے، ابھی تو تجھے یہیں ہمارے ساتھ ایک سال مزید سٹڈی کی چکی میں پسنا ہے جانی۔'' عزیز از جان دوست کے آنسو کہاں سہے جا سکتے ہیں؟ جبھی میں نے ڈپٹنے کے ساتھ ہی شریر انداز میں کہا تو ''منی'' (عاشی) ''شیلا'' (زیبی) ''احمد سمری (سمیرا) نے بھی بے ساختہ اپنے 20،20 کلو کے سر پر زور انداز میں ہلائے، نکاح کے بعد ہم نے اپنے دولہا بھائی کا دیدار کرنا چاہا تو رخ انوار کو دیکھ کر ہم تو عش عش ہی کر اٹھیں، (انیتا

کے دولہا کا نام انوار ہے) دلہن کی جگہ شرمانے کی ذمہ داری بھی دولہا میاں نے اٹھا رکھی تھی، (ظاہر ہے بھئی دلہن کو رونے سے جو فرصت نہیں تھی) ہم جو گرتی پڑتی جیجا جی تک پہنچیں تو سلام دعا کے بعد ابھی سالیوں کے فرائض ادا کرنے کا سوچ ہی رہی تھیں جب انکل نے آ کر کھانے کا پیغام دیا بلکہ پیغام کیا دیا مژدہ جاں فزاں سنایا کچھ تو انکل کے ڈر سے اور کچھ اپنے پیٹ کے خیال سے ہم

فوراً وہاں سے کھسک لیں، کیونکہ انکل کو اچھا نہیں لگتا یوں بے تکلف ہونا۔

''سالیوں کی ذمہ داری رخصتی پر پوری کرتی رہنا تم لوگ فی الحال تو میرے راستے سے ہٹ جاؤ کہ مجھے اس وقت کھانے کے سوا کچھ نہیں سوجھ رہا۔'' یہ سدا کی ندیدی سمری (سمیرا) تھی۔

کھانے پر ہم سب نے ہی خوب خوب ہاتھ صاف کیے تھے، پیٹ بھر بھر کر بلکہ اپنی کیپسٹی سے ڈبل کھا چکنے کے بعد ہم نے پھر سے انیتا کی طرف رخ موڑا، اس کے دولہا میاں پر کمنٹس پاس کرتے بارات والوں کو رخصت کر کے ہم بھی تھکے ہارے اپنے اپنے گھروں کو پہنچے کیونکہ چار دن بعد عائشہ کی شادی تھی، سو اس کی تیاریاں بھی کرنی تھیں، سچی بتاؤں تو تیاری کیا خاک کرنی تھی؟ فیشل اور گھر میں کھلے بے ڈھنگے پارلر سے ہی فرصت نہیں ملی۔

(اجی......آپ ہم سے بدگمان تو نہ ہوں یہ پارلر ہم نے اپنے لئے تھوڑی صرف اور صرف عائشہ کے لئے کھولا تھا، اپنے تھوبڑے کا جو ستیاناس مارنا تھا وہ تو ہم انیتا کے نکاح تک مار چکے تھے، اب تو مستقبل قریب کی دلہن پر تجربے کیے جا رہے تھے بس ہم چاروں عائشی کو نہ صرف بیوٹی ٹپس بلکہ اپنی سسرال میں ''اعلیٰ مقام'' پانے کے گھریلو ٹپس سے بھی نوازتی رہیں، وہ بھی مفت) یہ ہوئی نا دوستی؟

مایوں کے ساتھ ساتھ مہندی پر بھی ہم سب نے فیملی سمیت شرکت کی۔

''عاشی کی بچی، شکل سیدھی رکھ، یہ باچھیں چیر چیر کر بتیسی کسی اور وقت دکھا لینا، فی الحال اگر کیمرے والا ڈر کر بھاگ گیا تو؟'' انیتا نے واقعی دانت گنے جانے کی حد تک کھلے عاشی کے منہ کو بند کرانے کے لئے متوقع صورتحال سے ڈرایا مگر وہاں مجال ہے جو ذرا جوں بھی رینگی ہو کان پر۔

''جل جل کے مرو، جل مرنیوں بلکہ جل ککڑیو، خود اپنے نکاح پر تو تم ماتم کناں تھی ہی اب کسی دوسری کو تو خوش ہو لینے دو؟'' آنکھیں نچاتے بلکہ مٹکانے کے بعد ایک سخت گھوری کے ساتھ جواب آیا تو ہم چاروں سلگ اٹھیں۔

''جلتی ہے ہماری جوتی، جا اس سے بڑا منہ کھول کھول کر ڈرا سب کو مجھے کیا۔'' انیتا نے منہ پھیر لیا۔

''اور میں کیوں جلنے لگی تم سے؟ میرا منگیتر ماشا اللہ (اللہ نظر بد سے بچائے) تیرے ہونے والے شوہر سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے اور رہی میری خوشی یا خوبصورت ہونے کی بات تو وہ سب کو پتہ ہے۔'' زیبا (شیلا) نے منی (عاشی) پر دل کے ساری بھڑاس خوب خوب نکال ڈالی، (آخر اس کی شادی اس منی کی بچی سے پہلے کیوں نہیں ہوئی؟) سمری نے بھی منہ بسورا۔

''ایسے بھی کیا افلاطون منگیتر ہیں اوئے تم دونوں کے؟ میں چاہوں تو دونوں کو ایک چٹکی میں پٹا لوں، پھر خالی ہاتھ منہ لے کر رہ جاؤ تم لوگ، ہونہہ۔'' سمری نے شولڈر کٹ بالوں کو ادا سے جھٹکا دیا تو گردن بل کھاتے کھاتے بمشکل بچی۔

''اسٹاپ اٹ، کیا ایک دوسرے کو رخصت کرتے وقت بھی ''لڑاکا ککڑوں کی طرح'' منگیتروں کے نام پر ایک دوسرے کے ''بودی'' نوچنے کا ارادہ ہے، یار یہ ہاسٹل کا روم نہیں ہے، موقع تو دیکھ لیا کرو۔'' میں نے بر وقت انٹری دے کر شرم دلائی تو انہیں احساس ہوا یا شاید میرے ''کنگ فو'' کراٹوں کے ڈر سے گئی تھیں بے چاریاں، عاشی نے انیتا کا ہاتھ تھاما تو زیبی نے عاشی کا سمری نے ایک ہاتھ میں زیبی کا ہاتھ پکڑا تو دوسرے میں میرا، (یوں ہم پانچوں کا گروپ از سر نو ''تعمیر'' ہو گیا۔)

''یار! منگیتر ہو یا شوہر، رضوان، ابوبکر، انوار یا چاہے کوئی بھی ہو ہمیں اپنے گروپ سے زیادہ عزیز تو نہیں۔'' عاشی جذباتی پن سے بولی۔

''ہاں یار! منگیتر تو ایک کی جگہ دوسرا آ سکتا ہے مگر ایسی دوستی اور دوست دوبارہ نہیں ملیں گے۔'' زیبی اور انیتا بھی اس ایموشنل سین کا حصہ بننے کو لپکیں۔

''I proud to be your friend۔'' سمری اور میں کیوں کر پیچھے رہتیں؟ ہم سب ایک دوسرے کے گلے ملیں تو کیمرہ مین نے خاص طور پر اس منظر کو فلمبند کیا، ہمارا گروپ شروع سے ہی ایسا رم جھم اور جھلمل سا ہے دھوپ چھاؤں جیسا، کبھی ''ماہا یدھ'' کرنے اور بال تک نوچنے کی نوبت آ جاتی ہے تو کبھی فوراً ایک دوسرے کو منانا اور سمجھانا اور پھر ہنستے ہی جانا۔

ایک سے بڑھ کر ایک نمونہ اور جذباتی ہیں، جھٹ سے پگھل جانے والی موم کی گڑیاں، معصوم چڑیاں، (اوہو میں بھی شاید جذباتی ہو کر بول رہی ہوں خیر چلیں اپنی کہانی پر لوٹیں جہاں سے چھوٹی تھی وہیں سے شروع کرتے ہیں)

جی تو یوں ایک بار پھر سے عاشی کی مہندی والی رات ہمیں ایک دوسرے کی اہمیت کا احساس ہوا، زیبی نے مہندی کی پلیٹ سے مہندی اٹھا کر اس فل ایموشنل سین کو ختم کرنے کے لئے اچانک عاشی اور سمیرا کے منہ پر مہندی تھوپی اور خود بھاگ کھڑی ہوئی، عاشی تو اپنے دلہناپے کا خیال کر کے ہنسنے پر ہی اکتفا کر گئی مگر سمری سے کہاں برداشت ہونا تھا؟ اس کی شادی تھوڑی تھی جو وہ لحاظ کرتی، مہندی کی دوسری پلیٹ اٹھا کر سرپٹ زیبی کے پیچھے بھاگی، وہ لوگوں کو پکڑ دھکڑ بھاگتی ٹکراتی یوں ہوا کے گھوڑے پر سوار تھیں گویا میرا تھن ریس میں حصہ لیا ہوا ہو، ہم تینوں اپنی جگہ پر کھڑی سمری کو بڑھاوا دے رہی تھیں کہ اچانک باہر سے آتے سفید کلف زدہ سوٹ میں ملبوس شخص سے سمیرا کا زور دار ٹکراؤ دیکھ کر ہماری چیخ بلند ہوئی، جبکہ سمیرا صاحبہ سیدھی زمین بوسی کرنے کو فرش پر لیٹتی چلی گئیں۔

''ہائے اوئے میری ناک۔'' سمیرا کی دہائی بلند ہوئی۔

''واٹ نان سینس، آپ کو اپنی ناک کی پڑ گئی میرے کپڑوں کی حالت دیکھی ہے آپ نے؟'' آنے والا وجیہہ اور شاندار نوجوان اپنی ناک سکوڑے غضب سے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اوئی مر گئے، اس کو بھی عدنان بھائی سے ہی ٹکرانا تھا؟'' عاشی نے زبان دانتوں تلے کچل ڈالی جبکہ میں صرف عدنان صاحب کی مسحور کن شخصیت کو دیکھ رہی تھی۔

''ہائے اللہ آپ کی قمیض کا تو واقعی ناس ہو گیا ہے مگر میرا کیا قصور آپ خود ہی سامنے آ گئے۔'' سمیرا دوبارہ اٹھتے ہوئے اپنی تکلیف اور درد کو بھول بھال کر عدنان کی قمیض پر مہندی سے چھپ جانے والے بڑے بڑے چھاپے نما دھبوں کو دیکھ رہی تھی۔

''سوری عدنان بھائی میں علینا سے کہتی ہوں وہ آپ کی شرٹ ابھی دھو دے گی آپ پلیز چینج کر لیجئے۔'' عاشی نے آگے بڑھ کر معاملہ نپٹایا ورنہ سمری گھامڑ کو تو یہ خیال کبھی بھی نہ آتا۔

عدنان عاشی کے دیور یعنی خالہ جانی کا دوسرے نمبر کا بیٹا نکلا، (نکلا اس لئے کہہ رہی ہوں کیونکہ یہ تو ہمیں بعد میں عاشی سے پوچھ گچھ کرنے پر معلوم پڑا تب تک تو نہیں معلوم تھا ناں''

"ہائے سمیرا اتنا ہینڈسم اور ڈیشنگ بندہ تجھ سے ٹکرایا تیرے دل کی گھنٹیاں نہیں بجیں؟" میں نے آنکھ دبا کر چھیڑا تو وہ کہنی سے میرے پیٹ میں زبردست ہٹ لگاتے آگے بڑھ گئی، جبکہ میں پیٹ پکڑ کر دوہری ہوتی اسے کوسنے سے باز نہ رہ سکی۔

(آپ کو ایک راز پنہاں بتاتی چلوں کہ مہندی کا یہ واقعہ یعنی عدنان والا آپ کے گوش گزار اس لئے کیا ہے کہ میری چوتھی سہیلی جو کہ ابھی تک میری طرح غیر منگنی شدہ تھی ان صاحب کے سحر میں کھو چکی ہے، ہو سکتا ہے سمیرا کی منگنی عدنان سے ہی ہو جائے، میری طرح آپ بھی میری دوست کے اچھے مستقبل کی دعا کیجئے گا)۔

☆☆☆

اپنے بھاری بھر کم اجسام سمیت ہم سبھی نے حسب استطاعت ناچ گانے میں شرکت کرنے کے بعد عاشی کو صبح سحری کے تین بجے تک مہندی لگائی اور اپنے اپنے "بلوں" میرا مطلب گھروں کا رخ کیا بارات والے روز تیار ہو کر ایک دوسرے کا انتظار کرنے اور اکٹھے ایک ساتھ عاشی کے گھر جانے کے چکر میں ہم بہت تو کیا بہت سے بھی دوگنا لیٹ ہو گئیں، پھر بھاگم بھاگ ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتی لڑتی کڑھتی ہم جو عاشی کے گھر پہنچیں تو معلوم پڑا کہ دلہن صاحبہ کو تو پارلر سے سیدھا میرج ہال لے جا چکے ہیں، ہم سب خود کو منی (عاشی) کی گالیوں اور جلی کٹی سننے کے لئے تیار کرتیں میرج ہال پہنچیں تب گاڑی سے اترتے ہی تیزی سے آگے بڑھتی انیتا کی ہیل سے پاؤں ٹکرا جانے کے سبب میں اوندھے منہ لڑھکتی زیبی کی کمر پر سوار ہو گئی زیبی اس اچانک افتاد کے لئے تیار نہ تھی سو دائیں بائیں ڈولتی ہوئی ساتھ چلتی سمری پر الٹ گئی جبکہ دھان پان سی سمری جو چار انچ کی پنسل ہیل پر خود کو ہی بمشکل سنبھال رہی تھی ہم دونوں "ہتھنیوں" کے بوجھ کو نہ سہار سکی اور سیدھا سامنے کھڑے شخص کے کاندھے پر منہ دے مارا، (انداز کچھ ایسا ہی تھا کہ کندھے سے ٹکرانے کی بجائے کاندھے پر منہ دے مارا لکھنا ہی زیادہ بہتر ہے)۔

"ہائے مر گئی لوگو! اُف اللہ میری ناک۔"

اس نے فوراً سے پیشتر چیختے ہوئے اپنی ستواں کھڑی ناک پر ہاتھ رکھا، مگر جتنی زوردار تھی ہمیں ناک کو ہڈی ٹوٹ جانے کا خطرہ لاحق ہوا تو جھٹ پٹ اس کا ہاتھ ہٹا کر ناک دیکھنے لگیں، صد شکر کہ سب بچ گیا تھا۔

"آپ کو پھر سے اپنی ناک کی پڑ گئی؟ یہ دیکھے بغیر کہ آپ کے تھوپے گئے دو کلو کے میک اپ نے میرے کپڑوں کا کیا نشر کر دیا ہے۔"

عدنان صاحب کی ایک بار پھر سے ہم سے شامت آئی تھی یا ہماری ان سے مگر یہ نہ جانے اتفاق ہی تھا یا پھر کوئی خفیہ سازش کہ دوسری بار بھی سمری اس سے ہی ٹکرائی اور اب وہ اپنی گرے کلر کی شرٹ پر اس کی میرون لپ اسٹک یہاں تک آئی شیڈز کے نشان بھی دکھا رہا تھا، (اُف میرا تو دل دھڑ دھڑ دھڑ کنے لگا تھا اس ظالم کو دیکھ کر نہیں بلکہ اس کے جارحانہ انداز کو دیکھ کر، میں اپنا سب کنگ فو شنگ فو بھول بھال کر اس کی صورت دیکھنے لگی میری شکل ایسی مسکین ہو رہی تھی کہ اگر اس وقت ان چاروں میں سے کوئی بھی دیکھ لیتی تو میرا وہ "توا" لگتا کہ ساری زندگی دوبارہ کوئی کبھی مجھے انجلینا جولی کے نام سے نہ پکارتا، شاید یہ لوگ میرا نام انجلینا جولی سے بدل کر "چھٹی جھولی" یا "مسکینت کی گولی" یا پھر کچھ بھی اور رکھ دیتیں)۔

"ایکسکیوزمی مسٹر، آپ کو مسئلہ کیا ہے، میری ناک پسند نہیں یا پھر میرے معاملے میں روڑے اٹکانے کچھ زیادہ ہی پسند آ گیا ہے آپ کو، یہ دوسری بار ہے جب آپ میرا نقصان کر رہے ہیں۔" سمری غرائی اور اپنی غلطی ماننے کی بجائے اس بیچارے کو ہی لتاڑنے لگی، شاید وہ اپنے ناک کے درد سے بے حد غصیلی بلکہ زہریلی ہو رہی تھی یا اپنا اتنا قیمتی اور چار گھنٹے کی محنت سے کئے گئے میک اپ کا یہ حشر برداشت نہیں ہوا تھا۔

خیر ہم نے یونہی تو سمری کا پہلا نام "جنگلی بلی" نہیں رکھا تھا، آج وہ سچ مچ کی جنگلی بلی لگ رہی تھی، ایک تو میک اپ خراب ہونے سے صورت کا یہ حال ہو گیا تھا اوپر سے غصہ نے چہرہ لال بھبھوکا کر دیا۔

"اوہ میڈم! الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے؟ ایک تو مہندی کا فنکشن خراب کیا میرا، رات والا سوٹ ابھی تک پڑا ہوا ہے اور اب دوسرا وہ بھی بارات والے دن دولہا کے بھائی کا ڈریس ہی ملا تھا آپ کو اپنی رنگین شکل صاف کرنے کے لئے۔"

"کس نے کہا تھا چار پانچ انچ کی باریک ہیل پہننے کو جب اپنا وجود ہی سنبھالا نہیں جا رہا آپ سے۔" گہرے طنز کے ساتھ کٹیلی نگاہیں کھانے کو دوڑیں۔

"مگر راستے میں پہاڑ کی مانند ایستادہ کون تھا آپ یا میں؟" اپنی ایسی انسلٹ حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔

"میں نہیں جانتا تھا کہ شادی میں نابینا افراد بھی مدعو ہیں، آنکھیں تو بہت بڑی بڑی عطا کی ہیں اللہ نے آپ کو مگر بینائی سے محروم رکھا ہے یہ نہیں پتہ تھا۔"

"اُف توبہ اتنی بے عزتی؟ اتنی انسلٹ تو ہم بھی آپس میں نہیں کرتیں یا اگر کرتی بھی ہوں تو تب لگتی نہیں مگر ایک مرد کے منہ سے یہ سب سننا۔"

"ایکسکیوزمی عدنان غلطی میری ہے، پاؤں میرا لڑکھڑایا تھا، اس میں سمری کا کوئی قصور نہیں۔"

رات میں تو عاشی نے معاملہ فوراً رفع دفع کروا دیا تھا مگر اب کوئی جائے پناہ نہ پا کر میں نے اعتراف کا کڑوا گھونٹ بھرا اور حلق تر کرتے ہوئے اپنی بے عزتی بلکہ "عزت افزائی" کی منتظر ہوئی۔

"آپ ایک بات بتائیے؟" مجھ سے براہ راست اس نے کہا تو میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا کہ پتہ نہیں اب کون سا سانپ پٹاری سے باہر آنے والا ہے۔

"آپ بھی بھابھی کی فرینڈ ہیں جب آپ اتنی اچھی ہیں تو ان کو کیا بچھو کھلاتی ہیں جو یہ ہر وقت ڈنگ مارنے کو تیار ملتی ہیں وہ بھی اگلے بندے کو بے قصور ہونے پر۔" کہتا ہوا وہ جواب سنے بغیر ہی آگے بڑھ گیا، سمری کا غصہ آخری حدوں کو چھونے لگا جبکہ میں اس کے منہ سے اپنی تعریف سن کر پھولے نہ سما رہی تھی، نہ جانے کب تک وہاں کھڑی میں مزید شرماتی کہ اچانک زیب (شیلا) نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹا اور میں ٹوٹے شہتیر کی طرح لٹکتی اس کے ساتھ ہو لی، وہ تینوں اس بدتمیز و گستاخ کو برا بھلا کہہ کہہ کر اپنی دلی تسکین کا سامان کر رہی تھیں جبکہ میں اپنے ہی خیالوں میں مست مست اڑی جا رہی تھی۔

"اور تم۔" وہ تینوں میری جانب متوجہ تھیں میں نے مزید سہمنے کی ایکٹنگ کی۔

"انجلینا جولی صاحبہ آج کہاں گئی تھی تمہاری تیزی طراری کرائے ماسٹر؟ لوگوں کی تو عقل گھاس چرنے جاتی ہے تم اور تمہاری کنگ فو بھی شاید گھاس چرنے گئی تھیں آج۔" ان کی باتوں کا

رخ براہ راست میری طرف تھا، آخر دل کی بھڑاس کسی پر تو نکلنی تھی۔ (وہ نہ سہی میں سہی)

وہ حق بجانب تھیں، مجھے ان کے احساس دلانے نے پر خود پر بے تحاشا غصہ آیا کہ میں اپنی دوستوں کو چھوڑ کر کسی اور کی حمایت کیسے کر سکتی ہوں، خیر ایک دوسرے کے آگے پیچھے لائن میں چلتی ہوئی ہم تیزی سے برائیڈل روم میں گھس گئیں۔

جہاں پر عاشی کو اپنی تین عدد کزنوں قمر النساء، شمس النساء اور ستارہ النساء کے نرغے میں بے بس پایا، (وہ تیار تو ہو چکی تھی مگر بار بار میک اپ اور دوپٹے کو سیٹ کرنے کی ضرورت پیش آ رہی تھی)

ایک طرف میں کھڑی سوچنے لگی کہ قمر، شمس اور ستارہ کے بھائیوں کے نام غالباً آفتاب، ماہتاب اور ہلال وغیرہ ہوں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ والد کا نام ''نظام شمسی'' ہو، میں اپنی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی کہ عاشی کی کڑک دار آواز پر دہل گئی۔

''اُلو کی پٹھیو! بدھوؤ، جاہلو، اب آ رہی ہو تم لوگ؟ تف ہے تم لوگوں کی دوستی پہ، ایسی دوستوں سے تو ''بے دوست'' رہنا ہی بہتر ہے۔'' ایسے موقعوں پر کوئی اپنی دوست کو یوں بھی اکیلے چھوڑتا ہے کیا؟ جیسے تم لوگوں نے چھوڑا؟ اس کی آنکھیں جل تھل ہو گئیں۔

''بس یار کیا بتائیں ہم واقعی بدھو ہیں الو ہیں جو پہلے وقت دیکھے بنا منہ اٹھائے تمہارے گھر چل پڑیں اور اب یہاں پہنچنے پر......''

ہم چاروں نے ساری روداد کچھ ایسے تیکھے اور تیز مرچ مسالے کے ساتھ بتائی کہ وہ بے چاری بے وجہ ہی شرمندہ ہونے لگی۔

''سچ یار انتہائی گھٹیا، جاہل اور بدتمیز ہے تمہارا دیور۔'' سمری بولی تو انیتا اور زیبا نے بھی بھرپور تائید کرتے ہوئے اپنے بیس بیس کلو کے سروں کو پھر سے اثبات میں جنبش دی، انیتا نے مجھے چپ سادھے دیکھ کر ٹہوکا دیا، پیچھے کھڑی سمری نے بھی نوٹ کر لیا تھا جبھی میری کمر پر زوردار دھپ رسید کی۔

''ارے ہاں یار، بڑا ہی کمینہ، ڈفر، پاگل، بے وقوف، الو، بدتمیز ایڈیٹ اور خبیث انسان ہے تمہارا دیور اور مزید مجھے گالیاں نہیں آتی ورنہ وہ بھی دے دیتی۔'' میں نے تیزی سے کہہ کر تائید حاصل کرنے کو اور شاباشی وصولنے کو نظریں ان سب کے چہروں پر جمائیں تو وہ چند ثانیے بھونچکوں کی طرح میرا منہ دیکھنے کے بعد قل قل کرتی دانت نکوسنے لگیں، ان سب کا قہقہہ اتنا جاندار تھا کہ میں پہلے تو تھوڑی شرمندہ ہوئی مگر پھر ڈھیٹ پن کا شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے ''dont feel'' کہہ کر خود بھی بتیسی دکھانے لگی، ابھی آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو نتھنوں سے دماغ میں گھس گھس کر ''دماغ خراب'' کرنے کا باعث بننے لگی۔

(بارات کی آمد اور نکاح کا مرحلہ ہمارے آنے سے قبل ہی طے ہو چکا تھا)، ہم نے عاشی کی اجازت پاتے ہی کھانے کے لوازمات پر ہلہ بول دیا، مختلف انواع و اقسام کے کھانوں سے بجی ہماری ٹیبل منٹوں میں چٹا چٹ صاف ہو گئی تھی، بے چاری ٹیبل کی حالت دیکھ کر صاف اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ کن بھوکوں، ندیدوں کے ہاتھوں رسوا ہوئی ہے۔

''عاشی ایک بات تو بتاؤ کیا ہمارے دولہا بھائی بھی ایسے ہی ہیں جیسا کہ تمہارا دیور؟''

''جی نہیں۔'' کورا جواب آیا۔

''وہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت بھی ہیں اور ڈیسنٹ تمیز دار بھی۔''

عدنان کے لئے دیے جانے والے ہمارے کمنٹس ابھی تک ذہن سے محو نہیں ہوئے تھے چنانچہ آنکھ دباتی وہ اپنے شوہر نامدار کی حمایت کر رہی تھی۔

''اُوْوُوُوُوہ۔'' ہمارے منہ سے بیک زبان وہ نکلا جو کچھ زیادہ ہی لمبا کر دیا گیا تھا (جان بوجھ کر) تبھی دروازہ کھول کر علینا برائیڈل روم میں انٹر ہوئی۔

''آپی عابدہ، آپی عابدہ وہ۔''

''کیا ہوا آگے بھی تو کچھ بولو بریک کیوں لگ گئی تمہاری۔'' میں نے علینا کی کنفیوژن اور پھر خاموشی دیکھ کر پوچھا۔

''وہ سب لوگ کہہ رہے ہیں کہ دلہن کو سٹیج پر لیں آئیں۔''

''بس؟'' میں پھیلی۔

''نہیں ایک اور بات کہ آپ لوگ جانتی ہیں نا میں آپی عاشی کی اکلوتی بہن ہوں وہ بھی چھوٹی سی تو دودھ پلائی کی رسم میں آپ لوگوں کو بھی میرے ساتھ شریک ہونا پڑے گا، قمر، شمس آپی ہیں تو سہی مگر وہ اس رسم میں نہیں آنا چاہتیں وہ تو مجھ سے بھی زیادہ بوکھلا جاتی ہیں۔''

''تو ہم کون سا تیر مار لیتے ہیں۔'' دل ہی دل میں خیال کوندا۔

''اوکے سویٹی as you wish۔'' خوشدلی سے میں نے آفر قبول کر کے اسے تسلی دی، مگر سچ تو یہ ہے کہ اس وقت بوکھلا تو ہم سب بھی گئے تھیں۔

''ہائے مجھے اس وقت بہت ڈر لگ رہا ہے، کہیں ہارٹ ہی نہ فیل ہو جائے میرا۔'' عاشی وحشت آمیز لہجے میں بول اٹھی۔

''خبردار اوئے جو ابھی مرنے ورنے کا سوچا بھی ہو تو۔'' میں ازلی ٹون میں لوٹ آئی تھی۔

''ابوبکر بھائی کو چند دن اپنی شادی شدہ زندگی کے مزے لوٹ لینے دو پھر میں خود تمہیں اپنے ہاتھوں سے مار دوں گی۔''

خس کم جہاں پاک والے انداز میں کہتے ہوئے میں نے ہاتھ جھاڑے تو اگلے ہی پل میری گردن عاشی کے ہاتھ میں دبوچی ہوئی پائی گئی۔

''ابے یار کچھ تو لحاظ کرو اپنے دلہن ہونے کا۔'' انیتا نے اسے حیا دلائی۔

''اس نے لحاظ کیا ہے میرے دلہن ہونے کا؟ یا دوست ہونے کا؟'' عاشی نے دانت کچکچائے۔

''دیکھو تمہارا رنگ کیسے لال ہو رہا ہے، شکل کا حلیہ تو پہلے ہی بہت بگاڑ چکی ہو، تم بھی سمری کی طرح میک اپ سے پاک ہونا چاہتی ہو کیا؟'' زیبی نے پچکار کر میری گردن چھڑائی، تب منی کی بچی سوری میرا مطلب عائشہ جی کو سٹیج تک لے جایا گیا۔

(عقلمند وہی ہے جو ایک بار کی سزا سے ہی سبق حاصل کر لے۔)

''اوہ مائی گاڈ، اتنی بڑی بڑی مونچھیں؟ عائشہ تیرے ساتھ دھوکہ ہوا ہے میری سہیلی تجھے غلط کہا تھا کہ تیری شادی ایک آدمی سے ہو رہی ہے، تیری شادی تو مونچھوں سے کروا دی گئی ہے میری دوست۔'' میں باقاعدہ عاشی کے گلے لگ کر رونے کو تھی جب انیتا نے پوری طاقت آزماتے ہوئے اپنے نوکیلے جوتے کی ٹھوکر میری ٹانگ پر رسید کی۔

''اگر غور سے دیکھو گی تو تمہیں انہی مونچھوں کے نیچے دو عدد ہونٹ، مونچھوں کے اوپر ایک عدد طوطے کی چونچ جیسی تیز کھڑی ناک

اوراس کے ساتھ دو عدد ٹماٹر کے سائز کی آنکھیں بھی نظر آ جائیں گی گھامڑ۔'' اور پھر واقعی جب میں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ جی ہاں ان مونچھوں کے ساتھ ایک عدد مردانہ چہرہ بھی فٹ کیا گیا تھا، تب میری جان میں جان آئی اور دل سکون کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا، دودھ پلائی کی رسم میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی، (تھینک گاڈ) رخصتی کے وقت علینا نے اپنے کزن سے کہہ کر گانا چلوایا۔

ساڈا چڑیاں دا چمبہ وے بابل اساں اڈ جانا
ساڈا چڑیاں دا چمبہ اے چڑیاں دا چمبہ

وہ کون سی آنکھ تھی جو اشکبار نہیں تھی، حالانکہ عاشی کی رخصت ہو کر کہیں دور نہیں جانا تھا، وہیں دوسری گلی میں تو خالہ کا گھر یعنی سسرال تھا، مگر پھر بھی دل پر ایک بوجھ سا آن پڑا تھا اور جب وہ ہم سے الوداعی گلے ملی تو ہم سب نے بھاں بھاں رونا شروع کر دیا، کہاں تو اتنی خوشی تھی اور کہاں یہ اداسی، وہ رخصت ہوئی تو میری نظر عدنان پر پڑی جو بے اختیاری میں نجانے کب سے سوں سوں کر کے روتی اور دوپٹے سے اپنی چھوٹی سی ناک رگڑ رگڑ کر سرخ کرتی سمری کو دیکھے جا رہا تھا۔

''یہ لیجئے رومال اپنے آنسو پونچھئے اور اب روئیے گا مت پلیز، آپ کی دوست کہیں نہیں جا رہیں، وہ ایک ہفتے بعد ہی دوبارہ آپ کے پاس ہوں گی ہاسٹل کے اسی روم میں بالکل پہلے کی طرح اور ہاں اگر آپ گھر پر ملنے آنا چاہیں تو بھی ہمارا گھر دور نہیں۔'' اس سے پیشتر کہ میں کوئی گوہر افشانی کرتی وہ خود بخود چلتا ہوا سمیرا کو رومال پکڑا کر بظاہر ہم سب سے مخاطب تھا مگر نظروں کا اصل مرکز وہی تھی۔

''All of you are always welcome۔'' وہ مسکرایا تو سمری نے نظر چرا کر اسے دیکھا اور بس یہی وہ لمحہ تھا جب وہ سحر زدہ ہوئی۔

☆☆☆

ولیمہ کی تقریب ابوبکر کے گھر پر ہی منعقد ہوئی، اس دن تو بھئی ہماری چھب ہی نرالی تھی، ہمیں پر تو کیا پتنگے بھی لگ گئے تھے آئی مین پر نکل آئے تھے ہمارے، نجانے عاشی کی فرینڈز ہونے کے ناطے خاص پروٹوکول ملا تھا یا ہماری خوبصورتی ہی دیکھ کر سب آگے پیچھے پھر رہے تھے، (آہم) مجھے تو سیکنڈ آپشن سے زیادہ اتفاق ہے۔

ولیمے میں اور کیا کیا دیکھا یا کیا یہ تو ٹھیک سے یاد نہیں ہاں البتہ اتنا ضرور یاد ہے کہ میں نے عدنان اور سمیرا کی چوریاں کو خوب تاک تاک کر نوٹ کیا، ایک اور مزے کی بات بتاؤں؟ کہ کھانے سے کچھ دیر قبل سمری جو اس دن بڑی آن بان اور شان و ادا کا بے تحاشا مظاہرہ کر رہی تھی گردن اکڑائے اور کمر کو تختہ بنائے اس وقت بھی اپنی سیٹ پر بیٹھی عدنان کی نظروں سے محظوظ ہوتی شرمانے لجانے کی ایکٹنگ کر رہی تھی کہ زیبی جو اپنی ہی دھن میں فون پر رضوان سے گفتگو کرتی دھپ سے آ کر کرسی پر ڈھیر ہوئی تو یہ تک دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی وہ اپنی چیئر پر بیٹھی ہے یا سمری کی گود میں؟ ''آہ'' دلدوز چیخ چھت پھاڑ گئی۔

''تیرا خانہ ای خراب، ستیاناس ڈنگر گدھی، جے تینوں جھولی وچ بہن دا ایناں ای چاء اے تے کسے ہور بندے دی جھولی لبھ، (اگر تمہیں گود میں بیٹھنے کا اتنا ہی شوق ہے تو کسی اور کی گود ڈھونڈو) میں نازک جئی کڑی آں تیرے جیسی مج دا بھار نئیں سہہ سکدی (میں نازک سی لڑکی ہوں تیرے جیسی بھینس کا وزن نہیں سہہ سکتی)۔'' اس

نے زیبی کی کمر پر پوری قوت سے چٹکی کاٹی بلکہ چٹکی کیا کاٹی نوچ ہی ڈالی اس کی کمر (عدنان کے سامنے ایسی حرکت)۔

''اوئی ماں۔'' اب کے چیخنے کی باری زیبی کی تھی۔

''چپ کر ماں کی بچی، فون پہ بات کرتی تو اندھی بہری ہو جاتی ہے خاص کر فیاضی سے بات کرتے ہوئے، مگر گونگی کیوں نہیں ہو جاتی زبان تو اور بھی پٹر پٹر چٹر چٹر چلنے لگتی ہے۔'' سمری پورے جاہ و جلال سے اپنی شان بے نیازی میں کی گئی گستاخی کا ناپ تول کر بدلہ پورا کر رہی تھی، جبکہ ہم ہنسی ضبط کرتے ہوئے سوچ رہی تھیں کہ اب سمری کی پٹر پٹر چٹر چٹر چلتی زبان کو کون روکے گا؟ زیبی اس کی بری بھلی سن کر بھی یوں کمال ڈھٹائی سے بتیسی دکھا رہی تھی گویا سمری اسے کوس نہیں رہی بلکہ دانتوں کا چیک اپ کرانے کے لئے منہ کھولنے کا کہہ رہی ہو، کھانے کے دوران بھی دونوں ہاتھ لتھڑے بڑی بڑی بوٹیوں کو اپنے نوکدار اور تیز دانتوں سے کچلتے ہوئے جیسے ہی سمری کی نظر عدنان پر پڑی تو منہ میں ٹھونسا گیا بہت بڑا نوالہ وہیں اٹک گیا، (یہ اس کے پیار میں مبتلا ہو جانے کی علامت تھی) خیر بعد میں ابوبکر اور عاشی کے ساتھ چٹکلے اور شگوفے بلکہ شوشے چھوڑتے ہوئے ہم سب انہیں واپس لے آئے (یعنی عاشی کے گھر) یوں ولیمے کی تقریب بھی اختتام پذیر ہوئی۔

آج ہم ایک بار پھر پانچوں کی پانچوں اپنے ہاسٹل کے اسی سیلن زدہ کمرے میں خوش و خرم موجود ہیں، اپنی ادھوری سٹڈیز کمپلیٹ کرنے کے لئے اور سمری کی ادھوری لو اسٹوری کمپلیٹ کرنے کے لئے بھی کیونکہ جہاں سمری اب عدنان کی تعریفوں میں ہر وقت رطب اللسان نظر آتی ہے وہیں عدنان کے پوشیدہ جذبات بھی عاشی وقتاً فوقتاً عیاں کرتی رہتی ہے، زیبی اس وقت بھی فون پر رضوان (منگیتر) سے گپیں ہانک رہی ہے، اب بچی تو صرف ایک میں معصوم چڑیا۔

دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہمارے بھی مستقبل کو روشن بنا دے، (آمین ثم آمین) شاید کسی کو مجھ غریب پر بھی رحم آ ہی جائے۔

☆☆☆

سباس گل

آج پھر اسے آفس سے نکلتے نکلتے اچھی خاصی دیر ہوگئی تھی۔ پچھلے تین دن سے یہی ہو رہا تھا آفس میں کام بہت تھا زینب اکاؤنٹس کے شعبے میں تھی اور آج کل آڈٹ ہو رہا تھا وہ پریشان سی تیز تیز قدم اٹھاتی اپنے اسٹاپ پر پہنچی تو اس کی پریشانی میں یہ جان کر مزید اضافہ ہو گیا کے اس کی مطلوبہ بس نکل چکی ہے، دوسری بس کے انتظار میں اسے کھڑا ہونا بہت محال لگ رہا تھا، کلائی پر بندھی گھڑی پہ نظر ڈالی رات کے پونے آٹھ بج رہے تھے، بڑھتا ہوا اندھیرا شہر کے دن بدن بگڑتے حالات کی وجہ سے سڑکوں پر چھائی ویرانی اسے اندر ہی اندر خوف میں مبتلا کر رہی تھی، ٹھنڈ الگ بڑھتی جا رہی تھی، وہ آیت الکرسی کا ورد کر رہی تھی یکا یک ایک بائیک قریب سے گزری، اس پر تین لڑکے سوار تھے، بائیک پر سوار لڑکوں نے اکیلی لڑکی کو جو فٹ پاتھ پر کھڑے دیکھا تو بائیک پیچھے لے آئے، زینب اندر ہی اندر سہم گئی تھی، مگر بظاہر انجان بنی کھڑی رہی، لڑکوں نے سٹی بجا کر اسے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا مگر زینب نے توجہ نہ دی۔

''سن لو شہزادی ہم تم سے ہی مخاطب ہیں۔'' ایک لڑکے نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی تینوں کے بائیک سے نیچے اتر کر زینب کے قریب چلے آئے۔

''کہاں جانا ہے بلبل؟'' دوسرا لڑکا عامیانہ لہجے میں بولا۔

''مجھے گھر جانا ہے۔'' وہ بمشکل تمام بول پائی۔

''ہم لفٹ دے دیں۔'' تیسرا لڑکا اس کے چہرے پر نظریں گاڑھتے ہوئے بولا۔

''جی نہیں میری بس آتی ہی ہو گی۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''ہاہاہا بس نہ آئی شہزادی اب تو بے بس ہی سمجھو تم خود کو۔'' پہلے لڑکے نے معنی خیز لہجے میں کہا اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی، زینب اندر تک سے کانپ کر رہ گئی۔

''ہٹیے میرے راستے سے مجھے گھر جانا ہے۔'' وہ تیز لہجے میں بولی تیزی سے آگے بڑھی تھی اور تینوں اس کے دائیں بائیں چلنے لگے۔

''ہمارے ساتھ چلو ہم گھر چھوڑ دیں گے تمہیں، جہاں اتنی دیر ہوئی ہے وہاں تھوڑی دیر اور سہی کچھ دیر ہمارے ساتھ بھی گزار لو پھر چلی جانا ڈارلنگ!'' پہلا لڑکا بے ہودگی سے بولا، وہ تیزی سے بھاگنے لگی سامنے سے ایک ٹیکسی آ رہی تھی اس کی لائٹس دیکھ کر زینب نے ہاتھ ہلایا، لڑکے اس کے پیچھے تھے، ٹیکسی رکی اور ڈرائیور تیزی سے باہر نکل کر ان لڑکوں کی طرف آیا اور غصے سے بولا۔

''اوئے بے غیرتو کہاں لے جا رہے ہو اپنی بہن کو؟''

''بہن ہو گی یہ تیری ہماری تو...... اوف۔'' اس لڑکے کا جملہ مکمل نہیں ہو پایا تھا ٹیکسی ڈرائیور کا زوردار مکہ اس کا جبڑا ہلا گیا۔

''اوئے گڈو چل بھاگ ادھر پولیس کی گاڑی بھی آ رہی ہے مروائے گا کیا، چل جلدی۔'' دونوں لڑکے اسے کہتے ہوئے بائیک کی طرف

لپکے تھے اور مکہ کھانے والا لڑکا بھی جبڑے کو سہلاتا تیزی سے ان کی جانب دوڑا اور بائیک پر بیٹھتے ہی یہ جا وہ جا۔

''تم بھی بیٹھو ٹیکسی میں۔'' ڈرائیور نے زینب سے تیز لہجے میں کہا تو وہ سہمی ہوئی ہراساں سی ٹیکسی کی پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

''کہاں جانا ہے؟'' ٹیکسی ڈرائیور نے

ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی بیک مرر میں زینب کا سفید چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''گلشن اقبال۔'' وہ گلے میں تھوک نگلتے ہوئے بولی۔

''یہاں کیا کر رہی تھیں اس وقت؟'' وہ زینب سے ایسے سوال کر رہا تھا جیسے اسے جانتا ہو، زینب اتنی ڈرگئی تھی کے اسے اس وقت یہ شخص غیبی مدد محسوس ہو رہا تھا اور وہ جواب دیئے جا رہی تھی جیسے وہ بھی اس کو جانتی ہو۔

''مجھے آفس سے دیر ہوگئی تھی میری بس نکل گئی اور میں بس یا ٹیکسی کے انتظار میں کھڑی تھی کہ وہ آوارہ لڑکے وہاں سے گزر رہے تھے مجھے دیکھ کر تنگ کرنے لگے۔''

''اتنی رات کو بیچ سڑک پر کھڑے ہو کے لفٹ مانگو گی تو ایک کی جگہ ایک درجن لڑکے آ جائیں گے لفٹ دینے کے لئے اور گھر تک چھوڑ کے آئیں گے۔'' وہ غصیلے لہجے میں بول رہا تھا۔

''آفس میں کام زیادہ تھا اس لئے نکلتے ہوئے دیر ہوگئی۔'' زینب نے اپنی بات دہرائی۔

''اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے یہ نوکری چھوڑ دو۔'' اس ڈرائیور کا لہجہ حاکمانہ اور کچھ سمجھاتا ہوا سا تھا۔

''یہ نوکری چھوڑ دی تو کیا کروں گی؟''

''دوسری نوکری۔'' وہ ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔

''دوسری نوکری ملنا اتنا آسان ہے کیا؟''

''میں دوں گا تمہیں دوسری نوکری۔''

ڈرائیور نے بیک مرر میں زینب کا چہرہ جو سیاہ چادر کے ہالے میں چاند کی طرح چمک رہا تھا بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیسی نوکری؟''

''پہلے اپنے گھر پہنچ جاؤ بتاؤں گا پھر، تمہاری ماں پریشان ہو رہی ہوگی۔''

''آپ کو کیسے پتا کے میری ماں بھی ہے؟''

خاصا بچگانہ اور احمقانہ سوال تھا کرنے کے بعد زینب کو احساس ہوا تو وہ خود ہی خجل سی ہوگئی۔

''تو کیا بنا ماں کے پیدا ہوگئی تھیں؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تو خجل سی باہر دیکھنے لگی اور آیت الکرسی پڑھنے لگی وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرائے گیا، اس کے چہرے پر پھیلی معصومیت خوف اور پریشانی نے عجیب سی کشش پیدا کر دی تھی اس کے سادہ سے خوبصورت چہرے میں۔

''کس طرف مڑنا ہے؟'' ڈرائیور نے پوچھا۔

''دائیں جانب یہاں سے۔'' زینب نے بتایا اس نے ٹرن لیا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟'' زینب نے یونہی پوچھ لیا۔

''محمد علی اور تم...... زیبا۔'' وہ اپنا نام بتانے کے ساتھ ہی اس کا نام مشہور فلمی جوڑی محمد علی، زیبا کے ساتھ سیٹ کرتے ہوئے بولا۔

''نہیں زینب۔'' جانے کیوں زینب نے اپنا نام بلا جھجک بتا دیا، شاید محمد علی کی مدد اس کا دوستانہ اور بے تکلفانہ انداز اسے ایسے کہنے پر مجبور کر گیا تھا۔

''ہوں، نائس نیم۔'' محمد علی نے سراہا۔

''آپ پڑھے لکھے ہیں؟''

''بی بی اتنی انگریزی تو آج کل ایک ان پڑھ آدمی بھی بول لیتا ہے بٹ فار یو کائنڈ انفارمیشن میں نے ڈبل ایم اے کیا ہے، ایم اے ایڈ ہوں۔'' محمد علی کے اس انکشاف پر زینب دنگ رہ گئی۔

''تو یہ ٹیکسی کیوں چلاتے ہیں؟''

''گھر چلانے کے لئے۔''

''نوکری۔''

''نوکری ملی نہیں تو کیا کریں گھر کا چولہا جلانے کے لئے کچھ تو کرنا ہی تھا نا تو یہ کام کر لیا، نوکری کے لئے کوشش جاری ہے، انٹرویوز دے رکھے ہیں جب مالک کا کرم ہوگا نوکری بھی مل جائے گی تب تک یہ ٹیکسی ہی میری رزق روٹی کا ذریعہ ہے۔'' محمد علی نے سنجیدگی سے جواب دیا، زینب کو افسوس ہونے لگا وہ اچھا بھلا ہینڈسم شخص تھا گندمی رنگت دلکش نین نقش کا مالک اور اتنا پڑھا لکھا ہو کر ٹیکسی چلا رہا تھا، اس ملک میں بے روزگاری اور تعلیم یافتہ افراد کا بے روزگاری کی لائن میں کھڑا ہونا بلاشبہ ایک افسوسناک بات تھی، لمحہ فکریہ تھی ملک کے حکمرانوں کے لئے، زینب کو اپنی پریشانی کم محسوس ہو رہی تھی محمد علی کی کہانی سن کر وہ بنا ارادے کے مسلسل محمد علی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی، اس کی نگاہیں محمد علی کو اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں وہ بول پڑا۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟ افسوس ہو رہا ہے یا ترس آ رہا ہے مجھ پر؟''

''نہیں تو۔'' وہ چونک کر بولی محمد علی مسکرا دیا اور گاڑی اس کے گھر کے قریب روک دی۔

''لو آ گیا تمہارا گھر اور ہاں آئندہ شام کے بعد گھر سے مت نکلنا۔'' محمد علی نے بتانے کے ساتھ ہی حکم بھی صادر کیا تھا، زینب کو غصہ تو آیا اس کے حاکمانہ لہجے اور انداز پر مگر ضبط کر گئی کہ یہ وقت نہیں تھا اس سے بحث کرنے کا اور پھر اس نے آج اس کی جان اور آن بچائی تھی اگر وہ وہاں نہ آتا تو جانے کیا کرتے وہ لڑکے اس کمزور سی لڑکی کے ساتھ، یہ سوچ کر ہی زینب کو جھرجھری آ گئی۔

''اب اترو بھی ادھر ہی بسنے کا ارادہ ہے کیا؟'' محمد علی کی آواز پر زینب شرمندہ سی ہو کر گاڑی سے اتر گئی وہ دروازہ کھولے کھڑا تھا اور زینب سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔

''شکریہ، کتنا کرایہ ہوا؟'' وہ اپنا شولڈر بیگ کھولتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''نیکی کی قیمت وصول کر لی جائے تو وہ نیکی نہیں رہتی، کاروبار بن جاتی ہے۔'' محمد علی نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ نے مجھے ان آوارہ لڑکوں سے بچایا یہاں گھر تک بحفاظت پہنچایا، اس کے لئے بہت بہت شکریہ، مگر آپ بھی تو روزی روٹی کمانے کے لئے نکلے ہیں۔''

''کبھی کبھی نیکی بھی کما لینی چاہیے خدا حافظ۔'' محمد علی نے اس کی بات کا جواب دیا اور ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

''خدا حافظ۔'' زینب نے آہستہ سے کہا اور اپنے گھر کے دروازے میں دستک دی، جونہی وہ گھر میں داخل ہوئی دروازہ بند ہوا محمد علی بھی اپنی ٹیکسی آگے بڑھ کر لے گیا۔

''السلام علیکم!'' زینب نے زبیدہ بیگم اور زرین کو دیکھتے ہوئے سلام کیا، وہ اسی کی راہ دیکھ رہی تھی، اس کے آتے ہی ان کی جان میں جان آ گئی۔

''وعلیکم السلام! زینی بیٹی اتنی دیر کر دی آج میرا تو دل بیٹھا جا رہا تھا، ہول اٹھ رہے تھے، طرح طرح کے خیالات پریشان کر رہے تھے۔'' زبیدہ بیگم نے پریشان لہجے میں اپنی کیفیت بیاں کی۔

''امی شہر کے حالات کا تو آپ کو پتا ہی ہے اور پھر میں نے بتایا تو تھا آپ کو کے آج کل آڈٹ ہو رہا ہے مجھی کو دیکھنا ہوتا ہے سارا کام اس لئے دیر ہو جاتی ہے، کل انشا اللہ ٹائم پر گھر آ جاؤں گی۔''

''تیری یہ عمر تو بیاہ کے گھر بسانے کی ہے اور تجھے نوکری کر کے گھر چلانے میں لگا دیا ہم نے۔'' زبیدہ بیگم دکھی لہجے میں کہا تو وہ بے چین ہوگئی۔

''امی آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں آپ سب میرے اپنے ہیں آپ نے اور ابو نے ہی تو مجھے پڑھایا لکھایا اس قابل بنایا ہے، آج اگر میں نوکری کر کے چار پیسے گھر میں دے دیتی ہوں تو کوئی احسان تو نہیں کر رہی آپ پر اپنوں کے لئے ہی کام کیا جاتا ہے۔'' زینب نے نرمی سے سنجیدگی سے کہا تو وہ ممتا بھرے لہجے میں دعا دینے لگیں۔

''جیتی رہو، اللہ تیرا نصیب بہت اچھا کرے تیرے لئے کوئی نیک ہم سفر بھیج دے جو تجھے بیاہ کر لے جائے سدا خوش رکھے۔''

''آمین۔'' زرین نے کہا تو زینب کہنے لگی۔

''امی نیک سے یاد آیا آج ایک ٹیکسی ڈرائیور مجھے گھر تک ڈراپ کر کے گیا ہے کرایہ بھی نہیں لیا کہنے لگا نیکی کی قیمت وصول نہیں کی جاتی۔''

''ایسی کیا نیکی کر دی اس ڈرائیور نے آپ کے ساتھ؟'' زرین نے پوچھا تو وہ اس نے ساری بات بتا دی، زبیدہ بیگم کا تو دل دہل گیا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے میری بچی بحفاظت گھر پہنچ گئی، بس تو یہ نوکری چھوڑ دے۔''

''محمد علی بھی یہی کہہ رہا تھا۔''

''کون محمد علی؟'' زرین نے متجسس ہو کر پوچھا۔

''وہی ٹیکسی ڈرائیور۔''

''ہاں تو ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا اتنی دور جانا پڑتا ہے اور واپسی پہ بھی رات ہو جاتی ہے کیسے کیسے شیطان مردود، بھیڑیے انسانوں کے روپ میں پھرتے ہیں گلیوں، بازاروں میں تجھے کیا پتا، اللہ کا شکر ہے اس نے عزت بچالی۔'' زبیدہ بیگم نے پریشان ہو کر کہا تو مسکراتے ہوئے بولی۔

''امی ہر روز تھوڑی دیر ہوگی کبھی کبھی دیر ہو جاتی ہے اور اللہ ہے نا میری حفاظت کرنے والا آپ پریشان نہ ہوں۔''

''کیسے پریشان نہ ہوں، جب تک تیری شادی نہیں ہو جاتی مجھے تو چین سے نیند بھی آئے گی۔''

''بس تو پھر دعا کریں کے میں کسی کا چین کسی کی نیند اڑا دوں اور وہ رشتہ لے کر یہاں آ جائے اور مجھے بیاہ کر لے جائے۔'' زینب نے مسکراتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا تو وہ فوراً بولیں۔

''آمین۔''

''امی آپ بھی نا۔'' وہ مسکراتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''آپی...... آپ منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جائیں میں آپ کے لئے کھانا گرم کر کے لاتی ہوں آج آپ کی پسند کا سالن بنا ہے قیمہ مٹر۔'' زرین نے کہا۔

''ہوں زبردست جلدی سے لے آؤ بہت بھوک لگ رہی ہے دوپہر بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔'' زینب نے مسکرا کر کہا اور کمرے میں چلی گئی۔

''میری بچی صبح سے رات تک کام کرتے بھاگتے دوڑتے ہلکان ہو جاتی ہے یا اللہ، ہماری مشکلیں آسان فرما دے، میری زینب کے لئے کوئی اچھا سا رشتہ بھیج دے۔'' زبیدہ بیگم نے پرنم لہجے میں دعا مانگی۔

☆☆☆

عبدالمجید اور زبیدہ بیگم کا تعلق متوسط طبقے سے تھا، دونوں کے تین بچے تھے، دو بیٹیاں اور

ایک بیٹا، زینب سب سے بڑی تھی اس سے تین سال چھوٹی ذرین تھی اور ذرین سے دو سال چھوٹا تھا عبداللہ، عبدالمجید ایک گورنمنٹ ہائی اسکول میں ٹیچر تھے، زبیدہ بیگم گھریلو خاتون تھیں، زینب کو پڑھنے کا بہت شوق تھا اس نے بی ایس سی کیا تھا، میتھ اسٹیٹ اور اکنامکس کے ساتھ اور میتھ میں ماسٹرز کرنے کے بعد ایک سرکاری دفتر میں ملازمت کر لی تھی، تقریباً دو سال ہونے کو تھے اسے نوکری کرتے ہوئے پچیس ہزار تنخواہ تھی اور اس کی یہ تنخواہ ان کے گھر کے اخراجات کو پورا کرنے اور اس کے جہیز کے لئے کچھ بنانے میں بہت مددگار ثابت ہو رہی تھی۔

زینب چوبیس سال کی ہونے والی تھی، جبھی زبیدہ بیگم کو اس کی شادی کی فکر کھائے جا رہی تھی کیونکہ زینب کے پیچھے ذرین بھی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکی تھی، ذرین ایم اے کر رہی تھی اس سے چھوٹا عبداللہ ایف ایس سی میں تھا، پانچ مرلے کے گھر میں مقیم یہ پانچ افراد آپس میں پیار محبت سے رہتے تھے، زبیدہ بیگم نے گھر کو بہت سلیقے سے چلا رکھا تھا مگر بڑھتی ہوئی مہنگائی اور بیماری نے بچوں کے تعلیمی اخراجات نے انہیں مجبور کر دیا تھا، بیٹی کو ملازمت کی اجازت دینے پر زینب کی تنخواہ سے زبیدہ بیگم نے زینب کے جہیز کے لئے کافی چیزیں خرید رکھی تھیں، عبد المجید صاحب کی ریٹائرمنٹ میں ابھی دو سال باقی تھے اور وہ اس دوران ہی اپنی بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے، ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی تھی، زبیدہ بیگم کو ہائی بلڈ پریشر اور شوگر جیسے موذی مرض نے گھیر رکھا تھا، زینب کے لئے کئی رشتے آئے تھے، سگے ماموں، تایا کے بیٹوں کے رشتے بھی آئے تھے مگر ان کی نظر زینب کی نوکری اور تنخواہ پر تھی اور یہ بات زینب کو قطعاً پسند نہیں تھی کہ کوئی شخص اسے اس کی ملازمت کی وجہ سے بیاہ کر لے جائے اس کی تنخواہ پر کمائی پر نظر رکھے لہٰذا اس نے صاف انکار کر دیا تھا اور زبیدہ بیگم اور عبدالمجید صاحب کو بھی اس کے انکار پر اعتراض نہ ہوا تھا کیونکہ وہ بھی اس کے ہم خیال تھے، وہ اپنی قابل اور محنتی بیٹی کو کسی لالچی اور خود غرض شخص کے پلے نہیں باندھنا چاہتے تھے۔

''آپی وہ دیکھنے میں کیسا تھا؟'' وہ سونے کے لئے لیٹی تو ذرین نے مسکراتے ہوئے پوچھا وہ دونوں ایک ہی کمرے میں سوتی تھیں۔

''کون؟'' زینب نے نا سمجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''وہی نیک ٹیکسی ڈرائیور محمد علی واہ جی نام بھی معلوم کر لیا ذرا سے سفر میں اور کیا کیا پتا چلا اس کے بارے میں؟'' ذرین نے شرارتی انداز میں مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔

''وہ ڈبل ایم اے ہے ایم ایڈ ہو کر جاب کے لئے جوتیاں گھسا رہا ہے ابتک اور گھر چلانے کے لئے ٹیکسی چلاتا ہے۔'' زینب نے اس کی شوخی اور شرارت کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے بتایا تو ذرین نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''شکر ہے کسی غلط کام میں نہیں پڑ گیا ورنہ اس بے روزگاری نے تو نوجوانوں کو منفی سر گرمیوں کی طرف راستہ دکھا دیا ہے، دہشت گردی کا شکار یہ بے روزگار نوجوان ہی ہوتے ہیں جنہیں پیسوں کا جنت کا لالچ دے کر وہ جو چاہتے ہیں کروا لیتے ہیں، برین واشنگ کر دیتے ہیں ان کی۔''

''ہاں اچھا بس اب سو جاؤ، مجھ بھی سونے دو میں بہت تھک گئی ہوں۔'' زینب نے جمائی لیتے ہوئے نیند میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

''اچھا مگر یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کے وہ محمد علی ڈرائیور مسٹر ایم اے ایم ایڈ دیکھنے میں کیسا تھا؟'' ذرین نے مسکراتے شوخ لہجے میں پھر سے سوال کیا۔

''پریشانی اور خوف کے مارے میرا برا حال تھا اس صورتحال میں مجھے ہوش ہی کہاں تھا اس کے سراپے پہ نظر دوڑانے کا۔''

''پھر بھی چہرہ تو دیکھا ہی ہوگا۔'' ذرین بضد تھی۔

''ہاں مگر میں نے دھیان نہیں دیا تھا ٹھیک ہی تھا جیسا ہوتا ہے ایک مرد کا چہرہ کلین شیو تھا اور قد کافی لمبا تھا اس سے زیادہ مجھے یاد نہیں ہے اور پلیز اب سونے دو مجھے۔''

''بس ایک سوال۔''

''ذری!''

''وہ ابا کی عمر کا تھا، سمجھی سو جا اب۔'' زینب نے اس کے سوالوں سے بچنے کے لئے کہا تو ذرین کی شوخی اس کا تجسس ختم ہو گیا منہ بن گیا۔

''ابا کی عمر کا، خود ہی تو کہہ رہی تھیں جوان ہے۔''

''جذبہ جوان ہے اس کا اس عمر میں بھی۔'' زینب نے کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

''ہوں میں سمجھ گئی آپ کو واقعی بہت نیند آ رہی ہے جبھی ایسا کہہ رہی ہیں چلیں نہیں تنگ کرتی آپ کو مزید سوالات نہیں ہوں گے، آپ سو جائیں شب بخیر۔''

''شب بخیر۔'' زینب نے جواباً کہا اور آنکھیں موند لیں۔

اچانک ہی زبیدہ بیگم کی طبیعت خراب ہوئی تھی، انہیں ایمرجنسی لے جانا پڑ گیا تھا، آج اتوار تھا، چھٹی ہونے کی وجہ سے زینب بھی گھر پہ ہی تھی، وہ اور ابا عبدالمجید فوراً ہی زبیدہ بیگم کو ٹیکسی میں ہسپتال لے گئے تھے، ان کا بلڈ پریشر بہت ہائی ہو گیا تھا شوگر بھی اچانک بڑھ گئی تھی وہ بے ہوش ہو گئیں تھیں، بہت پرہیز کر رہی تھیں اس کے باوجود شوگر ہائی ہو گئی تھی، عبدالمجید بہت فکر مند تھے، زینب دل ہی دل میں ماں کی صحت و سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھی، زبیدہ بیگم کو شام تک ہوش آ گیا تھا، ڈاکٹر نے کچھ دوائیں لکھ دی تھیں، زینب نے نسخہ لے لیا۔

''زینی بیٹی تم ماں کے پاس ٹھہرو میں دوائیں لے کر آتا ہوں۔'' عبدالمجید صاحب نے زینب سے کہا تو وہ کہنے لگی۔

''نہیں ابا آپ امی کے پاس رک جائیں دوائیں میں لے آتی ہوں، میڈیکل سٹور یہاں پاس ہی ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے دھیان سے جانا۔''

''جی اچھا۔'' وہ اپنا شولڈر بیگ کندھے پر ڈالے باہر نکل آئی، چھٹی کا دن تھا پھر بھی کافی رش تھا، لوگ چھٹی کے دن ہفتے بھر کی خریداری کے لئے نکلے ہوئے تھے، زینب سڑک پار کرنے لگی کے ایک لڑکا بائیک سے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کرنے لگا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے ہٹو میرے راستے سے۔'' وہ پریشان تو تھی ہی غصے میں بھی آ گئی اور تیز سخت لہجے میں کہا تو وہ خباثت سے ہنس کر بولا۔

''اوئے ہوئے اتنا غصہ، ذرا پیار سے بات کر لو جانم۔''

''چٹاخ۔'' اچانک ایک زور دار تھپڑ اس بائیک سوار کے گال پر پڑا تھا، مگر یہ تھپڑ زینب نے نہیں مارا تھا بلکہ محمد علی نے مارا تا، جو اتفاقاً وہاں سے گزر رہا تھا اور زینب کو دور سے ہی دیکھ لیا تھا اس نے اور وہیں دوڑا چلا آیا تھا خود بخود کیوں؟

یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا اس وقت وہ کسی فرشتے سے کم نہیں لگا وہ زینب کو اس نے متشکر نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"کیا بات کرنی ہے آؤ مجھ سے کرو پیار سے بات بس ایک بات ہی کافی ہے یا دو چار اور کروں پیار بھری باتیں؟" محمد علی نے اس لڑکے کا گریبان پکڑ کر غصیلے اور خونخوار لہجے میں کہا وہ خوف سے کانپنے لگا، محمد علی کا مضبوط کسرتی بدن دیکھ کر اس کی تو ہوا ہی نکل گئی تھی اور زینب تیزی سے میڈیکل سٹور کی جانب بھاگ گئی تھی، اسے امی کی دوائیں لینی تھیں۔

"س......سوری۔" وہ لڑکا بمشکل بولا تھا۔

"سوری کے مامے حوالات نہ پہنچا دوں تجھے جہاں ہوا اور لات دونوں کھانے کو ملیں گی اور پولیس والے پیار بھری باتیں بھی خوب کریں گے۔" محمد علی نے دانت پیستے ہوئے۔

"چل دفعہ ہو جا یہاں سے ورنہ ہڈی پسلی توڑ دوں گا پھر اسی ہسپتال میں اپنی ہڈیاں جڑواتا نظر آئے گا۔" محمد علی نے غصیلے لہجے میں کہا وہ موٹر سائیکل گھسیٹتا ہوا تیزی سے آگے دوڑا تھا اور کافی دور لے جا کر بائیک اسٹارٹ کی اور بھیڑ میں گم ہو گیا، محمد علی نے گردن گھما کر دائیں جانب دیکھا اس کی آنکھیں زینب کو ڈھونڈ رہی تھیں، اچانک ہی وہ اسے میڈیکل اسٹور سے باہر نکلتے ہوئے دکھائی دی تو جیسے آنکھوں کی روشنی بڑھ سی گئی تھی اسے دیکھ کر، زینب نے بھی اسے دیکھ لیا تھا، چلتی ہوئی اس کے قریب پہنچی تو وہ یکدم ہی اس پر برس پڑا۔

"کہا تھا نا آئندہ شام کے بعد گھر سے باہر مت نکلنا، پڑ گئیں نا پھر سے مصیبت میں۔"

"مصیبتوں نے تو شاید ہمارے گھر کا رستہ ہی دیکھ لیا ہے۔" وہ سنجیدگی سے جواب دیتی آگے بڑھی تھی۔

"بہت آسان رستہ لگتا ہے جو تمہارے گھر کو جاتا ہے۔"

"مذاق اڑا رہے ہو۔" وہ چلتے چلتے اس کی طرف دیکھ کر دکھی ہو کر بولی تو وہ نرمی سے گویا ہوا۔

"نہیں یہ کہنا اور سمجھانا چاہ رہا ہوں کے زندگی میں دکھ پریشانی بیماری غم خوشی سب ساتھ ساتھ چلتا ہے اس سے انسان کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے، دلبرداشتہ نہیں ہونا چاہیے، مایوسی کو دل و دماغ میں جگہ نہیں دینی چاہیے۔"

"ہوں، ٹھیک کہا تم نے۔"

"ویسے تم اس وقت یہاں کیا کر رہی تھیں؟"

"امی کی دوا لینے آئی تھی دوپہر میں اچانک ان کی حالت بگڑ گئی تھی، انہیں ایمرجنسی لے جانا پڑا۔" زینب نے سپاٹ اور تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ وری سیڈ تو مجھے فون کر دیا ہوتا۔"

"آپ کو؟" زینب نے حیرانگی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"ہوں، مجھے۔"

"کس ناطے سے؟" زینب نے اسی حیرت میں ڈوبے لہجے میں سوال کیا۔

"اور آپ کا فون نمبر بھی میرے پاس نہیں تھا۔"

"فون نمبر تم ابھی لے لو اور ناطہ۔" وہ چلتے چلتے رک کر اس کا سندر چہرہ دیکھنے لگا۔

"چاہو تو ابھی جوڑ لو۔"

"کیسا ناطہ؟"

"جو تمہیں مناسب لگے دوست بنا لو یا۔"

"یا؟" زینب کے حواس چوکنا ہو گئے۔

"تین کلمے پڑھوا لو میرے ساتھ۔"

"واٹ؟" زینب یوں اچھلی تھی جیسے اسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو، نہایت غصیلے لہجے میں بولی تھی وہ۔

"دماغ تو درست ہے تمہارا، ذرا سی لفٹ کیا لے لی، لڑکوں کو کیا بھگا دیا تم تو پھیلتے چلے جا رہے ہو، اپنے آپے میں رہو مسٹر ٹیکسی ڈرائیور، نہیں چاہیے تمہارا احسان اور تمہاری یہ ہمدردی گیٹ لاسٹ۔"

"اوہو کیا بات ہے اب تو بڑی انگریزی نکل رہی ہے زبان سے جب وہ آوارہ لڑکے لفٹ دے رہے تھے تو محترمہ کی زبان پر یہ بڑے بڑے تالے پڑ گئے تھے، نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے۔" محمد علی نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"سب جانتی ہوں میں تمہاری نیکی کو پرانی فلموں کا گھسا پٹا سین کروا کے اپنے ہی بھیجے ہوئے آوارہ لڑکوں کے ذریعے لڑکی کو پریشان کروایا، پھر جان بچانے کا ڈرامہ رچا کر خود کو ہیرو ثابت کرنا چاہ رہے ہو نا۔"

"اے اے ہوش کے ناخن لو لڑکی! زبان کو لگام دو میری بے عزتی مت کرو ورنہ۔" محمد علی نے سخت لہجے میں کہا وہ بہت ضبط کر رہا تھا اس وقت اس کی باتوں نے اس کی غیرت اور خلوص پر چابک مارا تھا، شک کا کوڑا رسید کیا تھا، وہ بلبلا اٹھا تھا۔

"ورنہ کیا؟" زینب کا دماغ تپا ہوا تھا، غصے سے بولی تو اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"تم بیوقوف بھی ہو اور کم عقل بھی اس لئے معاف کر رہا ہوں ورنہ تمہاری اس ورنہ کا ایسا جواب دیتا کہ تمہیں سمجھ آ جاتا کہ ورنہ......کیا؟"

"ہونہہ۔" زینب نے نخوت سے کہا اور تیزی سے ہسپتال کے گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔

"اچھے بھلے موڈ کا ستیاناس کر دیا، سڑک چھاپ آوارہ لڑکوں سے تو خود کو بچا نہیں سکتیں، الٹا مجھے باتیں سنا رہی ہے، ساری بہادری مجھی کو دکھا گئی اسٹوپڈ گرل۔" محمد علی کی ٹیکسی وہیں ہسپتال کے باہر کھڑی وہ ٹیکسی سے ٹیک لگائے کھڑا خود کلامی کر رہا تھا، نگاہیں وہیں مرکوز تھیں، جہاں تھوڑی دیر پہلے زینب گئی تھی۔

سوچا تھا پیار نہ کریں گے
ہم نہ کسی پہ مریں گے
لیکن وہ کالی آنکھیں شرمانے والی آنکھیں
لے گئیں دل کا قرار

محمد علی گنگنا رہا تھا، پھر خود ہی کہنے لگا۔

"شرمانے والی آنکھیں کہاں؟ اس کی تو کھا جانے والی آنکھیں ہیں، سالم نگل لیں آدمی کو، اور پتا بھی نہ چلے۔" اس کی آنکھوں کے سامنے زینب کی صورت سجی تھی۔

"او شٹ، یہ میں کس راستے پر چل نکلا ہوں؟" وہ خود ہی سوال جواب کر رہا تھا۔

"محبت کے راستے پر۔" دل نے سرگوشی کی تو اس کے لب مسکرانے لگے۔

"بیٹا، گلشن اقبال چلو گے۔" عبد المجید صاحب نے ٹیکسی کے قریب آ کر اس سے پوچھا تو وہ تیزی سے پیچھے آواز کی سمت گھوم گیا۔

"ارے سر آپ، السلام علیکم! سر آپ سر مجید ہیں نا، سر عبد المجید۔" محمد علی نے انہیں دیکھا تو اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک در آئی اور وہ بہت پرجوش لہجے میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"جی ہاں بیٹا میں عبد المجید ہوں مگر آپ کون؟ میں نے آپ کو پہچانا نہیں بیٹا کیا آپ

میرے اسٹوڈنٹ ہو؟'' عبد المجید صاحب نے اسے بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی سر! میں نے آپ کے اسکول سے ہی میٹرک کیا تھا، آپ میٹرک میں میرے کلاس ٹیچر تھے، میں محمد علی ہوں سر آپ کو یاد ہے میں بورڈ کے امتحان میں، میں نے ٹاپ کیا تھا۔''

''ارے ہاں ہاں یاد آ گیا محمد علی ماشا اللہ بھئی تم تو بہت خوبرو نوجوان بن گئے ہو میں تو پہچان ہی نہ پایا تمہیں کیسے ہو کیا کرتے ہو؟'' عبد المجید نے اسے پہچان لیا تھا اس سے بغل گیر ہوتے ہوئے پوچھا۔

''الحمد للہ بالکل ٹھیک ہوں سر اور کیا کرتا ہوں آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔''

''کیا تم ٹیکسی چلاتے ہو؟'' عبد المجید صاحب نے حیرت اور افسوس سے اسے دیکھا تھا۔

''جی ہاں سر! جاب ابھی تک ملی نہیں سو یہی ذریعہ معاش اپنا لیا، پیٹ بھی تو بھرنا ہے نا سر۔''

''ہاں میاں یہ تو ہے اس مہنگائی میں دو وقت کی روٹی کمانا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے، اللہ تمہاری تعلیمی قابلیت کے مطابق تمہیں اچھی سی ملازمت عطا فرمائے، تمہاری مشکلیں آسان کرے، جیتے رہو بیٹا، رزق حلال کما رہے ہو اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے، بس کبھی مایوس مت ہونا اللہ پاک ضرور تمہاری قابلیت کے حساب سے تمہیں نوازے گا۔''

''انشا اللہ تھینک یو ویری مچ سر، بس آپ کی دعائیں چاہئیں۔''

''جیتے رہو۔'' عبد المجید صاحب نے اس کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے دعا دی۔

''سر! آپ یہاں کیسے سب خیریت ہے نا؟''

''بیٹا! بیگم صاحبہ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اب الحمد للہ بہت بہتر ہے ڈاکٹر نے گھر لے جانے کی اجازت دے دی ہے اسی لئے میں ٹیکسی روکنے آیا تھا۔'' انہوں نے سنجیدگی سے بتایا تو وہ مودٔب انداز میں بولا۔

''سر! میں حاضر ہوں میری ٹیکسی حاضر ہے آپ آنٹی کو لے آئیں میں آپ کو گھر ڈراپ کر دوں گا۔''

''اچھا بیٹا! خوش رہو میں ابھی ان دونوں ماں بیٹی کو لے کر آتا ہوں۔'' عبد المجید صاحب کی واپسی زبیدہ بیگم اور زینب کے ہمراہ ہوئی تو زینب اور محمد علی ایک دوسرے کو دیکھ کر اس اتفاق پر حیران رہ گئے، عبد المجید صاحب نے محمد علی کا تعارف ان دونوں سے کروایا تو زبیدہ بیگم نے اسے دعا دی سر پہ ہاتھ پھیرا، جبکہ زینب منہ بسورے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر زبیدہ بیگم کے ساتھ بیٹھ گئی، محمد علی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی اور برابر والی سیٹ پر ابا بیٹھ گئے تھے، محمد علی کے تو دل کی کلی کھل گئی تھی جانے کیوں اسے ایک عجیب سی خوشی ہو رہی تھی، یہ جان کر کے زینب اس کے اسکول ٹیچر کی بیٹی ہے۔

''علی بیٹا! اندر آ جاؤ چائے پی کر جانا۔''

''تھینک یو سر! پھر کبھی سہی، آپ ابھی تھک گئے ہوں آپ لوگ آرام کریں انشا اللہ پھر ملاقات ہوگی۔'' محمد علی نے مہذب انداز میں منع کر دیا۔

''ارے نہیں ایسے کیسے ہو سکتا ہے تم اتنے سالوں بعد ملے ہو اور میں تمہیں اپنے گھر سے بنا کچھ کھلائے پلائے جانے دوں گا تو مجھے افسوس ہوگا۔'' عبد المجید صاحب نے محبت سے خلوص سے کہا جبکہ زینب کا منہ بن گیا تھا اور محمد علی کن اکھیوں سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ چکا

تھا، اس کی بے زاری کو وہ سمجھ رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں سر، میں انشا اللہ پھر کسی دن آؤں گا چائے کھانا ادھار رہا، چلتا ہوں۔''

''بیٹا پیسے تو لیتے جاؤ۔''

''سر بیٹا بھی کہہ رہے ہیں اور غیروں جیسی باتیں بھی کر رہے ہیں آپ میرے استاد ہیں میں آپ سے ٹیکسی کا کرایہ لوں یہ مجھے زیب نہیں دیتا۔'' محمد علی نے خلوص اور ادب سے کہا۔

''اگر آپ اسی طرح کرایے پیسے چھوڑتے رہے تو نہ ٹیکسی چلے گی اور نہ گھر، روز روز کی نیکی بھی نفع نہیں دیتی۔'' زینب نے اسے دیکھتے ہوئے کہا وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟ اس روز اس سے بھی تو پیسے نہیں لئے تھے اس نے۔

''آپ کیا جانیں بعض نقصان بھی بہت نفع بخش ہوتے ہیں۔'' اس نے معنی خیز جواب دیا اور اللہ حافظ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا، وہ اس کی بات کا مطلب سمجھنے میں الجھ سی گئی تھی۔

''اوہو تو یہ تھے مسٹر محمد علی واؤ آپی بندہ تو بہت شاندار ہے، مفت میں گھر چھوڑ جاتا ہے، آپ نے خواہ مخواہ بے چارے کو الٹی سیدھی سنا دیں، دیکھیں تو سہی کیسے فلمی ہیرو کی طرح آپ کو بچانے عین وقت پہ پہنچ جاتا ہے، مجھے لگتا ہے کہ رب نے بنا دی جوڑی آپ دونوں کی۔'' ذرین کو اس نے آج کا واقعہ سنایا تو وہ پر جوش ہو کر بولی۔

''ہم لڑکیوں کی یہی تو بے وقوفی ہے کہ جہاں کسی لڑکے نے مسکرا کر ہیلو کہہ دیا، دو میٹھے بول بول دیئے وہیں پٹ سے آنکھ بند کر کے اس پر یقین کر لیا اور دیکھنے لگیں اس کے ساتھ کے سپنے۔'' زینب نے اپنے لمبے گھنے سیاہ بالوں میں برش پھیرتے ہوئے کہا تو ذرین نے منہ بسور لیا۔

''بچی آپ تو اپنے مضامین کی طرح ڈل اور ڈرائی ہو گئی ہیں یہ حساب کتاب کرتے کرتے نا آپ کو محبت کی الف ب بھی بھول گئی ہے، زندگی میں تھوڑا رومینس بھی تو ہونا چاہیے نا، اچھا بھلا ڈیشنگ بندہ دیکھ کے تو دل میں خود بخود گدگدی سی ہونے لگتی ہے۔''

''اچھا تو کیا خیال ہے کروں ابا اور امی سے بات کہ آپ کی بیٹی کا دل آ گیا ہے اس ٹیکسی ڈرائیور پر اسے۔''

''او پلیز آپی! میں آپ کی بات کر رہی ہوں، آپ مجھے بلاوجہ بیچ میں نہ گھسیٹیں وہ آپ سے اتفاقاً ٹکراتا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ آپ کے بارے میں ہی سوچے گا نا۔'' ذرین نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔

''کیوں سوچے گا میرے بارے میں؟''

''یونہی دماغ خراب جو ہوا ہے بے چارے کا۔'' ذرین نے چڑ کر جواب دیا تو وہ آنکھیں نکالنے لگیں۔

''ذری!''

''آپ بس جمع تفریق کریں، دو اور دو چار کریں، پیار نہ کریں، دو اور دو پیار بھی ہو سکتے ہیں مگر آپ کو اس سے کیا؟ ان رومینٹک گرل۔'' ذرین نے اس قدر مایوس کن اور خفا خفا سے لہجے میں کہا کے زینب کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

☆☆☆

زبیدہ بیگم کی طبیعت اب بہتر تھی لیکن زینب نے آج آفس سے چھٹی کر لی تھی، گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر وہ نہا کر نکلی تو محمد علی کو زبیدہ بیگم کے پاس بیٹھے پایا۔

''لو جی دوسرے ہفتے ہی چلے آئے موصوف۔'' زینب نے اسے دیکھتے ہی آہستہ سے کہا اور واپس پلٹ گئی، وہ اس کی پشت پر لہراتے بالوں کو دیکھ چکا تھا سمجھ گیا تھا کہ یہ زینب ہی

ہے۔
"یہ پھر چلا آیا۔" اس نے ذرین سے کہا۔
"صبر نہیں ہوا ہوگا نا بے چارے سے۔" ذرین نے شرارت سے کہا اور ہنس دی۔
"مٹھائی کا ڈبہ بھی لایا ہے۔" ذرین نے بتایا۔
"کس خوشی میں؟"
"کالج میں جاب مل گئی ہے جناب کو۔"
"چلو اچھا ہے اس کی محنت تو وصول ہوئی اب سارا دن سڑکوں پر نہیں پھرے گا روزی روٹی کے لئے۔" زینب نے سنجیدگی سے کہا مگر دل تو خوشی سے جھوم اٹھا تھا، اس کو ملازمت ملنے کا سن کر ہی اور وجہ وہ سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کر رہی تھی۔
"ابا بھی آ گئے ہیں کوئی خاص بات کر رہا ہے امی ابا سے۔"
"سنو تو جا کر کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"
"میں کیوں جاسوسی کروں خود ہی جا کر سن لیں، سلام تو کر آئیں علی بھائی کو۔" ذرین نے کہا۔
"اوہو بھائی بھی بنا لیا اسے۔"
"دولہا بھائی بنا چاہ رہے ہیں وہ ہمارے۔" عبداللہ نے اس کے کمرے میں آ کر انکشاف کیا۔
"کیا؟" وہ دونوں حیرت سے ایک ساتھ بولیں۔
"ہاں آپی! مجھے تو علی بھائی بہت اچھے لگے ہیں، ان کے ماں باپ کی ڈیتھ ہو چکی ہے چھ مرلے کا ذاتی گھر ہے وہ بھی ڈبل اسٹوری، جاب بھی مل گئی ہے اب اور اب وہ چاہتے ہیں کہ انہیں آپ جیسی خوبصورت لڑکی بھی بیوی کے روپ میں مل جائے۔"
"سچی تو سچ کہہ رہا ہے نا۔" ذرین خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے بولی تو وہ شرارت سے بولا۔
"نہیں مذاق کر رہا تھا، تم لڑکیاں بھی نہ کتنا خوش ہوتی ہو اپنی شادی کی بات سن کر۔"
"بکواس نہیں کرو اچھا۔" ذرین نے اسے کشن اٹھا کے مارا تھا، وہ ہنستا ہوا باہر بھاگا۔
"زینی۔" زبیدہ بیگم اسے آواز دیتی ہوئی کمرے میں چلی آئیں، گلابی کاٹن کے سوٹ میں وہ بہت نکھری نکھری لگ رہی تھی۔
"جی امی!"
"بیٹا! فریج میں سے کباب نکال کر فرائی کر لو اور میٹھے میں سویاں بنا لو جلدی سے پلاؤ تو آج تم نے پکایا ہی ہے، علی دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھائے گا۔" زبیدہ بیگم نے جلدی جلدی ہدایات دیں، ان کے چہرے پہ خوشی کے رنگ بکھرے تھے، لب مسکرا رہے تھے۔
"موصوف نے تو ہمارے گھر کا رستہ ہی دیکھ لیا ہے۔" زینب نے بیزاری سے کہا ابھی نہا کر آئی تھی اور اب پھر کچن میں جانا پڑ رہا تھا محمد علی کی وجہ سے جبھی وہ جھلا گئی تھی۔
"بری بات ہے ایسا نہیں کہتے، مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتا ہے اور علی تو اب اس گھر کا داماد بننے والا ہے، اکیلا ہے وہ تمہارا ہاتھ مانگنے آیا ہے۔" زبیدہ بیگم نے خوشی سے لبریز لہجے میں بتایا تو زینب کے چہرے پر آپ ہی آپ حیا کے رنگ بکھر گئے۔
کھانا تیار تھا، زینب نے عبداللہ سے کہہ کر میز پر لگوا دیا تھا۔
"یہ ایکدم سے میرا رشتہ لے کر کیوں آ گیا؟"
"اور امی ابا نے مجھ سے میری مرضی تک

معلوم نہیں کی؟"
"میری شادی کے بعد گھر کا خرچ کیسے چلے گا؟"
"میں ایسے کیسے اس شخص سے شادی کر لوں؟"
"نجانے وہ کیا سوچ کر میرا رشتہ مانگنے آیا ہے؟"
"ٹھیک ہے وہ ابا کا شاگرد تھا کسی زمانے میں مگر وہ آج کیا ہے؟ کون ہے؟ کیسے ماحول میں رہتا ہے؟ یہ سب جاننا بھی تو بہت ضروری ہے امی اور ابا اسے ایکدم سے تو ہاں نہیں کریں گے۔" زینب کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی اور اس کے دماغ میں سوالات سر اٹھا رہے تھے۔
"ایکسکیوزمی۔" محمد علی کی آواز پر وہ چونک کر مڑی تھی اور اسے کچن کے دروازے پر کھڑا دیکھ کر جلدی سے اپنا دوپٹہ سر پہ اوڑھا تھا، کھلتی چمپئی رنگت والی سیاہ آنکھوں اور دلکش خدوخال سے مزین سراپے پہ ڈھلی زینب سیدھی علی کے دل میں اتر گئی تھی۔
"مجھے ہاتھ دھونے ہیں۔" محمد علی نے اپنے آنے کا مقصد بتایا۔
"دھو لیں۔" زینب نے سنک کی طرف اشارہ کیا تو اس نے اندر آ کر ہاتھ دھو لئے، زینب نے سپاٹ لہجے میں اس سے پوچھا۔
"اور اب آپ مجھے یہ بتایئے کہ آپ ہاتھ دھو کے میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟"
"مطلب؟" وہ اس کے سرخ ہوتے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔
"آپ نے تو میرے گھر کا رستہ ہی دیکھ لیا ہے، چاہتے کیا ہیں آپ؟"
"میں چاہتا ہوں کہ آپ کے دل کا رستہ بھی دیکھ لوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بڑے مودب لہجے میں بولا وہ سٹپٹا گئی۔
"واٹ؟"
"شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے۔"
"کیوں؟" زینب نے دل کو سنبھالا۔
"کیونکہ تم مجھے اپنی سادگی اور معصومیت سمیت بھا گئی ہو۔"
"بس یہی وجہ ہے مجھ سے شادی کرنے کی چاہ کے پیچھے؟" زینب نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ شوخ لہجے میں بولا۔
"تو اور کیا کہوں کے میں تمہارے عشق میں چاروں شانے چت ہو گیا ہوں؟"
"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔" وہ بلش ہو گئی وہ مسکرا رہا تھا، زینب نے دیکھا اس کی مسکراہٹ دل میں ہلچل مچانے کو کافی تھی۔
"لیکن یہی سچ ہے۔" محمد علی نے دھیمے اور محبت پاش لہجے میں کہا تو وہ ہکا بکا سی اسے دیکھنے لگی، اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی اور علی کو اس کی آنکھیں پڑھنا آ گئیں تھیں، مسکراتے ہوئے نرم مدھم لہجے میں محبت سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔
"ہاں زینب یقین کر لو، اس رات جب اتفاقاً تم مجھے ان آوارہ لڑکوں کی بدتمیزی سے پریشان بھاگتی ہوئی ملی تھیں، تب سے میں ایک لمحے کو بھی تمہیں بھلا نہیں پایا تھا، نجانے کیوں مجھے تم اپنی اپنی سی لگی تھیں، جبھی میں تم پر برس پڑا تھا اور تمہیں نصیحت اور ہدایت کرنے سے بھی نہیں ہچکچایا تھا، میری آنکھوں کی پتلیوں میں تمہارا چہرہ، تمہاری صورت ثبت ہو گئی تھی، نہیں بھول پایا میں ایک پل کو بھی نہ بھول پایا تمہیں اور دل سے دعا کرنے لگا کہ تم مجھ ایک بار مل جاؤ تو میں تمہیں دوبارہ کہیں جانے نہیں دوں گا، تمہارے گھر کا راستہ معلوم تھا لیکن میں تمہیں دل کے راستے سے

پانا چاہتا تھا، میرا جذبہ سچا تھا، جبھی تو تم مجھے میڈیکل سٹور کے قریب نظر آ گئیں، تمہارا میری زندگی میں آنا میرے لئے بہت مبارک ثابت ہوا ہے دیکھو مجھے کالج میں لیکچرار شپ مل گئی ہے اور میں دوڑا چلا آیا ہوں تمہارے والدین کے پاس تمہارا ہاتھ مانگنے۔"

"صرف ہاتھ۔" وہ اس کے جذبوں، باتوں اور آنکھوں سے چھلکتی محبتوں کی سچائی پر یقین کرتے ہوئے شرمیلے پن سے مسکرا کر بولی۔

"اوں ہوں دل بھی چاہیے۔" محمد علی نے شوخ لہجے میں کہا تو وہ شرماتے مسکراتے ہوئے بولی۔

"دل تو ایک شرط پہ ملے گا آپ کو۔"

"مجھے ہر شرط منظور ہے کہو تو۔"

"آپ مجھ سے کبھی دغا نہیں کریں گے، بے وفائی نہیں کریں گے جیسے پہلے مجھے دو بار آوارہ لڑکوں سے بچایا اسی طرح ساری زندگی میرے محافظ بن کر رہیں گے، میری عزت پر کبھی کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔" زینب نے سنجیدہ مگر دھیمے لہجے میں کہا۔

دل دے دیا ہے جان تجھے دیں گے
دعائیں کریں گے صنم رب دی قسم یارا رب دی قسم

جواب میں محمد علی نے یہ گیت گنگنا دیا تو وہ ہنس پڑی۔

"تو میں ہاں سمجھوں۔"

"نہیں۔"

"کیوں؟" وہ بے کل ہوا اسے زبیدہ بیگم اور عبدالمجید صاحب نے ہی زینب سے بات کرنے کی اجازت دی تھی، جبھی وہ اطمینان سے کچن میں کھڑا تھا۔

"سب سے اہم بات جو مجھے آپ سے کرنی ہے وہ یہ ہے کہ میں جاب نہیں چھوڑوں گی کیونکہ مجھے اپنی فیملی کو سپورٹ کرنا ہے جب تک عبداللہ کسی قابل نہیں ہو جاتا میں اپنی فیملی کو سپورٹ کرتی رہوں گی خواہ امی اور ابا کتنا بھی منع کریں مگر مجھے اپنے گھر کے حالات کا علم ہے، میں ان سے غافل نہیں رہ سکتی، آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا میرے اس عمل پر تو ٹھیک ہے ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟"

"کوئی اور لڑکی ڈھونڈ لیجئے گا اپنے لئے۔"

"بہت ہی ظالم لڑکی ہو تم، تمہیں میری فیلنگز کا ذرا بھی احساس نہیں ہے کتنی آسانی سے کہہ دیا تم نے کہ کوئی اور لڑکی ڈھونڈ لینا، پانے سے پہلے کھونے کی باتیں کر کے میرا دل تو مت دکھاؤ بہت پیار کرتا ہوں تم سے اور تمہاری فیملی اب میری فیملی ہے، تم سے رشتہ جڑنے کے بعد ماں باپ، بھائی بہن جیسے پیارے رشتے مل جائیں گے مجھے، میں ان رشتوں کے لئے ترسا ہوا ہوں، میری زندگی ان خوبصورت رشتوں سے خالی ہے

"مغفرت"

ہماری پیاری مصنفہ مبشرہ ناز کی والدہ کی پہلی برسی مورخہ بائیس مارچ کو ہوگی اس موقعہ پر قارئین سے التماس ہے کہ مرحومہ کی مغفرت اور ان کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کریں۔

میں تو بہت خوش ہوں یہ سوچ کر ہی کے مجھے یہ سب رشتے مل جائیں گے، مجھے تمہارے اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہے، بلکہ میں خود تمہارے ساتھ مل کر ان سب کا خیال رکھوں گا اور ان کی ضروریات کا خیال رکھوں گا اور مجھے جہیز بھی نہیں چاہیے میں اپنے زور بازو سے اپنی محنت سے کمانے کا عادی ہوں، مجھے صرف تمہارا ساتھ چاہیے تمہارا پیار چاہیے اور بس۔" محمد علی نے خلوص دل سے کہا وہ کتنا سچا اور بے کل تھا اسے پانے کے لئے زینب کو اس کے لہجے سے آنکھوں سے اس کا اندازہ ہو گیا تھا، اس کے لئے یہ احساس ہی بہت خوشگوار تھا کہ اتنا پیارا انسان اسے اتنی شدتوں کے ساتھ بے لوث چاہتا تھا، اسے اپنی زندگی کی ساتھی بنانا چاہتا تھا، وہ رب کے حضور دل ہی دل میں سجدہ ریز ہو گئی تھی کہ جس نے اس کی زندگی میں محمد علی کو بھیجا تھا۔

"تھینکس علی، مجھے بس یہی کہنا تھا باقی جو امی ابا کا فیصلہ ہو۔" زینب نے نظریں جھکا کر مسکرا کر رسان سے کہا۔

"ہاں جی، اب تم بتاؤ میرا ساتھ دو گی؟" محمد علی نے شوخ لہجے میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں۔" زینب نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تو وہ خوشی سے نہال ہوتے ہوئے پوچھ بیٹھا۔

"کب تک ساتھ دو گی میرا؟"

"جب تک ہے جان۔" زینب نے اس کے وجیہہ چہرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے شرمگیں لہجے میں کہا تو اسے تو جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی۔

"ریئلی۔" محمد علی کی خوشی اور دیوانگی دیدنی تھی، زینب نے شرما کر اسے دیکھا اور ہنستی ہوئی کچن سے باہر بھاگ گئی، وہ اس کی اس ادا پر خوشدلی ہنس پڑا اور تیزی سے خود بھی باہر نکلا تھا امی اور ابا سے شادی کی تاریخ بھی تو لینی تھی۔

☆☆☆

خس وخاشاک زمانے

مستنصر حسین تارڑ

تبصرہ: سیمی کرن

مستنصر حسین تارڑ ادبی دنیا کے جنات میں سے ایک ایسا قومی جن ہے جو بڑی طاقت و قوت سے ایک طلسماتی دنیا اک طلسم ہوشربا تخلیق کرتا ہے اور آپ کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے، ''خس وخاشاک زمانے'' ایک ایسا ہی ناول ہے جو آپ کو چناب کے پانیوں کے ساتھ خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا اک مدت آپ ان انوکھے کرداروں کے سحر سے خود کو آزاد نہیں کروا پائیں گے۔

''خس و خاشاک زمانے'' ان وقتوں ان زمانوں کی کہانیاں و حقائق و کردار جو آپ نے اپنی نانیوں دادیوں سے سنے ہوں گے مگر اتنے چمکتے دمکتے اور خوبصورت کردار جنہیں زمانے کی گرد چھو بھی نہیں سکی جو آپ کو آج بھی اپنے عشق میں گرفتار کرنے کی پوری قوت رکھتے ہیں۔

دریا شاید مستنصر حسین تارڑ کے ناولوں میں بڑا اساسی کردار ادا کرتے ہیں یہاں بھی چناب کے شفاف پانی آپ کو اپنی طرف بلائیں گے اس کے گھنے جنگل بیلے ان کے سایوں سے پڑتا سیاہ ہوتا پانی گہرے سمندروں جیسا، دریا جسے سوکھنے کا خوف لاحق نہ ہو اور ان پر اڑتے انوکھے ست رنگے پرندے اور مستنصر حسین تارڑ نے اپنے اس ناول کو منسوب بھی تو کمطار کے پرندوں اور نئے آدم کو کیا ہے۔

اک انوکھی اور نیاری دنیا، ''دنیا پور'' کی جہاں بخت جہاں سا اڑیل گھبرو جاٹ اور اس کی مسخ شدہ جثے مگر حسین صورت بٹی گراموفون پر ''بدریا برس گئی اس پار'' اور جب دل ہی ٹوٹ گیا سنتی نظر آتی ہے۔

اک انوکھا ناول اور بڑے انوکھے نیارے کردار، ہر کردار اپنی جگہ اک روشن ستارہ اک مقناطیس اپنی جانب کھینچتا اپنی وادیوں میں اپنی ذات کی پنہائیوں میں گم ہو جانے کی دعوت دیتا ہے۔

اک دنیا پور کی نور بیگم ہے روشن کو جنم دینے والی جنم دینے کا فخر حاصل کرنے والی، چوہدری محمد جہان نمبردار کی آخری بیٹی، امیر بخش کی بیوی، چیمی جاٹ ہونے کے باوجود اپنی ماں بہشت بی بی کی تمکنت و وقار اور اپنے باپ محمد جہان کی نرمی و حلاوت فطرت میں گھلی ہوئی وہ نور بیگم جس کے شوق نرالے تھے اور دنیا پور والے اس کے شریک، اسے تمسخر سے مرغیوں کی ماں کہتے اور اسے اس لقب سے کچھ ملال نہ ہوتا بلکہ فخر مند ہوتی کہ اگر ایک بلیوں کا باپ یعنی (ابو ہریرہ) ہو سکتا ہے تو وہ بھی مرغیوں کی ماں ہو سکتی تھی، نسبت کی بات ہے جس کو سمجھ آ جائے تو۔

یہ ان خس و خاشاک زمانوں کی داستان ہے جب پاکستان بننے میں قرنوں کا فاصلہ تھا، وہ زمانے جب کوئی بارات گاؤں میں اترتی تھی تو ''اس روز پوری برادری کی بھینسوں کا دودھ گھر میں نہیں جاتا تھا، چوپال یا دارے میں اترے ہوئے باراتیوں کی مدارت کو جاتا تھا کئی روز پیشتر دلہن والے برادری کے گھروں سے چارپائیاں اور بستر اکٹھے کرنے لگتے تھے تب ایک چوہدرانی کے لئے پر فخر لمحہ وہ ہوتا تھا جب وہ پچھلی کوٹھڑیوں میں سے نیچے اوپر رکھی نواری رنگیلے پایوں والی متعدد چارپائیاں اور تہہ شدہ درجنوں بستر درآمد کر کے دلہن کے گھر والوں کو پیش کر دیتی تھی اوہ وہ شکر گزار ہو کر کہتے ''چوہدرانی پورے گاؤں میں سب سے زیادہ اور نویں نکور بستر تمہارے گھر سے نکلے ہیں۔''

اور پھر داستان فسادات کے ان زمانوں تک سرک آتی ہے، جب روشن جنم لیتا ہے وہ روشن جس کے پیدا ہونے پر نور بیگم کے بقول ''وہ اپنے رب کی اتنی شکر گزار تھی کہ اسے روشن بخش جیسا بیٹا نصیب ہوا کہ اس نے اس چاچے کے گناہوں کو بھی درگزر کر دیا۔''

اور اسی نور بیگم کی بہن ''ایک تھی ماہلو'' وہ ماہلو جس کے قصے کہانیاں میں نے بچپن میں اپنی نانی سے سنے جو لوک قصوں کا حصہ بن گئی حسن فتنہ طراز کی مالک ماہلو بقول تارڑ۔

''یہی سونی جو ہمیشہ ماہلو کہلاتی تھی محمد جہان کے گھر پیدا ہوئی، جوں جوں وہ جوان ہوتی گئی ان کے حسن کی چکا چوند سے دنیا پور کے کچے بام و در روشن ہونے لگے۔''

اور جو ایک پتنگ کے ہلالے میں امام بخش جیسے گھبرو کا دل لے گئی وہ امام بخش جس کے ساتھ اس کا نکاح عرش پر طے تھا اور جس سے اس نے پہلی رات بڑے ناز سے فرمائشیں کی تھی۔

''مجھے چڑھتے مہینے کی پہلی جمعرات اپنے چاچے اور بے بے سے ملنے دنیا پور جانے دینا، میری اس گھوڑی کے پاؤں میں جو دنیا پور سے مجھے کوٹ مراد لے کر آئی جھانجویں ڈالو دینا اور تو کاشتکاری واہی بیجی ترک کر کے میرے سامنے بیٹھا رہا کر۔'' اور

''وہ اس نسل کی ماہلو تھی جو کبھی بھاگ والی نہیں ہوتی، مولوی حاکم دنیا پوری کے زمانوں کی دو سو برس پیشتر کی ماہلو تھی اور عہد حاضر کی 1929ء کی ماہلو محمد جہان نمبردار کی بڑی بیٹی گھوڑی پر سوار اپنے میکے جاتی تھی۔''

پھر بخت جہاں جیسا اکھڑ جاٹ ہے جس کا متکبر حسن و جاہت جانے کتنی عورتوں کو گھائل کر چکا اور کتنی اتھری گھوڑیوں کو رام کر چکا، ایک ایسا متضاد کردار جو ہر طرح کی برائی میں ملوث ہونے کے باوجود آپ کو مجبور کر دے گا کہ آپ اس کی محبت میں مبتلا ہو جائیں، وہ اکھڑ متکبر بخت جہاں جس کو دیکھ کر امرت کور اپنا دین دھرم سب بھلا بیٹھی اور کنیز فاطمہ بن کر اس کی زندگی میں چلی آئی، وہ بخت جہاں جو کہتا ہے۔

''نہیں لحاظ کیا تھا جیے، میں کوئی انکار کرتا ہوں تو خود چیمی ہے جانتی ہے کہ چیمہ جاٹ ذرا کھردرے اپنی خصلت اور تکبر سے مجبور ہوتے ہیں اگر میں نے لحاظ نہیں کیا تھا تو میں بھی مجبور تھا، میری گردن کوئی جماندرو ٹیڑھی تو نہ تھی۔''

پھر امیر بخش جیسا مضبوط ٹھنڈا ٹھار چناب کے پانیوں جیسا گہرا میٹھا کردار ہے ایسا کردار جس نے مجھے اپنی طرف اس شدت سے کھینچا کہ جب امیر بخش خود پنکھ پکھیرو بن کر دھند میں گم ہو گیا تو میرا دل چاہا کہ میں اسے کھوجنے نکل جاؤں، مجھے جانے کیوں لگا کہ وہ اب بھی کسی پرندے کا بدن اوڑھ کر چناب پر اڑتا ہو گا اسی چناب کے اوپر جس کے پانیوں میں تیرتا وہ محکم دین کو روٹی دینے جایا کرتا تھا وہ محکم دین کوٹ ستارہ کا محکم دین جو صرف اس روٹی کا نوالہ لیتا جس پر اس کی گھر والی کی انگلیوں کے نشان بنے ہوتے، امیر بخش جسے پنکھ پکھیروؤں اور جنگل بیلے میں رہنے والے جانوروں سے عجیب سا انس تھا، بقول مستنصر حسین تارڑ۔

"اس کی آئندہ زندگی بھی اسی خصلت کے تابع رہی بہت سے انسان اس کی جان کے آزار کو آئے اس کے ذوق کے درپے ہوئے اسے ایذا دینے اور حیات کو مشکل بنانے کے درپے رہے اس کی زندگی کی گاڑی میں سے سانپوں کی مانند گرتے رہے پر اس نے اپنی خصلت کے تابع انہیں بھی بخش دیا، ان پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔"

وہ امیر بخش جس کو دریا کے اوپر اک اور دھند کے دریا میں ان دیکھے پرندے نظر آتے تھے چناب کے پانیوں میں ان سنی ان دیکھی مچھلیاں، کچھوے، لدھر، سانپ اور مگر مچھ دیکھے جن کے منہ حیرت سے کھل گئے کہ ان کی آبی دنیا میں اک دس برس کا بچہ بے خطر تیرتا چلا جا رہا ہے۔

وہ امیر بخش جس پر اس کے چاچے خوشی محمد گوندل نے بوہلی کتے چھوڑ دیے، وہ لمحہ کہ "ان چند لمحوں میں اس پر سارے بھید آشکار ہو گئے، کائنات کے کل رموز، آسمانی صحیفے، قضا و قدر حیات بعد از موت، عالم ارواح، وہ ساری گتھیاں جو ویدوں اور حکیموں سے نہ سلجھ سکیں تھیں، کائنات کے کل رموز پر، آسمانی صحیفوں پر، قضا و قدر پر حیرت بعد از موت اور عالم ارواح پر صرف یہ تین کتے تھے جو راج کرتے تھے یہی آخری سچ تھے۔

اور ان کتوں نے جب اپنے نوکیلے دانتوں سے اس کی پنڈلیوں کو بھنبھوڑا اور پھاٹک تک پہنچتے پہنچتے اس کے کالے بالوں پر برف اتر آئی تھی اور یہ بھید جان لینے کی سزا تھی اور پھر امیر بخش اپنی اس عریاں خون آلود پنڈلی پہ کھدے "ٹکٹ" کے سہارے پیدل گجرات سے لاہور چلا گیا۔

لاہور میں اپنی دنیا بتانے کا عزم لئے اور وہ جو چناب کے پانیوں سے روز پوتر ہوتا تھا اس شہر میں اک مدت بھوکے پیٹ، بغیر چھت اور ان دھلا روز و شب کرتا رہا۔

یہیں اس کو عزیز جہاں جس کا اس نے بہنوئی بن جانا تھا اور سرو سانسی سے ملاقات ہوئی۔

سرو سانسی اک ایسا عجیب کردار کہ آپ مدتوں بھول نہ پائیں گے

دنیا پور کے بڑے جوہڑ کے پار قبرستان سے مخالف سمت پر جہاں کوئی اور نہ بستا وہاں ان سانپوں کی بستی تھی، وہ سانسی جو دین دھرم سے آزاد ہر حرام حلال کی پابندی سے آزاد کہ قدرت نے جتنے طیور اور چرند پرند پیدا کیے کھانے کے لئے کیے، کتے، بلے، کچھوے، سانپ، گلہریاں اور خاص طور پر نیولے مرغوب غذا، یہ کسی بھی طے شدہ مذہب کے پیروکار نہ تھے انسانی جبلت سے سراسر ماورا۔

مردار کھانے والے جانوروں کی طرح بے سبب پیدا ہونے اور مر جانے والے اور اسی قوم کا نمائندہ سرو سانسی۔

پہلی ملاقات میں امیر بخش اسی سرو سانسی کو "اپنے چوہدری، راجے کا کھٹیا" مردار خور کو اپنے دستر خوان پر بٹھا کر ہمیشہ کے لئے خرید لیتا ہے، مملکت پاکستان خس و خاشاک زمانے سرک کر آگے آتے ہیں اور اک نومولود ریاست جنم لے رہی ہے، امیر بخش عزیز جہاں اور سرو سانسی اپنے خاندانوں سمیت لاہور میں پیر جما چکے ہیں اور سوہن سنگھ بھی لاہور میں ان کے ساتھ ہے کون سوہن سنگھ، کوٹ ستارہ کا سوہن سنگھ، یہ وہ سکھ جاٹ ہیں جو دنیا پور اور کوٹ ستارہ میں قیام پاکستان میں مسلم جاٹوں کے ساتھ کس ہم آہنگی اور بھائی چارے سے رہتے تھے، یہ وہ سوہن بخش ہے جس کے ساتھ اس کے امیر بخش کے واہے

ایسے ہم آہنگ تھے جیسے جڑواں بھائیوں کے اور یہ وہ زمانے ہیں جب پوری ٹرینیں خون اور گوشت کے لوتھڑوں سے کٹی آتی تھیں اور ٹکٹ چیکر باتونی ٹکٹ چیکر سودائی ہوا پھرتا داستانیں سناتا کہتا تھا "کہانی مختصر"

اور کوٹ ستارہ میں بھی ان دنوں اک عجب بارات اتری تھی جسے گاؤں کے کسی باسی نے ریزہ ریزہ بدنوں آبروؤں کو دیکھ کر حواس باختہ تھے جنہوں نے مردہ بچوں کو برچھیوں میں پروئے دیکھا تھا وہ اب ان کے کسی بھی بچے کو پیدا ہوتے نہ دیکھ سکتے تھے۔

انہی فسادات کے زمانے میں سوہن سنگھ کے خاندان کو بچاتے امیر بخش اپنا بازو گنوا بیٹھا ہے اور خود بھی نیلی دھند میں گم ہو جاتا ہے۔

پھر اک انعام اللہ ہے جسے سرو سانسی نے مسجد کی سیڑھیوں سے اٹھا کر زندگی کا اک نیا در کھولا تھا۔

فسادات کے زمانوں میں یا پھر لاہور میں زندگی کا اک نیا آغاز یا پھر چناب کے پانیوں پر چھائی نیلی دھند، امیر بخش اور اس کا ست رنگا رانگلا پرندہ ناول پر راج کرتا نظر آئے گا آپ کو، وہ خوشی محمد جس کے کتوں نے اسے گیانی بنا دیا، قیام پاکستان کے وقت اسے والٹن کیمپ میں ملا تو امیر بخش کے کردار کے آگے سر جھک جائے گا آپ کا۔

یہ ناول آگے بڑھ کر مارشل لاء کے مکروہ دور میں داخل ہو جاتا ہے جہاں روشن اور انعام اللہ، کون انعام اللہ اس کا بڑا بیٹا، صرف اسی کا نہیں سرو سانسی، عزیز جہاں اور سوہن سنگھ کا بھی بیٹا تھا۔

مارشل لاء سے نفرت آپ کو مستنصر کی تحریر میں بہت واضح نظر آئے گی۔

انعام اللہ جو امیر بخش کا منہ بولا بیٹا اک ناولسٹ "ٹیکسی ڈرائیور از اے پرائیچوٹ اور "آٹو بائیوگرافی آف اے باسٹرڈ" جیسے ناول کا لکھاری، آپ کو اک اور امیر بخش نظر آئے گا، سرو سانسی کے بیٹے عجب رنگ دکھلاتے نظر آئیں گے، بخت جہاں کی بے شمار اولادوں میں سے ایک اکبر جہاں کینیڈا میں جہان آباد کا معمار، جی ہاں ناول آگے بڑھ کر امریکہ و کینیڈا کی ہوش ربا تیز رفتار زندگی میں داخل ہو گیا ہے جہاں، اوکے سانحہ نے عراق جنگ میں مر جانے والے بچے اور پرندے انعام اللہ سے ہر احساس کی نرمی چھین لیتے ہیں، انعام اللہ، بخت جہاں کا پوتا بخت جہاں اور شباہت سرو سانسی کی پوتی اک نئی ٹرائیکا بناتے نظر آئیں گے۔

سانسیوں کی قدیم دانش و وحشت و حسن آپ کو پاکستان کی فضاؤں سے انجانی شباہت میں نظر آئے گا، وہ شباہت جو کہتی ہے۔

"اس دھرتی پر جتنے بھی آدم کے مٹی کے بت ہیں ان کی مٹی کو پھر سے گوندھ کر اک نئے پاکستان کو ایک نئے آدم کو تخلیق کرنا ہے۔"

لوک داستانوں، چناب کے پانیوں میں بہتی زمینوں پر بستی زندگیوں، عطار کے پرندوں اور نئے آدم کی نوید دیتا یہ ناول آپ کے ذہن و دل پر اک گہرا عکس چھوڑے گا۔

حنا کا مطالعہ

افراح طارق

فرمان رسول ﷺ

سیدنا ابو امامہ (یعنی حارثی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص مسلمان کا حق مارے، قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جہنم کو واجب کر دیا اور اس پر جنت کو حرام کر دیا۔''

ایک شخص نے پوچھا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر وہ ذرا سی چیز ہو تو؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اگرچہ پیلو کی ایک ٹہنی ہی ہو۔'' (صحیح مسلم)

ثمرہ شیرازی، پتوکی

اے ابن آدم!

ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے، پر ہو گا وہی جو میری چاہت ہے، پس تو نے اپنے آپ کو سپرد کر دیا اس کے جو میری چاہت ہے تو میں بخش دوں گا تجھ کو وہ بھی جو تیری چاہت ہے، اگر تو نے نافرمانی کی اس کی جو میری چاہت ہے تو میں تجھ کو تھکا دوں گا، اس میں جو تیری چاہت ہے اور پھر ہو گا وہی جو میری چاہت ہے۔ (حدیث قدسی)

فوزیہ غزل، شیخوپورہ

حضرت عمرؓ کی جرأت و استقامت

اسلام کے آغاز میں جب مسلمان ضعف کی حالت میں تھے، حضرت عمرؓ جن کی بہادری اور شجاعت سے بچہ بچہ واقف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اسلام کی قوت کے واسطے ان کے مسلمان ہونے کی دعا کی، جو قبول ہوئی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ہم لوگ کعبے کے قریب اس وقت تک نماز نہیں پڑھ سکتے تھے جب تک کہ عمرؓ مسلمان نہیں ہوئے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اول اول ہر شخص نے چھپ کر ہجرت کی مگر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں ڈالی اور بہت سے تیر ساتھ لئے، اول مسجد میں گئے، طواف اطمینان سے کیا پھر نہایت اطمینان سے نماز پڑھی، اس کے بعد کفار کے مجمع میں گئے اور فرمایا۔

''جس کا یہ دل چاہے کہ اس کی ماں اس کو روئے، اس کی بیوی بیوہ ہو، اس کے بچے یتیم ہوں، وہ مکے سے باہر آ کر میرا مقابلہ کرے۔'' یہ بات الگ الگ جماعتوں کو سنا کر تشریف لے گئے، کسی ایک شخص کو بھی ہمت نہ پڑی کہ حضرت عمرؓ کا پیچھا کرتا۔ (اسد الغابہ)

حفصہ حماد، کراچی

جواہر پارے

☆ زندگی کے ارادے سے کم اور یقین سے زیادہ گزرے تو اپنی لگتی ہے ورنہ دوسرے ہی گزارتے ہیں اور انسان پٹڑی بنا ان کو گزرنے دیتا ہے، گزرتے دیکھتا رہتا ہے۔

☆ جو رشتہ ٹوٹ جائے وہ زندگی کی شاخ سے گرے پتے جیسا ہوتا ہے، نیچے گر گیا اور

سوکھ گیا پھر کم ہی ہرا ہوتا ہے۔

☆ اگر ہر آدمی دوسرے آدمی کے برابر ہوتا تو یہ دنیا انہیں اپنے میں سمو لینے کے لئے اتنی بڑی ثابت نہ ہوتی۔

☆ روح میں ایسے اسرار پوشیدہ ہیں، جنہیں کوئی مفروضہ کوئی قیاس آشکار نہیں کر سکتا۔

☆ ہر شخص اپنے اندر ایک بے باک رہبر رکھتا ہے اور وہ ہے اس کا ضمیر، نفس کے شور سے بچ کر ضمیر کی سرگوشی پر کان لگاؤ، حقیقت کا ادراک خود بخود ہو جائے گا۔

☆ خواہشات مہیب جنگل ہیں، جن میں بھٹکتے ہوئے عمر بیت جائے گی، مگر منزل کا رستہ نہیں ملے گا۔

☆ کوئی شخص تم سے اس وقت تک متاثر نہیں ہو سکتا جب تک تمہارے دلی جذبات تمہارے لہجے میں اثر نہ دکھائیں۔

☆ جو غم گزر چکا ہے اس پر رنجیدہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ہم ایک نئے غم کو دعوت دے رہے ہیں۔

مصباح فیصل، کوہاٹ

زن داری

نظام الملک طوسی سے کسی شہزادے نے پوچھا۔

''دانا بزرگ! تخت نشینی کی کم سے کم عمر کیا ہوتی ہے؟''

طوسی نے جواب دیا۔

''پندرہ سال۔''

شہزادے نے دوسرا سوال کیا۔

''اور شادی کے لئے کم سے کم عمر کیا ہونی چاہیے؟'' جواب ملا۔

''اٹھارہ سال۔''

شہزادے نے پوچھا۔

''یہ کیوں؟ جہاں داری جیسے مشکل کام کے لئے پندرہ سال اور شادی جیسے معمولی کام کے لئے اٹھارہ سال، آخر کیوں؟''

''شہزادے!'' طوسی نے جواب دیا۔

''کچھ دن صبر کر، جب تو تخت نشینی کے بعد رشتہ ازدواج میں جکڑا جائے گا تو تجھے خود ہی یہ نکتہ معلوم ہو جائے گا کہ جہاں داری سے زن داری کہیں مشکل کام ہے۔''

عائشہ شہباز، لاہور

اقوال حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ

☆ ترک گناہ توبہ کرنے سے آسان ہے۔

☆ جب دشمن پر غلبہ پاؤ تو اسے معاف کر دو۔

☆ موقع کو ہاتھ سے جانے دینا رنج و پچھتاوے کا باعث ہوتا ہے۔

☆ جو اپنے راز کو چھپائے رہے گا، اسے پورا قابو رہے گا۔

☆ جو برے فعل کو اچھا سمجھتا ہے اس فعل میں شریک ہے۔

☆ حکمت مومن ہی کی گمشدہ چیز ہے، اسے حاصل کرو، اگرچہ منافق سے لینا پڑے۔

☆ اللہ سے ڈرو، اس نے تمہارے گناہوں کو اس طرح چھپایا کہ گویا بخش دیا۔

☆ خدا کی اطاعت اپنی جان پر جبر کیے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

☆ خدا کے نزدیک بندے کی وہ غلطی جو اسے تکلیف دے اچھی ہے اس خوبی سے جو اسے مغرور بنا دے۔

صبا خورشید، جہلم

اقوال واصف علی واصف

☆ جو شے چلنے سے حاصل نہیں ہوتی، وہ ٹھہرنے سے حاصل ہو جاتی ہے، جو راز پیسے جمع کرنے میں نہ پایا جائے، وہ خرچ کرنے

میں ضرور پایا جائے گا، جسے سونے والا دریافت نہ کر سکے، اسے جاگنے والا ضرور دریافت کر لے گا۔

☆ دریا عبور کرنے کے لئے کشتی ضرور سبب ہے لیکن گرداب سے بچنے کے لئے دعا کا سفینہ چاہیے۔

☆ انسانی عقل و خرد کی تمام طاقتیں مکڑی کے کمزور جالے کے سامنے بے بس ہیں۔

☆ کبھی کبھی مظلوم کا آنسو ظالم کی تلوار سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔

☆ عاجزی اور کمینگی میں بڑا فرق ہے، کسر نفسی کو تحقیر ذات تک نہ پہنچاؤ۔

صائمہ مظہر، حیدر آباد

آج کی شب

سرد ہوا اور گھر آنگن میں ٹھہری شام
یاد آئے ہیں کتنے بھولے بسرے نام
آج کی شب تو اپنے کومل ہاتھ بڑھا
میری آنکھ سے گرتا اک اک سپنا تھام

ایمان علی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

سالگرہ مبارک

دعا ہے یہ ساعت
ہزار ہا سال آئے
خوشیوں کا نور
یونہی تیرا چہرہ منور رکھے
اور صدیوں تک
وقت کے تھال میں
تم عمر کے سنہری سکے پھینکو
اور جب تم کیک کاٹو
تو تمہاری آنکھوں کے لودیتے دیے
اس کے چہرے پر جگمگاہٹیں بکھیریں
اور وہ پیار کی بارش میں بھیگتی تمہارا ہاتھ تھام کر کہے
سالگرہ مبارک

شاہدہ اسد، گوجرانوالہ

زمین حجاز کی آگ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایک آگ حجاز کے ملک سے نکلے گی اور وہ بصرہ کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن کر دے گی (یعنی اس کی روشنی ایسی تیز ہوگی کہ عرب سے شام تک پہنچے گی، حجاز مکہ اور مدینہ کا اور بصرہ ایک شہر کا نام ہے) (صحیح مسلم)

زارا اسد، فیصل آباد

ایک ماں کی نصیحت

حضرت اسماء بنت خارجہ فرازی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی بیٹی سے نکاح کے وقت فرمایا۔

''بیٹی! تو ایک گھونسلے میں تھی اب یہاں سے نکل کر ایسی جگہ (یعنی شوہر کے گھر) جا رہی ہے، جسے تو خوب نہیں پہچانتی، ایک ایسے ساتھی (شوہر) کے پاس جا رہی ہے جس سے مانوس نہیں، اس کے لئے زمین بن جاؤ وہ تیرے لئے آسمان ہوگا اس کے لئے بچھونا بن جا، وہ تمہارے لئے باعث تقویت ستون ہوگا، اس کے لئے کنیز بن جا، وہ تیرا غلام ہوگا اس کے کسی معاملے میں چمٹ نہ جا کہ وہ تمہیں پرے ہٹا دے، اس سے دور نہ ہو ورنہ وہ تجھ کو بھلا دے گا، اگر وہ تجھ سے قریب ہو تو، تو اس سے مزید قریب ہو جا اور اگر وہ تجھ سے ہٹے تو، تو اس سے دور ہو جا، اس کے ناک، کان اور آنکھ (یعنی ہر طرح کے راز) کی حفاظت کر کہ وہ تجھ سے صرف تیری خوشبو سونگھے (یعنی راز کی حفاظت اور وفا داری پائے) وہ تجھ سے صرف اچھی بات ہی سنے اور صرف اچھا کام ہی دیکھے۔'' (اقتباس از مکاشفتہ القلوب)

حمیرا رضا، ساہیوال

روحانی اقوال

☆ صراط المستقیم پر چلنے کے لئے انسان کے لئے صرف سات الفاظ کا ورد ہی کافی ہے، ''اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔''

☆ خود آگہی کا بیج حیرت اور صدمات سے پھوٹتا ہے۔

☆ جس دل میں حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہر جائے اس میں غصہ، انتقام، حسد اور بدی کبھی نہیں ٹھہر سکتے۔

☆ بنیادی طور پر دنیا میں انسان کے دو کام ہیں زندگی گزارنا اور مر جانا درمیانی سارا عرصہ عبادت کے لئے ہے۔

☆ دوسروں کے بجائے اپنے کیے اور کہے سے ڈرو کیونکہ آخرت میں آپ کو اپنے ہی کیے اور کہے کا سامنا کرنا ہے۔

☆ گناہ کے گناہ ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے چھپ کر کرنا پڑتا ہے۔

رباب حیدر، سرگودھا

مذہب

☆ مذہب صرف لوگوں کی خدمت میں ہے تسبیح کے دانوں اور مصلے میں نہیں۔ (شیخ سعدی)

☆ مذہب خدا اور انسان سے محبت کے سوا کچھ نہیں۔ (ولیم پین)

☆ مذہب دل میں ہوتا ہے سجدوں میں نہیں۔ (ڈگلس جیرلڈ)

☆ لوگ مذہب کے باوجود اتنے ظالم ہیں اگر مذہب نہ ہوتا تو کیا کرتے۔ (بنجمن فرینکلن)

☆ ہر مذہب اتنا ہی سچا ہے جتنا کہ کوئی دوسرا مذہب۔ (رابرٹ برٹن)

☆ آدمی مذہب کے لئے لڑتا ہے، مذہب کے لئے لکھتا ہے، مذہب کے لئے مرتا ہے، غرض مذہب کے لئے سب کچھ کرتا ہے سوائے عمل کے۔ (چارلز کیلب کارٹن)

☆ مذہب پر عمل درآمد یا مذہب کے کسی پہلو کے نفاذ کے سلسلے میں حکومت کو اپنے اختیارات استعمال کرنے کا حق حاصل نہیں۔ (جیری)

☆ اسلام ایسا تا قیامت رہنے والا مذہب ہے جو انسانوں کے لئے برابر حقوق دیتا ہے ہر شخص کو اختیار حاصل ہے، کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں عبادت کرے اور اپنے اعمال کے لئے جدوجہد جاری رکھے اور آخرت پر کامل یقین رکھنے والے جنت کے حقدار ٹھہرائے جائیں گے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں زندگی گزارنے کا اجر و ثواب آخرت میں یقیناً ملے گا۔

ماروخ آصف، خانیوال

عقل اور علم

ہمیں ہر اس شے سے محبت کرنی چاہیے جو محبت کرنے کے لائق ہو اور اس چیز سے نفرت کرنی چاہیے، جو قابل نفرت ہو لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ہمارے پاس دونوں کا فرق کرنے کے لئے عقل کی دولت اور علم کا ہوش ہو۔

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

تیرا غم بھی نہیں

مجھے اپنا تو کیا آج تیرا غم بھی نہیں
وہ جن کو ہوش نہیں ہے انہیں خبر کر دو
یہ سانحہ جو نہیں ہے بہت کم بھی نہیں
کہ اپنی ذات میں مدت ہوئی ہے ہم بھی نہیں

☆☆☆

صائمہ محمود

نازیہ جمال: کی ڈائری سے ایک نظم
"کنج قفس میں پیار کی پہلی سالگرہ"
جاناں اک پل آنکھیں کھولو
آج کے دن تنہائی کیسی
دھوپ کی زردی گوشہ زنداں میں یوں اتری
جیسے ایک اداس مسافر
دشت میں تھک کر بیٹھ گیا ہو
آج ہوا کے ہاتھ میں سوکھے پتوں کا گلدستہ کیوں
ہے
آج فضا یخ بستہ کیوں ہے
طوق وسلاسل مہر بہ لب ہیں
سائے کے بوجھل قدموں کی ہر آہٹ اندیشوں
سے
سیل رواں میں بہتی جائے
پتھروں کی سہمی دھڑکن
زیرزباں کچھ کہتی جائے
روزن اب تک جاگ رہا ہے
جیسے تو آنے والی ہو
جیسے تیرے نرم لبوں کی ریشم کرنیں
اپنے دامن میں تیری آرزو سمیٹے
میری بند آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھیں اور پوچھیں
"بوجھو"
کس کی یاد کا لمس تمہارے گرم لبوں کو چوم رہا ہے
اک زمانہ گھوم رہا ہے
جاناں اک پل آنکھیں کھولو
دیکھو آج ہمارے پیار کی پہلی سالگرہ ہے
پہلا دن ہے

سمن رضا: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
"نامراد"۔
میری پسند جانتے ہو
اس لئے پروین شاکر کی غزل اور
انوپ جلوٹا کی کیسٹیں اٹھالاتے ہو
میری کمزوری سے واقف ہو
اسی لئے سرخ گلاب کی ادھ کھلی بے شمار کلیاں
میرے سرہانے چھوڑ جاتے ہو
میری وحشتوں کو سمجھتے ہو
اس لئے ڈوبتے سورج اور
اداس شاموں کو کینوس پر اتار لاتے ہو
میری تنہائیوں سے واقف ہو
اس لئے ہر سال چھبیس فروری کو
سورج کی پہلی کرن کے ساتھ
ہی برتھ ڈے کہنے پہنچ جاتے ہو
مگر تم یہ نہیں جانتے کہ
میری پسند، میری کمزوریوں، میری اداسیوں
اور تنہائیوں سے واقف ہونے کے باوجود بھی
میری سوچوں کا محور تم نہیں ہو

شاہین سلیم: کی ڈائری سے ایک نظم
مارچ اپریل کے دن بھی
کتنے عجیب ہوتے ہیں
جب جب پھول کھلتے ہیں
دل مرجھانے لگتے ہیں
کچھ بچھڑے لوگ یاد آنے لگتے ہیں
یوں تو بھری بہار میں ہر طرف خوشبو ہوتی ہے
دل کو نہ جانے کس کی جستجو ہوتی ہے

جب بھی یہ مہکی فضائیں آتی ہیں
گزرا وقت یاد دلاتی ہیں
یہ جو ہر طرف گل کھلے ہوتے ہیں
دل میں یادوں کے نشتر چبھوتے ہیں
کون کہتا ہے
کہ بہاریں خوشیاں لاتی ہیں
یہ تو اداسیوں سے دامن بھر جاتی ہیں

ایمن عزیز: کی ڈائری سے ایک غزل
عزت منافقت کہیں شہرت منافقت
حد یہ ہے کہ ہو گئی ہے محبت منافقت
اپنے کیے پہ آپ پشیمان نہ ہو کوئی
ہر آدمی کی بن گئی عادت منافقت
چہرے پہ مسکراہٹیں دل میں کدورتیں
کہنے کو یاریاں ہیں حقیقت منافقت
اپنے مفاد کے لئے جی بھر کے جھوٹ بول
ہے شہر میں خلوص کی شدت منافقت
رہ رہ کر اس کے دھیان کی پرچھائیاں کہیں
ہم پر تھی اس کی خاص عنایت منافقت
ذہنوں کے انقلاب سے ہو گئی حسن سحر
مٹ جائے گی شہوں کی سیاست منافقت

ثمرہ شیرازی: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
"تو پتہ چلے"
خدا کرے کہ
تیرے دل کے دریچوں میں بھی
اک یاد آس کا جلے
تو پتا چلے!
ہجر کی درد بھری راتوں میں
تیری بے چین بوجھل سی آنکھوں کو
جب کوئی سحر نہ ملے
تو پتہ چلے
ساون کی یخ بستہ پھواروں میں
دل میں اک تشنگی سی گھر کرلے
ہوا کے سرد سرد جھونکوں میں
جب تیرا دل جلے
تو پتہ چلے
خزاں کی زرد زرد شاموں میں
تیرے بھی من کو ملن کی آس رہے
اور تجھے کسی معجزے کی تلاش رہے
مگر تیری زیست کے سورج کا
لمحہ لمحہ
صدیوں کا روپ دھارے
کسی کے انتظار میں جب ڈھلے
تو پتہ چلے

حفصہ حماد: کی ڈائری سے علامہ اقبال کی نظم
"ایک شام دریائے نیکر (ہائیڈ برگ) کے
کنارے پر
خاموش ہے چاندنی قمر کی
شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی
وادی کے نوا فروش خاموش
کہسار کے سبز پوش خاموش
فطرت بے ہوش ہو گئی ہے
آغوش میں شب کے سو گئی ہے
کچھ ایسا سکوت کا فسوں ہے
نیکر کا خرام بھی سکوں ہے
تاروں کا خموش کارواں ہے
یہ قافلہ بے درا رواں ہے
خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا
قدرت ہے مراقبے میں گویا
اے دل تو بھی خاموش ہو جا
آغوش میں غم کو لے کے سو جا

مصباح فیصل: کی ڈائری سے ایک غزل
زندگی اک اذیت ہے مجھے
تجھ سے ملنے کی ضرورت ہے مجھے
دل میں ہر لحظ ہے صرف ایک خیال

تجھ سے کس درجہ محبت ہے مجھے
تری صورت تری زلفیں ملبوس
بس ان ہی چیزوں سے رغبت ہے مجھے
مجھ پہ اب فاش ہوا راز حیات
زیست اب سے تیری چاہت ہے مجھے
آہ میری ہے تبسم تیرا
اس لئے درد بھی راحت ہے مجھے
اب نہیں دل میں مرے شوق و صال
اب ہر اک شے سے فراغت ہے مجھے
اب نہ وہ خواہش تمنا باقی
اب نہ وہ عشق کی وحشت ہے مجھے
اب یونہی عمر گزر جائے گی
اب یہی بات غنیمت ہے مجھے

عائشہ شہباز: کی ڈائری سے ایک غزل

ہوا بھی تیز تھی اور پار بھی اترنا تھا
سفر بھی ٹوٹی ہوئی کشتیوں میں کرنا تھا
مقدر ایک ہی لمحے کی بادشاہی تھی
پھر اس کے بعد نہ جینا تھا نہ مرنا تھا
عجب عذاب تھی جذب و شعور کی ساعت
خطا بھی کرنی تھی انجام سے بھی ڈرنا تھا
تمام عمر کی تشنہ لبی نہ ڈھونڈ سکی
اسی جلے ہوئے صحرا میں ایک جھرنا تھا
ہزار سال میں عالم فراق میں ہوں
ٹھہر گیا ہے وہ لمحہ جسے گزرنا تھا
پسند مجھ کو نہ تھے ڈوبتے ہوئے تارے
میں سو گیا مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا
نگاہ نے وہی دیکھا جو دیکھنا چاہا
کمال دید تو آنکھوں پہ دھرنا تھا
وہی درخت ہیں شہزاد اور وہی منظر
بکھر گئی جو خوشبو اسے بکھرنا تھا

نسرین خورشید: کی ڈائری سے ایک نظم

''اس نے کہا تھا''

اس نے کہا تھا
تم وہ شجر ہو
جس کی شاخیں تپتی دھوپ میں شبنم شبنم
سایہ سایہ پھیل رہی ہیں
جیسے ذات کی پنہائی ہو
اس نے کہا تھا
تم وہ شجر ہو جس کے پتوں کی شادابی سوندھی خوشبو
موسم گل کا سرمایہ ہے
جیسے خواب کی رعنائی ہو
تم وہ شجر ہو جس کی جڑیں اتنی گہری ہیں
جیسے روح کی گہرائی ہو
اس نے کہا تھا
یہ تو گئے دن کی باتیں ہیں
پت جھڑ سے پہلے کی باتیں
اب تو زیست کی ایک سال ساعت
ایک اک لمحہ
دشت جنوں میں تنہائی کا بوجھ اٹھائے
آنے والے راہگیروں سے پوچھ رہا ہے
یہ موسم کب تک بدلے گا؟
کب تک یہ موسم بدلے گا؟

صائمہ مظہر: کی ڈائری سے ابن انشاء کی غزل

دل ہجر کے درد سے بوجھل ہے
اب آن ملو تو بہتر ہے
اس بات سے ہم کو کیا مطلب
یہ کیسے ہو یہ کیونکر ہو
اک بھیک کے دونوں کاسے ہیں
اک پیاس کے دونوں پیاسے ہیں
ہم کھیتی ہیں تم بادل ہو
ہم دریا ہیں تم ساگر ہو
ہم سانجھ سے کی چھایا ہیں
تم چڑھتی رات کے چندرما
ہم جاتے ہیں تم آتے ہو

پھر میل کی صورت کیوں کر ہو
اب حسن کا رتبہ عالی ہے
اب حسن سے صحرا خالی ہے
چل بستی میں بنجارہ بن چل
نگری میں سوداگر ہو
جس چیز سے تجھ کو نسبت ہے
جس چیز کی تجھ کو چاہت ہے
وہ سونا ہے وہ ہیرا ہے
وہ مائی ہو یا کنکر ہو
اب انشا جی کو بلانا کیا
اب پیار کے دیپ جلانا کیا
جب دھوپ اور چھایا ایک سے ہوں
جب دن رات برابر ہو
وہ راتیں چاند کے ساتھ گئیں
وہ باتیں چاند کے ساتھ گئیں
اس سکھ کے سپنے کیا دیکھیں
جب دکھ کا سورج سر پر ہو

ایمان علی: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

''میں نے چاہا تجھے''

گردش وقت کی دسترس سے جدا
حلقہ چشم ولب سے بھی کچھ ماورا
میں نے سوچا تجھے
روشنی کے سبھی دائرے توڑ کر
اپنے کنج قلم کی دھنک توڑ کر
میں نے لکھا تجھے
بھول کر اپنے نام ونسب کا شرف
حسن تقدیس و مذہب سے بھی اس طرف
میں نے پوجا تجھے
تجھ سے واقف نہ تھا جب ضمیر جہاں
ایسے لمحوں میں بھی، اے میرے گم نشاں
میں نے چاہا تجھے
اب مگر سوچتا ہوں یہ نوک سناں
صحن مقتل میں کیوں ہمرہ دشمناں
میں نے دیکھا تجھے

شاہدہ اسد: کی ڈائری سے ایک نظم

بہت سے خواب لے کر اس کے قریب جا کر
یہ ہم کہہ دیں
یہ سارے خواب تمہارے ہیں
وہ ہاتھوں کو بڑھائے تو
وہ سارے خواب شیشے کی طرح بکھیر آئیں
اس کی آنکھ کی نمی پر
ہم بھی گل کھلائیں
بہت سے ناموں میں سے
کچھ نام لے کر اس سے یہ کہہ دیں
ان ناموں میں بہت سے نام
تمہیں چاہت سے یاد رکھتے ہیں
تمہیں اپنا بتاتے ہیں
وہ مڑ کر جو دیکھے تو
بہت بوجھل سی تنہائی کا ہاتھ پکڑے
اس کے در پر چھوڑ آئیں
اور ہنس کے کہہ ڈالیں
تمہاری دوست تمہاری اک گہری سہیلی ہے
اسے اپنا بنا لو تم
وہ تڑپ کے ٹوٹ جائے تو
اس کے ریزوں کو ہواؤں میں
اچھالیں ہم
چلو آؤ کسی دن ہم محبت کو
مل کر ستاتے ہیں

صائمہ مشتاق: کی ڈائری سے ایک غزل

یہ جان کر بھی کہ دونوں کے راستے تھے الگ
عجیب حال تھا جب اس سے ہو رہے تھے الگ
یہ حرف و لفظ ہیں دنیا سے گفتگو کے لئے
کسی سے ہم سخنی کے مکالمے تھے الگ

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

پیشہ

جیب کترے نے اپنے ساتھی کے ہاتھ میں تسبیح دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"کیا اپنا پیشہ چھوڑ دیا؟"

جیب کترے نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں یار! ابھی ایک مولوی صاحب کی جیب صاف کی تھی وہاں سے یہ نکلی۔"

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

بہو

ایک عورت کی بہو کچھ بولتی نہ تھی۔

"بہو تو بولتی کیوں نہیں۔" ساس نے بہو کی خاموشی سے تنگ آ کر پوچھا۔

"میری ماں نے مجھے منع کیا تھا کہ ساس کے گھر بولنا مت۔" بہو نے جواب دیا۔

"تیری ماں بے وقوف ہے تو ضرور بولا کر۔" ساس نے کہا۔

"تو پھر میں کچھ بھی بولوں۔" بہو نے کچھ حوصلہ پا کر پوچھا۔

"ہاں بول میری بچی۔" ساس نے دلار سے کہا۔

"اچھا اماں تجھ سے ایک بات پوچھوں اگر تمہارا لڑکا مر جائے تو کیا تم میری شادی کر دو گی یا یونہی بٹھائے رکھو گی۔"

"بہو تو خاموش ہی رہا کر تیری ماں کا کہنا ٹھیک ہی ہے۔" ساس نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

سدرہ نعیم، شیخوپورہ

یقین دہانی

علی جب کبھی دوستوں کی محفل میں پہنچتا سب اسے دیکھ کر منہ پر رومال رکھ لیتے، کئی بار ایسا ہونے پر آخر علی نے ایک دوست سے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا۔

"تمہارے موزے بدبودار ہیں انہیں بدل کر نئے موزے پہننے شروع کر دو۔"

اگلے روز علی نئے موزے پہن کر گیا لیکن دوستوں نے حسب معمول ناک پر رومال رکھ لئے علی کو بہت غصہ آیا تقریر کے انداز میں بولا۔

"مجھے معلوم ہے تم لوگوں نے کیوں ناک پر رومال رکھ لئے ہیں مگر میں نے پرانے موزے اتار کر نئے پہن لئے ہیں اگر یقین نہ ہو تو دیکھو۔" اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالی اور بولا۔

"یہ دیکھو یہ ہیں وہ موزے خدارا اب تو رومال ہٹا دو۔"

زاہدہ اظہر، حافظ آباد

احساس

"کیا بات ہے مزمل اتنے پریشان کیوں نظر آ رہے ہو؟" عاطف نے پوچھا۔

"کیا بتاؤں یار! مجھ سے اتنی زبردست غلطی سرزد ہوئی ہے کہ اب میری زندگی کا بڑا حصہ جیتے جی جہنم کی نذر ہو جائے گا۔"

"آخر ہوا کیا؟"

"دراصل میں اپنی ساس کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، میں نے کہا، "آپ کا دوپٹہ پرانا ہو گیا ہے، میں آپ کو نیا دوپٹہ لا کر دوں گا۔" وہ خوش ہوئیں تو میں نے کہا۔

"آپ کا سوٹ بھی سلوا دوں گا۔" اور پھر میں نے انہیں مزید خوش کرنے کی کوشش کی۔

"آپ کے دستانوں پر بے شمار سلوٹیں پڑ چکی ہیں، میں آپ کو نئے دستانے بھی خرید دوں گا۔"

"لیکن یار! جب وہ غرائیں تو مجھے احساس ہوا کہ ان کے ہاتھوں میں دستانے تو تھے ہی نہیں۔"

فضہ بخاری، رحیم یار خان

علم کا رعب

علم کا رعب ٹھیک ہے لیکن
ڈگریوں کا بھی کچھ اثر ڈالو
کر لیا ہے جو تم نے ایم اے تو
ساتھ ہی میٹرک بھی کر ڈالو

حناز بیر احمد، بہاولپور

گول کیپر

فٹ بال ٹیم کے کھلاڑیوں کے انٹرویوز ہو رہے تھے، ایک کھلاڑی سے صحافی نے سوال کیا؟

"آپ کتنے عرصے سے فٹ بال کھیل رہے ہیں؟"

کھلاڑی۔

"جناب! گزشتہ پانچ برس سے۔"

صحافی۔

"اب تک آپ نے کتنے گول اسکور کیے ہیں؟"

کھلاڑی۔

"اب تک میں نے کوئی گول اسکور نہیں کیا بلکہ میں تو گول اسکور ہی نہیں کرتا۔"

صحافی۔

"پھر آپ کو ٹیم میں کیوں شامل کیا گیا ہے؟"

کھلاڑی۔

"اس لئے کہ میں گول کیپر ہوں۔"

اُم رباب، ساہیوال

عقلمند

کہتے ہیں آئرلینڈ کے لوگ بڑے بے وقوف ہوتے ہیں، لیکن میں ایسے عقلمند آئرش سے واقف ہوں جو اپنے ہنی مون پر تنہا گیا اور اس طرح سے اس نے اس رقم کو بچا لیا جو اسے بیوی کے ہنی مون پر خرچ کرنا پڑتی۔

نعیمہ بخاری، اٹک

سوالاً جواباً

☆ "سر! آپ چپاتی کے ساتھ کچھ اور بھی کھانا پسند کریں گے؟"

"ہاں، ایک پیپر ویٹ بھی لیتے آنا پچھلی دفعہ میں نے جو چپاتی منگوائی تھی، وہ پنکھے کی ہوا سے اڑ گئی تھی۔"

☆ "جناب! آپ کیوں اتنا شور مچا رہے ہیں؟ مجھے تو اس کافی میں کوئی خرابی نظر نہیں آ رہی؟"

"خرابی صرف یہ ہے کہ جسے آپ کافی کہہ رہے ہیں آپ کا ویٹر اسے سوپ کہہ کر میری میز پر رکھ گیا ہے۔"

☆ "آپ نے اپنے ہوٹل کے اشتہار میں یہ کیوں لکھا تھا کہ اب یہ نئی انتظامیہ کے تحت چلے گا؟ میں دیکھ رہا ہوں آپ کا منیجر تو وہی ہے جو پہلے تھا؟"

☆ "وہ تو ٹھیک ہے سر! لیکن کل منیجر صاحب کی

شادی ہو گئی ہے۔"

☆ "سر! میرا استرا کیسا تھا جس سے میں نے آپ کی شیو بنائی تھی؟"

"اچھا...... تو تم اس استرے سے میرا شیو بنا رہے تھے؟ میں تو سمجھا تھا کہ تم اس کام کے لئے ریگ مال استعمال کرتے رہے ہو۔"

ثمرین زاہرہ، خان پور

بیوی کی یاد

ٹرین میں سفر کرتے ہوئے ایک صاحب بڑی دیر سے اپنی چھینک کو روک رہے تھے، چھینک آتی تو وہ عجیب شکل بنا کر روک لیتے ایک ہم سفر سے ضبط نہ ہو سکا اور پوچھ بیٹھا۔

"آخر آپ چھینک کیوں روک رہے ہیں؟"

ان صاحب نے جواب دیا۔

"میری بیوی کا کہنا ہے کہ جب بھی چھینک آئے تو سمجھ لینا کہ میں نے آپ کو یاد کیا ہے اور آپ کو میرے پاس آنا چاہیے۔"

ہم سفر بولا۔

"آپ کی بیوی کہاں ہے؟"

ان صاحب نے جواب دیا۔

"قبر میں۔"

نمرہ سعید، اوکاڑہ

بے چارگی

ایک امریکی سے اس کے دوست نے کہا۔

"سنا ہے تمہاری بیوی نے گھر کی آرائش کا کورس مکمل کر لیا ہے؟"

امریکی آہ بھر کر بولا۔

"تم نے ٹھیک سنا ہے اور اب وہ مجھ سے چھٹکارا پانا چاہتی ہے، کیونکہ میں پردوں فرنیچر وغیرہ سے میچ نہیں کرتا۔"

طاہرہ رحمان، بہاولنگر

تصویر

مصور نے اپنے ایک عزیز دوست کی تصویر بنائی یہ سوچ کر کہ تصویر اس کے دوست کو پسند آ جائے، مصور نے کچھ زیادہ ہی محنت کی اس نے چہرے کے ہر نقش کو بہتر بنانے کی کوشش کی اور رنگوں کا انتخاب بڑے سلیقے سے کیا، تصویر میں جان ڈالنے کے لئے اس نے بڑی دیدہ ریزی سے کام کیا، خدا خدا کر کے جب تصویر تیار ہو گئی تو اپنے فن کا تنقیدی جائزہ لینے کے لئے وہ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"یار تم کتنے بدل گئے ہو۔"

عمرانہ علی، حاصل پور

طبی پیشہ

لڑکی کے باپ نے نوجوان کو گھورتے ہوئے کہا۔

"نکل جاؤ یہاں سے، مجھے تو آج معلوم ہوا ہے کہ تم گورکن ہو حالانکہ تم کہتے تھے کہ میں ڈاکٹر ہوں۔"

"جناب میں نے آج تک خود کو ڈاکٹر نہیں کہا بلکہ ہمیشہ یہ ہی کہتا رہا ہوں کہ میری روزی کا دارومدار طبی پیشے کی مہارت پر ہے۔"

عظمیٰ جبیں، لیہ

کیسی رہی

ایک محترمہ ایک نو عمر لڑکے کو سگریٹ پیتا دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں اور پوچھ بیٹھیں۔

"تمہارے والدین کو معلوم ہے کہ تم سگریٹ پیتے ہو؟"

"خاتون!" بچے نے فضا میں دھواں

چھوڑتے ہوئے کہا۔

''کیا تمہارے شوہر کو اس بات کا علم ہے کہ تم ایک غیر مرد سے بات کر رہی ہو۔''

وردہ منیر، لاہور

مفید مشورہ

کسی فرم کے ایک منیجر ریٹائر ہوئے تو ساتھیوں نے انہیں الوداعی پارٹی دی کھانے کے بعد ان کے جانشین نے تقریر کے دوران کہا۔

''آج ہم سے ایک ایسا شخص جدا ہو رہا ہے جو خوف اور بزدلی کے مفہوم سے نا آشنا ہے جسے ظلم اور زیادتی کے معانی نہیں آتے، جو شکست کے مفہوم سے بھی نا آشنا ہے۔''

''تحفے کے طور پر انہیں ڈکشنری دے دی جائے۔'' پیچھے بیٹھے ایک صاحب نے زیر لب کہا۔

رضا حیدر، جھنگ

مجبوری

''میرے امی ابو میرے لئے ایک چھوٹی سی بہن لائے ہیں۔'' بچے نے اپنی ٹیچر کو بتایا۔

''کیا وہ آپ کو اچھی لگتی ہے؟'' ٹیچر نے پوچھا۔

''ہاں! اچھی تو لگتی ہے لیکن وہ لڑکا ہوتی تو زیادہ مزہ آتا۔'' بچہ بولا۔

''تو آپ اپنے امی ابو سے کہئے کہ اسے بدل کر آپ کو بھائی لا دیں۔'' ٹیچر نے مسکرا کر کہا۔

''اب اسے بدلا نہیں جا سکتا۔'' بچے نے افسردگی سے کہا۔

''اب تو ہم چار دن اسے استعمال بھی کر چکے ہیں۔''

فائزہ عبدالمنان، کراچی

خوش اخلاقی

ہفتہ خوش اخلاقی کے دوران ایک کلرک کو میز پر سر رکھے سوتے دیکھ کر صاحب نے اسے آرام سے جگایا اور انتہائی نرمی سے کہا۔

''معاف کرنا بھائی! میں تمہیں ہرگز نہ جگاتا اگر معاملہ اتنا ضروری نہ ہوتا۔''

''بات دراصل یہ ہے کہ تمہیں نوکری سے نکالا جا چکا ہے۔''

عتیقہ منیر، سیالکوٹ

پاگل کون؟

پاگل خانے کا دورہ کرنے والے ایک وزیر نے وہاں کے انچارج سے پوچھا۔

''آپ یہ جاننے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ کوئی پاگل کس حد تک صحت یاب ہو گیا ہے کہ اسے پاگل خانے سے ڈسچارج کر دیا جائے؟''

انچارج نے بتایا کہ۔

''ہم بڑے سے حوض پر لگی ہوئی ٹونٹی کھول دیتے ہیں حوض میں پانی بھرنے لگتا ہے تو ہم چند منتخب ذہنی مریضوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ حوض کو خالی کر دیں وہ بالٹیاں بھر بھر کے پانی نکالنا شروع کر دیتے ہیں مگر حوض میں پانی بھرتا رہتا ہے جو مریض ذہنی طور پر صحت یاب ہو چکا ہوتا ہے وہ بالٹیوں سے پانی نکالنے کی بجائے ٹونٹی بند کر دیتا ہے۔''

''کمال ہے۔'' وزیر صاحب حیرت سے بولے۔

''یہ طریقہ تو میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔''

صائمہ سلیم، گجرات

☆☆☆

شگفتہ رحیم ---- فیصل آباد

تمہاری سالگرہ پر دعا ہے ہماری
کہ روز مبارک ہزار بار آئے
تمہاری ہنستی ہوئی زندگی کی راہوں میں
ہزار پھول لٹاتی ہوئی بہار آئے

....

سالگرہ کے اس حسین موقع پر
میری یادوں میں تو بھی شامل ہے
آنا کبھی اجنبی فضاؤں میں
تو میری زندگی کا حاصل ہے

....

خزاں کی رت ہے جنم دن ہے دھواں اور پھول
ہوا بکھیر گئی موم بتیاں اور پھول
وہ لوگ آج خود اک داستاں کا حصہ ہیں
جنہیں عزیز تھے قصے کہانیاں اور پھول

حمیرا رضا ---- ساہیوال

دن رات محبت کی تمناؤں میں رہنا
بھیگے ہوئے خوابوں کی گھنی چھاؤں میں رہنا
نازک سے میرے دل کے لئے دھوپ کی رت میں
مشکل ہے تیرے ہجر کے صحراؤں میں رہنا

....

آنکھ موندے اس گلابی دھوپ میں
دیر تک بیٹھے اسے سوچا کریں
دل محبت دین دنیا شاعری
ہر دریچے سے تجھے دیکھا کریں

....

یوں اکیلے میں اسے عہد وفا یاد آئے
جیسے بندے کو مصیبت میں خدا یاد آئے
جیسے بھٹکے ہوئے پنچھی کو نشیمن اپنا
جیسے اپنوں کے بچھڑنے پہ دعا یاد آئے

ماریہ عثمان ---- سرگودھا

میرے سپنے میں صحرا ہے سلگتا
مگر آنکھوں میں ساون کی جھڑی ہے
چلے آتے تمہارے پاس لیکن
جدائی راستہ روکے کھڑی ہے

....

کون سی بات خیالوں میں اتر آئی ہے
سرخ اتنے جو رخسار ہوئے جاتے ہیں

....

تو نے نفرت سے دیکھا تو مجھے یاد آیا
کیسے رشتے تیری خاطر یونہی توڑ آیا ہوں
کتنے دھندلے ہیں یہ چہرے جنہیں اپنایا ہے
کتنی اجلی تھیں وہ آنکھیں جنہیں میں چھوڑ آیا ہوں

ماروخ آصف ---- خانیوال

خوشبو کی طرح دل میں بسا کر اسے دیکھو
لوگوں کی نگاہوں سے چھپا کر اسے دیکھو
کہتے ہو کہ یاد اس کی وبال دل و جاں ہے
ایسا ہی ہے اگر تو بھلا کر اسے دیکھو

....

سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے
ورنہ اتنے تو مراسم تھے کہ آتے جاتے
شکوہ ظلمت شب سے کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

....

وہ ساتھ تھا تو منزل نظر نظر چراغ تھی
قدم قدم سفر میں اب کوئی لب پہ دعا نہیں
ہم اپنے اس مزاج میں کسی بھی در کے نہ ہو سکے
کسی سے ہم ملے نہیں کسی سے دل ملا نہیں
صائمہ ابراہیم ---- فیصل آباد
میرے چہرے پہ دکھاوے کا تبسم ہے مگر
میری آنکھوں میں اداسی کے دیے جلتے رہے

....

بے طلب اور بے ارادہ دے
دل کو ایک معتبر سا وعدہ دے
عشق میں وصل کی کہانی کو
تو بھی حرف سادہ دے

....

سفر میں عین ممکن ہے میں خود کو چھوڑ دوں لیکن
دعائیں کرنے والوں کا سہارا یاد رہتا ہے
میرے مولا نے مجھ کو چاہتوں کی سلطنت دے دی
مگر پہلی محبت کا خسارہ یاد رہتا ہے
وفا عبدالرحمان ---- روالپنڈی
اس کی محبتوں کا طریقہ کچھ اور ہے
کہتا وہ مجھ سے اور ہے کرتا کچھ اور ہے
جو اس پہ بیتتی ہے وہ معلوم ہے مجھے
جب اس سے پوچھتا ہوں بتاتا کچھ اور ہے

....

سنو کہ اب گلاب دیں گے گلاب لیں گے
محبتوں میں کوئی خسارہ نہیں چلے گا

....

تم خوش ہو کافی ہے ہمارے لئے
کچھ یاد دلا کر تمہیں رسوا نہ کریں گے
سدرہ نعیم ---- شیخوپورہ
دیے کی لو سے جو تحریر میں نے لکھی تھی
ہوا کے پاس وہ اب تک میری نشانی ہے
سمندروں کا سفر آج تو مزا دے گا
ہوا بھی تیز ہے کشتی بھی بادبانی ہے

....

کس قدر دکھ ہے زندگانی میں
جیسے گل کھل جائے زہر پانی میں
کتنی صدیوں کا درد شامل ہے
ایک انسان کی کہانی میں

....

سمیٹ لیتا ہر اک گل کی خوشبوئیں ناصر
بہار میں اگر اندیشہ خزاں ہوتا
زاہدہ اظہر ---- حافظ آباد
اداس آنکھیں اجاڑ رکھنا
میری وفا کا خیال رکھنا
میں لوٹ کر آؤں گا زخم کھانے
چند پتھر سنبھال رکھنا

....

اے کاروان لالہ و گل تم کو یاد ہو
ہم میر کارواں تھے ابھی کل کی بات ہے
جن دوستوں کی کمی آج ہے حیات میں
وہ اپنے درمیان تھے ابھی کل کی بات ہے

....

موسم عشق جو آیا تو قیامت لایا
پھر وہ موسم تو گیا اور قیامت نہ گئی
فضہ بخاری ---- رحیم یار خان
کاش تو بھی سنتا کبھی آہٹوں کی گونج
میری طرح سے تو بھی کبھی ڈھونڈتا مجھے

....

روٹھ جاتے ہو تو کچھ اور حسین لگتے ہو
ہم نے یہ سوچ کے ہی تم کو خفا رکھا ہے
سانس تک بھی نہیں لیتے تجھے سوچتے وقت
ہم نے اس کام کو بھی کل پر اٹھا رکھا ہے

....

اسی خیال سے تاروں کو رات بھر دیکھوں

کہ تجھے صبح قیامت سے پیشتر دیکھوں
جدا سہی میری منزل بچھڑ نہیں سکتا
میں کس طرح تجھے اوروں کا ہم سفر دیکھوں
ثمرہ شیرازی ---- چتوکی

طوفان میں گھر کا راستہ پوچھا نہیں گیا
ایک ہمسفر تھا ساتھ پھر دیکھا نہیں گیا
غم یہ نہیں کہ میرا مقدر نہ بن سکا
غم یہ ہے کہ مجھ سے تو وہ بھولا نہیں گیا

....

میں آئینوں سے سمجھتا ہوں پتھروں کا مزاج
میں شیشہ گر ہوں مجھے یہ ہنر بھی آتا ہے

....

اک اک کرکے ہوئے جاتے ہیں تارے دشمن
میری منزل کی طرف تیرے قدم آتے ہیں
حفصہ حماد ---- کراچی

تم ساتھ تھے تو ہم بھی تھے منزل سے آشنا
اب تم ہیں تو لگتے ہیں رستے عجیب سے

....

منزلیں ان کا مقدر کہ طلب ہو جن کو
بے طلب لوگ تو منزل سے گزر جاتے ہیں
جن کی آنکھوں میں ہوں آنسو انہیں زندہ سمجھو
پانی مرتا ہے تو دریا بھی اتر جاتے ہیں

....

ماحول کی تپش کا تقاضا ہے بس یہی
سائے کو دیکھ یوں نہ تناور شجر کو دیکھ
ہاں یہ ضروری شرط ہے منزل کے واسطے
راہ سفر نہ دیکھ شریک سفر کو دیکھ
مصباح فیصل ---- کوہاٹ

ہر اک پاؤں مجھے روندتا ہوا گزرا
نہ جانے کون سی منزل کا مسافر ہوں میں

....

عین منزل پہ ہوئی شام تو پھر کیا ہو گا
جستجو یوں ہوئی ناکام تو پھر کیا ہو گا
شمع امید جلائی تو ہے ڈرتے ڈرتے
بجھ گئی یہ بھی سر شام تو پھر کیا ہو گا

....

تلقین اعتماد وہ فرما رہے ہیں آج
راہ طلب میں جو کبھی معتبر نہ تھے
نیرنگئی سیاست دوراں تو دیکھیے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے
عائشہ شہباز ---- لاہور

دو قدم کا فاصلہ تھا دو دلوں کے درمیاں
ایک منزل تھی ہماری جس کو سر اس نے کیا

....

اب بھی اوجھل ہے نگاہوں سے نشان منزل
ایک منزل تھی ہماری جس کو سر اس نے کیا

....

ہمارے شہر کے لوگوں کا اب احوال اتنا ہے
کبھی اخبار پڑھ لینا کبھی اخبار ہو جانا
نسرین خورشید ---- جہلم

پھول سا جسم لئے شہر تمازت میں نہ جا
لوگ کہتے ہیں وہاں سنگ بھی پگھل جاتے ہیں

....

ہم شہر بے وفا میں وفا ڈھونڈتے رہے
حیرت میں اک جہاں ہے کہ کیا ڈھونڈتے رہے
لمحوں میں کر گیا تھا جو برباد بستیاں
ہم مدتوں وہ دست قضا ڈھونڈتے رہے

....

ایک پتھر ادھر آیا ہے تو اس سوچ میں ہوں
میری اس شہر میں کس کس سے شناسائی ہے
صائمہ مظہر ---- حیدرآباد

خالی ہے دل فقیر کے کشکول کی طرح
اس شہر بے وفا سے وفا کون لے گیا

....

روٹھا تو شہر خواب کو غارت بھی کر گیا
پھر مسکرا کے تازہ شرارت بھی کر گیا
محسن یہ دل کہ جس سے بچھڑتا نہ تھا کبھی
آج اس کو بھولنے کی جسارت بھی کر گیا

....

آنکھ سمندر نہ لب صحرا چہرے پر ہو کا عالم
راز چھپانے کی کوشش میں تم چرچا کر بیٹھے ہو
ایمان علی ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

دل نے کہا نہ دیکھ سوئے آسماں کو یوں
بڑھتا ہے نارسائی دست دعا کا دکھ
محسن خزاں کا نام بدل کر لکھو اسے
نایابی نقوش خرام صبا کا دکھ

....

ایک تم ہی نہ مل سکے ورنہ
ملنے والے بچھڑ بچھڑ کر ملے

....

ایک فرصت گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے
بھولے سے مسکرا تو دیے تھے وہ آج فیض
مت پوچھ ولولے دل ناکردہ کار کے
شاہدہ اسد ---- گوجرانوالہ

آواز دے کر دیکھ لو شاید وہ مل ہی جائے
ورنہ یہ زندگی کا سفر رائیگاں تو ہے

....

شدت غم میں ہنسی لب پہ سجا کر دیکھو
اک دیا تیز ہوا میں بھی جلا کر دیکھو
تم ابھی کرب کے احساس سے ناواقف ہو
اپنی پلکوں پہ میرے خواب سجا کر دیکھو

....

جب بچھڑنا تو ہنستے ہوئے جانا ورنہ
ہر کوئی روٹھ کے جانے کا سبب پوچھے گا
صائمہ مشتاق ---- جڑانوالہ

جو پایا ہے وہ تیرا ہے
جو کھویا ہے وہ بھی تیرا ہے

....

اے رگ جاں کے مکیں تو بھی کبھی غور سے سن
دل کی دھڑکن تیرے قدموں کی صدا لگتی ہے
گو دکھی دل کو بہت ہم نے بچایا پھر بھی
جس جگہ زخم ہو وہاں چوٹ سدا لگتی ہے

....

تمہارے بعد کسی کو تو آنا ہی تھا
میں خدا تو نہیں جو اکیلا رہ سکوں
حنا زبیر احمد ---- بہاولپور

محبت کرنے والے دل سدا ناشاد رہتے ہیں
محبت اک پرانی بددعا معلوم ہوتی ہے

....

دیکھ لے تیری محبت نے ہمیں بخشا ہے کیا
درد کا تازہ سفر خالی زمینوں کی طرح
بے گھری کا اک نوشتہ اس کی پیشانی جنید
اور ہم بھی در بدر خالی ذہنوں کی طرح

....

لبوں پر وہ جو تبسم سجائے پھرتا ہے
بے چارہ رات کی نیندیں چرائے پھرتا ہے
بجھا بجھا سا وہ بے کیف سا چہرا
نہ جانے کتنے غموں کو چھپائے پھرتا ہے
اُم رباب ---- ساہیوال

نازکی ان کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

....

اس کے بنا بھی زندگی کٹ ہی جائے گی دانش
حسرت زندگی تھا وہ شرط زندگی تو نہیں

☆☆☆

س: کس کا ہے یہ تم کو انتظار میں ہوں ناں؟
ج: کیا ہو تم؟
س: وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ اور وجود مرد سے؟
ج: تصور کائنات۔
س: آپ میرے سوال دیکھ کر گواچی گاں جیسا منہ کیوں بنا لیتے ہیں؟
ج: آپ میرے جواب پڑھ کر کھسیانی بلی جو بن جاتی ہو۔

خالق رضا کنول ---- بھکر
س: 4 کو رات بارہ بجے ان کے مکان کی چھت پر میں نے کیا محسوس کیا؟
ج: جیسے کوئی آ رہا ہو۔
س: کنوارے اور شادی شدہ انسان میں فرق بتائیں؟
ج: کنوارہ بے خوف اور شادی شدہ ہمیشہ خوفزدہ نظر آئے گا۔
س: ہے تو وہ بھی بڑی تین مگر میں اکثر کامیاب ہو جاتا ہوں؟
ج: اس کی مار سے بچ جانے میں۔
س: میں تمہاری ہر جائز ناجائز خوشی پوری کروں گی یہ الفاظ لڑکی کب کہتی ہے؟
ج: جوتا ہاتھ میں لینے تک۔
س: کوئی شکوہ اگر ہو کوئی شکایت اگر ہو تو ہم سے گلہ کرو پر تم ملا کرو؟
ج: اگر یہی حال رہا تو کسی دن اچھی شاعری کرنے لگو گے۔
س: اگر کسی کمسن لڑکی سے اظہار محبت کیا جائے تو کیسے؟
ج: کیا کوئی آنکھ پھوڑے سے بچ گئی ہے جو ماریہ کا خیال باقی ہے۔

سپاس گل ---- رحیم یار خان
س: اف گرمیوں میں اتنی گرمی کیوں لگتی ہے؟
ج: کیونکہ سردیوں میں سردی لگتی تھی۔

کاشف نصیر گومل ---- لیہ
س: ہم مسلمان کیسے متحد ہو سکتے ہیں؟
ج: بڑا مشکل کام ہے کر کے دیکھ لو۔
س: کیا واقعی لمبے ناخن خوبصورت لگتے ہیں؟
ج: یہ نہیں لکھا کہ کس کے لمبے ناخن۔
س: یہ دنیا ہے یہاں دل کا لگانا کسی کو آتا ہے بتائیں تو؟
ج: واقعی مجھے نہیں پتہ اخبار میں اشتہار دے دیں شاید کوئی بتا دے۔
س: جب دل ہی ٹوٹ گیا؟
ج: سہگل مرحوم نے کہا تھا اب جی کے کیا کریں۔

ماہا سہیل ---- خیر پور ٹامیوالی
س: عینی جی اداس لمحوں میں چاندنی راتیں دل پر گہرا نقش کیوں چھوڑ جاتی ہیں؟
ج: گرمیوں کی دوپہر میں باہر نکلا کرو۔ اداسی نزدیک ہی نہیں آئے گی۔
س: عینی جی یہ تو بتائیے کہ خوشی کا رنگ کیسا ہوتا ہے؟
ج: شفق کی لالی چہرے پر دوڑ جاتی ہے۔
س: دعا کیجئے دل کی بستی میں جو ہلچل مچی ہے وہاں پر ٹھہراؤ آ جائے؟
ج: دل تو سمندر سے بھی گہرا ہوتا ہے جس کی تہہ میں ہمیشہ طوفان ہلچل مچاتے رہتے ہیں۔

محمد بلال فیاض ---- ملتان
س: صرف ایک بات پوچھنی ہے اگر میری محبت پر کوئی قبضہ کرے تو میں کیا کروں؟
ج: قبضہ "خالی" کرائیں۔

رابعہ اسلم رابی ---- رحیم یار خاں
س: عین غین بڑے بے شرم ہو سدھر جاؤ ورنہ تمہارے لیے رحیم یار خاں دور ہو گا میرے لیے لاہور دور نہیں ہے "سمجھ گئے؟"
ج: سمجھ گیا ویسے ہنوز "لاہور" دور است۔
س: میں بڑی اتھری لڑکی ہوں مجھ سے ٹکر مہنگی پڑے گی ذرا ہٹ کے رہنا؟
ج: میں تو ہٹ کر ہی ہوں یہ تو تم ہی۔۔۔؟
س: ارے ٹونی تو میں نے تمہارا نام رکھا تھا اتنے لاڈ سے کہا تھا ٹونی پر لگتا ہے عزت راس نہیں ہے؟
ج: یہ لاڈ سے تم کو ایسے ہی نام سوجھتے ہیں؟
س: آئندہ بکرا عید پر قربانی کے لیے جانور کے بجائے ایک خوبصورت لڑکے کی قربانی دی جائے کیا خیال ہے خوبصورت عین غین؟
ج: بڑا ڈراؤنا خیال ہے تمہارا کہیں تم۔۔۔؟

سمیرا انور ---- رحیم یار خاں
س: عابد آئی لو یو عابد میں تمہارے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتی۔ عابد اٹھتے بیٹھتے تم میرے دیدوں کے سامنے چوکڑی لگا کر بیٹھے رہتے ہو پلیز عابد بتاؤ میں کیا کروں؟
ج: یہ عابد سے پوچھو۔
س: عین غین تم اپنا نام بدل کر عابد رکھ لو تو پھر آئندہ میں تمہیں عابد کہوں گی ٹھیک ہے؟

عینا سحر ---- جہلم
س: سنا ہے آپ بات کرتے ہیں تو رس گلے جھڑتے ہیں؟
ج: آپ آ کر کھالیں۔

نوید قدیر ندا ---- اسلام آباد
س: نئے آنے والے قارئین کو آپ کیسے خوش آمدید کہتے ہیں؟
ج: خوش آمدید کہہ کر۔
س: کسی کی یاد آنے کے فوراً بعد اگر وہ خود ہی سامنے آ جائے تو کیا سمجھنا چاہیے؟
ج: یہ تو آپ پر منحصر ہے کہ اس کو کیا سمجھتی ہیں۔
س: یاد کا سفر، بس کا سفر، تنہائیوں کا سفر، وحشتوں کا سفر، زندگی میں سفر کے علاوہ کچھ اور بھی ہے کہ نہیں؟
ج: صرف انگریزی کا سفر۔
س: جسے دیکھنے کو دل نہ چاہے وہی بار بار نظروں کے سامنے آئے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: آنکھ بند کر لیں۔
س: زندگی میٹھی ہے کھٹی ہے یا کڑوی ہے
ج: کچھ کھٹی ہے کچھ میٹھی۔
س: عین غین صاحب آپ کے اس خوبصورت نام سے متاثر ہو کر میرا جی چاہتا ہے کہ اپنا نام نون قاف رکھ لوں کیا خیال ہے؟
ج: ساتھ ندا کی بجائے بھی ن لکھ لینا آسانی ہو گی۔
س: آپ زیادہ سے زیادہ میرے کتنے سوالوں کے جواب دینے کی سکت رکھتے ہیں؟
ج: آپ زیادہ سے زیادہ کتنے سوال کرنے کی سکت رکھتی ہیں؟

واجد نگینوی ---- کراچی
س: اگر کوئی راہ چلتے مسکرائے؟
ج: پہلے غور کر لیں کہ کہیں آپ کی حالت پر تو نہیں مسکرا رہا۔
س: سب سے اچھا شوق کون سا ہے؟
ج: دوسروں کو ہنسانا۔

حنا کا دستر خوان

تحریم محمود

باربی کیو چکن

اشیاء

مرغی کے سینے	چار عدد (آدھے آدھے)
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
لیمن جوس	تہائی کپ
لہسن	ایک جوا (کش شدہ ادرک)
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
تازہ لال یا ہری مرچ	ایک یا دو عدد
نمک وسیاہ مرچ	حسب ضرورت
ہری پیاز (باریک کٹی ہوئی)	دو عدد

ترکیب

لکڑی کے ہتھوڑے کے ساتھ مرغی کے سینوں کو کوٹ کر ہموار کرلیں، میرینیٹ کے تمام اجزا ایک پیالے میں ملا کر گوشت میں ڈالیں اور ڈھانپ کر فریج میں رکھ دیں، (رات بھر یا چند گھنٹے) خاص قسم کا باربی کیو پین اگر ہے تو درست ورنہ عام پین میں ہلکا سا چکنائی لگا کر گوشت کو پلیٹ سے نکال کر رکھیں یا کوئلوں پر جالی رکھ کر باربی کیو کرلیں یا پھر Grill کرلیں، دونوں جانب سے ہلکا کر سرخ اور نرم کرلیں، ہرا دھنیا چھڑک کر لیموں کی قاشوں کے ساتھ پیش کریں۔

ہاٹ چکن جنجر ود سپر رائس

اشیاء

چکن (بون لیس)	ڈیڑھ کپ
سویا ساس	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ	چوتھائی چائے کا چمچہ
ادرک	دو چائے کے چمچے
ٹماٹو پیسٹ	ڈیڑھ کپ
ٹماٹو کیچپ	دو کھانے کے چمچے
تیل	تہائی کپ
کلونجی	چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
یخنی	ایک کپ

ترکیب

تیل گرم کرلیں، اس میں چکن اور ادرک ڈال کر ہلکا سا فرائی کرلیں، دو منٹ بعد اس میں ٹماٹر پیسٹ اور کلونجی ڈالیں، تین چار منٹ پکائیں، پھر نمک، کالی مرچ، لال مرچ، سویا ساس اور ٹماٹو کیچپ ڈال دیں اور تھوڑی دیر بھونیں پھر ایک کپ مرغی کی یخنی یعنی چکن اسٹاک ڈال کر پکائیں، جب تیل اوپر آجائے تو اتارلیں اور سپر رائس کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

سپر رائس

اشیاء

چاول	دو کپ
سویا ساس	ایک چائے کا چمچہ
چلی سوس	چوتھائی چائے کا چمچہ
تیل	ایک کپ
لہسن پیسٹ	آدھا چائے کا چمچہ
ٹماٹو کیچپ	آدھا کپ
چینی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
سرکہ	ایک چائے کا چمچہ
گاجر	دو عدد
ہری پیاز	چوتھائی کپ
ہری مرچ (لمبائی میں کاٹ لیں)	تین عدد

ترکیب

چاولوں کو نمک اور سرکہ ڈال کر ابال لیں، ایک پین میں تیل ڈالیں گرم ہو تو لہسن پیسٹ ڈالیں، ہلکا بھون کر سویا ساس، چلی سوس، کیچپ، نمک، چینی ملا کر تھوڑا بھونیں، ساتھ ہی سبزیاں ملا کر ہلکا فرائی کریں پھر چاول ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور ہاٹ چکن جنجر کے ساتھ سرو کریں، دعوت کے لئے بہترین ڈش ہے۔

کنٹیکی فرائیڈ چکن

اشیاء

چکن (بریسٹ پیسز)	چار عدد
زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
کالی مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
تیل	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

کڑاہی میں تیل گرم کریں اور زیرہ ڈال دیں پھر چکن کے پیسز ڈال کر دو سے تین منٹ چمچہ چلائیں اس کے بعد لہسن، ادرک پیسٹ، نمک اور کالی مرچ پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح فرائی کرلیں، ٹرے میں نکال کر دو سے تین گھنٹے فریزر میں رکھ دیں۔

کوٹنگ کے لئے

اشیاء

میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
انڈا	ایک عدد
دودھ	1/3 کپ
دہی	1/3 کپ
نمک	حسب ضرورت
بیکنگ پاؤڈر	چٹکی بھر
تیل (تلنے کے لئے)	حسب ضرورت

ترکیب

ایک پیالے میں میدہ، کارن فلور، انڈا، دودھ، دہی، نمک اور بیکنگ پاؤڈر اچھی طرح مکس کرلیں، فریزر سے چکن نکال لیں، کڑاہی میں تیل گرم کریں، چکن کے پیسز آمیزہ سے اچھی طرح کوٹ کرلیں اور باری باری کڑاہی میں ڈال کر گولڈن براؤن ہونے تک تل لیں، فرنچ فرائیز اور کیچپ کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

ینگ چاؤ چکن

اشیاء

مرغی	آدھا کلو
پیاز	دو عدد
لال مرچ	دو عدد کشمیری
نمک	حسب ذائقہ
دگنی مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچہ
اجینوموتو	آدھا چائے کا چمچہ
آسٹر سوس	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک چائے کا چمچہ
چلی گارلک سوس	دو کھانے کے چمچے
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
تیل	چوتھائی کپ

ترکیب

ایک سوس پین میں تیل گرم کریں، کشمیری لال مرچ اور پیاز کے چوکور ٹکڑے کاٹ کر تیل میں ڈالیں اور مرغی بھی ساتھ ڈال کر ہلکا سا بھون لیں، تقریباً دو منٹ تک پکانے کے بعد تمام اجزا شامل کرلیں اور سب سے آخر میں کارن فلور پانی میں گھول کر ملا دیں، ابلے ہوئے چالوں کے ساتھ پیش کریں۔

چکن موز

اشیاء

چکن	ایک پاؤ
پارسلے (کٹے ہوئے)	ایک کھانے کا چمچہ
مرغی کی یخنی	ڈیڑھ کپ (گرم)
سفید مرچ (پاؤڈر)	چوتھائی چائے کا چمچہ
جیلاٹن	ایک کھانے کا چمچہ
کشمش	چوتھائی کپ
مایونیز	ایک کپ
مسٹرڈ (پاؤڈر)	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

ابلا ہوا چکن، قیمہ، کشمش، پارسلے، مایونیز، مسٹرڈ پاؤڈر، نمک و سیاہ مرچ ملائیں، جیلاٹن کو گرم یخنی میں گھول لیں، (پہلے آدھا کپ ٹھنڈی یخنی میں گھول کر پھر ایک کپ گرم یخنی میں ملا لیں) اس یخنی کو مرغی اور مایونیز والے مرکب میں ملا دیں، چکنائی لگی ٹیوب کیک کے سانچے میں ڈال کر فریج میں رکھ دیں (چار گھنٹے) ایک بڑی ڈش میں سانچے کو پلٹ لیں اور اطراف میں سلاد کے پتے سجا دیں اور ٹماٹر کے پھول بنا کر اوپر رکھ دیں۔

مرغ مسلم چائینز

اشیاء

مرغی ثابت	ایک کلو
سویا ساس	دو بڑے چمچے
گاڑھی یخنی	دو بڑے چمچے
پیاز	ایک عدد بڑا
سرکہ	دو چھوٹے چمچے
لہسن	آدھا چھوٹا چمچہ
چلی آئل	ایک چھوٹا چمچہ
کالی مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
آئل	فرائی کرنے کے لئے

ترکیب

صاف شدہ چکن کو لمبے کٹ لگا کر سویا ساس اور سرکہ لگائیں اور پڑا رہنے دیں کہ وہ اس میں جذب ہو جائے کڑاہی میں آئل گرم کریں چکن اس میں ڈال دیں اور اتنا فرائی کریں کہ رنگت بادامی ہو جائے اسے کسی ڈش میں نکال لیں، اب فرائی پین میں ایک چمچہ گھی ڈال کر پیاز اور لہسن کو بادامی کرلیں پھر یخنی، کالی مرچ، نمک، چلی آئل ڈال دیں، پکنے دیں اور ذرا گاڑھا ہونے پر اتار کر فرائیڈ چکن پر ڈال کر پیش کریں۔

عبداللہ

شاہانہ ادائیں ساحرانہ حسن

بچن خاندان کی بہو اور سابق حسینہ عالم اداکارہ ایشوریہ رائے کو فلمی دنیا کی باوقار ترین فنکارہ کا خطاب ملا ہے جو اپنی شاہانہ ادائیں اور ساحرانہ حسن کے باعث نہ صرف بھارت بلکہ پوری دنیا میں پسند کی جاتی ہیں، ایک عالمی سروے کے مطابق ایشوریہ رائے کو آج بھی لوگ بالی ووڈ کی ملکہ کہتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسے مثالی ماں کا خطاب بھی دیا ہے، جس نے اپنی بیٹی کی پرورش کے لئے اپنی ساری سرگرمیاں معطل کر دی ہیں اور کسی تقریب میں وہ دیکھائی بھی دیتی ہیں تو بیٹی کو گود میں لئے ہوئے۔

اس سروے کے مطابق ایشوریہ رائے نے

تیس فیصد جبکہ سوناکشی کو چوبیس فیصد ووٹ ملے۔

کون بنے گی ہماری بھابھی؟

بالی ووڈ کے موسٹ فیورٹ، کنوارے کہلائے جانے والے سلمان خان کو اپنی شادی کی فکر ہو نہ ہو، ان کے چاہنے والوں کو ضرور ہے، اسی لئے سلمان کی ہر ہیروئین کو وہ اسی امید کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ شاید اسے ہی سلو بھیا اپنی دلہنیا بنالیں، لیکن ابھی تک اس سلسلے ناامیدی ہی دیکھائی دی اور کروڑوں روپے کا یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ ''کون بنے سلمان کی دلہن'' پرستاروں کے شوق کو دیکھتے ہوئے ایک ویب سائٹ نے ایک سروے کیا، جس میں پوچھا گیا کہ سلمان خان کے لئے کون سی ہیروئین آئیڈیل جیون ساتھی ہو سکتی ہے تو قرعہ فال نکلا کترینہ کیف کے نام، جنہیں لوگ سلمان کے ساتھ سب سے زیادہ دیکھنا چاہتے ہیں، سب کی ایک ہی رائے ہے کہ کترینہ کیف ہی سلمان کی حقیقی زندگی کی بہترین ساتھی ثابت ہوگی۔

پردیسی پردیسی جانا نہیں

علی ظفر کی مصروفیات بولی ووڈ میں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ اپنے وطن آنے کے لئے وقت نکالنا پڑتا ہے جو بمشکل ہی نکلتا ہے، لیکن وہ تو بھلا ہو لائن آف کنٹرول پر چھیڑ چھاڑ اور اس کے نتیجے میں انڈین میڈیا کی یکطرفہ بوچھاڑ کا کہ

علی ظفر کو دامن چھاڑ کر واپس لاہور لوٹنا پڑا اور یہ ایسے وقت میں ہوا جب پونا میں ظفر کا ایک شو پلان کیا جا چکا تھا جو کہ علی ظفر کی واپسی کی وجہ سے کینسل کیا گیا، لولی ووڈ میں چونکہ آٹے میں نمک کے برابر ہی سہی علی ظفر کی ڈیمانڈ ہے اس لئے وہ نہیں چاہتا کہ بھارتی میڈیا کی طرح پاکستانی میڈیا بھی سخت رویہ اپنائے اور اسے دوبارہ بھارت جانا مشکل ہو جائے اسی لئے لاہور ائیرپورٹ پر آتے ہی فرمایا، انتہا پسندی کی وجہ سے میں احتیاط کی وجہ سے وہ پاکستان واپس آیا ہے، یہ سب کہتے وہ شاید بھول گیا کہ پاکستانی اچھی طرح جانتے ہیں متعصبانہ رویہ رکھنے والے بھارتی میڈیا کی یلغار کے بعد کسی پاکستانی کے لئے ان دنوں بھارت میں کام کرنا ناممکن ہے اسی لئے تو بدنام زمانہ وینا ملک ابھی اچھے وقت کے انتظار میں دوبئی چلی گئی ہے۔

فلم نئی ہیروئین پرانی

آپ اسے اندھوں میں کانا راجہ کہیں یا کچھ اور سچ تو یہ ہے کہ ہمارے پاس سید نور کے علاوہ دور دور تک کوئی ایسا دکھائی نہیں دیتا کہ جس کے سہارے لولی ووڈ کی ڈوبتی نیا کنارے آ لگے، پنجابی فلموں اور ایک لمبے گیپ کے بعد شاہ جی اردو فلم بنانے کا فیصلہ کیا ہے ایسے وقت میں جب بھارتی فلمیں پاکستانی سینماؤں پر اپنا راج قائم کر چکی ہیں پاکستانی اردو فلم بنانا جنونی عملی لگتا ہے لیکن اگر پلٹ کر ماضی پر ایک نظر ڈالیں تو شاہ جی کا جنون خوب رنگ دکھاتا نظر آتا ہے سو امید واثق ہے کہ شاہ جی کی ''فرسٹ لو'' پاکستان سینما کے لئے انقلابی ثابت ہوگی۔

بس یہاں ایک بات کھٹکتی ہے کہ اگر شاہ جی نے فرسٹ لو جیسے یوتھ فل ٹائٹل میں بھی بیس سال قبل یوتھ ائیر گزار دینے والی صائمہ جی ہی یوتھ ہیرو کے ساتھ ہوئی تو فلم کا حشر کیا ہوگا، یہ آپ خوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

بول کے بعد بڑھے مول

عمیمہ ملک دھیمی مگر بہت اچھی اسپیڈ سے آگے بڑھ رہی ہے بول ہیروئین کا واقعی کوئی جواب نہیں اب تو اس کے بول کے ساتھ ساتھ مول (قیمت) بھی بڑھنے لگے ہیں بڑوں کے اس محاورے کو ''تول کے بول'' کو عمیمہ نے خوب یاد رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ بولی ووڈ مووی ''شیر'' کی تکمیل کے بعد اگر وہاں ڈیمانڈ بڑھی تو ''بول'' کے بعد لولی ووڈ میں بھی اب ہر کوئی عمیمہ کے ساتھ فلم بنانے کا خواہش مند ہے، لیکن عمیمہ نے صرف شان کے ساتھ کام کرنے کی حامی بھری ہے بقول عمیمہ کے وہ شان جیسے سپر اسٹار کے ساتھ کام کرنے کو بے چین تھی، یوں شان کی میگا پروجیکٹ ''اللہ اکبر'' میں عمیمہ نظر آئیں گی، شان کا کہنا ہے اس فلم کی مارکیٹنگ انٹرنیشنل لیول پر کی جائے گی۔

کہنے میں کیا حرج ہے

صلہ حسین کو اچھے کام اور خوب جم کر محنت کرنے کا کوئی خاص صلہ تو نہیں ملا، درجن بھر زیادہ ملی جلی فلمیں کرنے کے باوجود یہ بے بی اب تک وہیں ہے، جہاں سے چلی تھی، ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ فیس بک کی وجہ سے اس نے اتنے فینز بنا لئے ہیں جو درجن بھر فلموں سے بھی نہیں بن پائے، اس میں کوئی شک نہیں کہ صلہ فیس بک کا ہاٹ آئٹم ہے، چونکہ نیا نیا خبروں میں رہنے کا گر سیکھا ہے کبھی بیان جاری فرمایا کہ لالی ووڈ کی فارمولا فلموں میں کام نہیں کرے گی، اب بی بی سے یہ کوئی پوچھے فارمولا یا نا فارمولا یہاں فلمیں بنتی ہی کتنی ہیں جو وہ انتخاب کریں گی اور جو دو چار بن رہی ہیں اس کا انتخاب تم کیسے ہو سکتی ہو سو تمہارے ہاں یا ناں کا سوال تو بڑی دور کی بات ہے، تمہاری خواہش تو بالکل ایسے ہی ہے انسان پر لگا کر آسمان پر اڑنے کی بات کرے۔

فوزیہ شفیق

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں آپ کی سلامتی، عافیت اور خوشیوں کے لئے دعا گو ہیں۔

موسم سرما رخصت ہونے کو ہے، بہار کی دستک پر قدرت کی جلوہ گری، رنگوں میں ڈھل رہی ہے، موسم بدلتے رہتے ہیں، ایسے ہی حالات بھی بدل جاتے ہیں کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہے، لیکن قانون قدرت ہے کہ انسان کے لئے وہی ہے جس کے لئے اس نے کوشش کی، حالات بدلنے کے لئے کوشش اور جدوجہد کرنا پڑتی ہے، بھوک، افلاس بے روز گاری، بدامنی، خوف کے سائے اور ناگہانی آفات، مسائل کا ایک سلسلہ ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔

کٹھن حالات اور آزمائش بھی ہمارے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے، قدرت ان کے ذریعے ہماری سوچ کا نکھارنے اور ہمیں کندن بنانے کا کام لیتی ہے، اس میں شک نہیں کہ مسائل بہت ہیں، لیکن وسائل کی بھی کمی نہیں، بات صرف حوصلے اور یقین کی ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ طاقت جن کا خدا ہو وہ سر اٹھانے کا حوصلہ کہاں رکھتے ہیں۔

حکمرانی کی آرزو اور غلبہ حاصل کرنا طاقت کی فطرت ہے، لیکن تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ طاقت کے ذریعے نہ دل جیتے جا سکتے ہیں اور نہ کسی قوم کو بہت دیر تک غلام بنایا جا سکتا ہے۔

دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہم سب کو ہمارے ملک کو حفظ و امان میں رکھے اور جو لوگ اس ملک کی سلامتی کے لئے مذموم ارادے رکھتے ہیں ان کی نسبت و نابود کر دے امین۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا، بلکہ جب بھی دعا کریں پوری امت مسلمہ، خصوصاً اہل پاکستان کے لئے دعا کریں آج ہم امید و ناامیدی کے جس دوراہے پر کھڑے ہیں وہاں ہمیں دعاؤں کی بے حد ضرورت ہے۔

آیئے آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں ہمارے قارئین اپنی محبتوں کے پھول لفظوں کے ذریعے کس خوبصورتی سے بکھیر رہے ہیں۔

یہ پہلا خط ہمیں ہماری بے حد قابل احترام اور پیاری سی مصنفہ قرۃ العین رائے، شیخوپورہ کا ملا ہے وہ اپنی محبتوں کا اظہار کچھ یوں کرتی ہیں۔

کیا حال ہے آپ کا اور سب قارئین کا، اللہ آپ سب کو ہماری قومی بیماری یعنی زکام، کھانسی سے محفوظ رکھے جس کی لپیٹ میں سبھی آئے ہوئے ہیں آج کل، خط لکھنے کی اصل وجہ تشکرانہ جذبات کا اظہار تھا حسب حال میں نے کس قیامت کے یہ نامے پڑھنے سے آغاز کیا اور اب کی دفعہ تو مجھے قیامت کے ناموں نے حیران ہی کر ڈالا، ایمان فاطمہ بنت عمر فاروق آپ کا نام واقعی بہت خوبصورت ہے بہت شکریہ میرے افسانے کو اس قدر پسند کرنے کا اور آپ کو زلیخا کی سوچ اپنی سوچ لگی بہت خوب میرا کہانی لکھنے کا مقصد پورا ہو گیا کہ زندگی جوش سے نہیں ہوش سے گزارنی پڑتی ہے اور اپنے اچانک اُمڈ آنے والے جذبات کی طنابوں کو تحمل، برداشت اور صبر سے کھینچ کر ہی رکھنا چاہیے، عشاء بھٹی جیو ہزاروں سال آپ کے اس جملے نے تو مجھے معتبر کر ڈالا کہ ''آپ میری فیورٹ رائٹر'' ڈیئر بہت شکریہ کے آپ نے اتنی اچھی، بہترین لکھنے والی رائٹر کی فہرست میں مجھ اناڑی سی رائٹر کو بھی شامل رکھتی ہیں تعریف کا شکریہ۔

زرقہ طارق اور عذرہ طارق میرے دل سے بھی آپ کے لئے دعائیں نکلیں آپ کو افسانہ ''سمجھوتہ'' اس ماہ کا سب سے اچھا افسانہ لگا بہت بہت شکریہ یہ آپ ہی لوگ ہیں جن کے الفاظ ہمیں لکھنے پر مجبور کیے رکھتے ہیں کچھ عرصے سے مجھ پر یہ فیز آیا ہوا تھا کہ بس اب نہیں لکھنا دل تیار ہی نہیں ہو پا رہے تھے مجھے لگتا ہے کہ میں بہت اناڑی پن سے لکھتی ہوں اور میری ہر تحریر بہت بچکانہ پن لئے ہوتی ہے، شاید مجھے لکھنا ہی چھوڑ دینا چاہیے، لیکن آپ کی تعریف پڑھ کر بے حد خوشی اور حیرت ہوئی کہ اچھا واقعی اس قابل لکھ لیا کہ آپ جیسے صاف گو ذہین قارئین کے دل کو میری تحریر چھو گئی اور اسی تعریف نے ایک بار پھر مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ نہیں مجھے لکھتے رہنا چاہیے دل سے اور محنت سے۔

آپ سب اپنا بہت بہت خیال رکھیئے گا کیونکہ ہم ہمیشہ دوسروں سے اپنا خیال رکھنے کی امید رکھتے ہیں جو غلط ہے پہلے خود اپنا خیال رکھنا سیکھئے پھر دوسرے بھی رکھیں گے۔

قرۃ العین رائے، بہت ڈھیر ساری محبتیں آپ کے نام، آپ کے محبت بھرے الفاظ کے لئے میں دلی طور پر آپ کی ممنون ہوں اگرچہ آپ کے خط سے ہم نے وہ پیراگراف حذف کر دیا جس میں آپ نے ہمارے لئے اپنے جذبات کا اظہار کیا لیکن شکریہ تو بنتا ہے نہ اچھی تحریر اپنی پہچان خود کرواتی ہے آپ کے جذبات ان سطور کے ذریعے آپ کے چاہنے والوں تک پہنچائے جا رہے ہیں، سب کی محبتیں اور چاہتیں آپ کے نام، لیجئے جلدی سے ان کو سنبھالیں اور ہاں ان محبتوں کا شکریہ آپ گاہے بگاہے اپنی تحریریں بھیج کر ادا کرتی رہیے گا، ہم بھی خلوص کے دیئے روشن کیے ہمیشہ آپ کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

اجالا نور: ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں۔

آپی پچھلے سات سالوں سے ماہنامہ حنا کی خاموش قاری ہوں، سب سے پہلے ٹائٹل کی بات کروں گی، جہاں عائشہ عمر نہایت، خوبصورت لگ رہی تھی، جیولری تو بہت ہی پیاری تھی، جو اسے مزید دلکش بنا رہی تھی، اس کے بعد سردار انکل کی ''کچھ باتیں ہماریاں'' پڑھیں، انکل کی پر اثر گفتگو پڑھ کر بے ساختہ دل سے دعا نکلی کہ کاش ہمارے حکمران ملک کے ساتھ مخلص اور ایماندار ہو جائیں، آمین۔

حمد و نعت سے مستفید ہو کر ''پیارے نبی کی پیاری باتیں'' پڑھیں، جو کہ ہمیشہ کی طرح دل میں اتر گئیں اور میں نے ارشادات رسول اپنی ماما کو بھی پڑھنے کے لئے دیں، انہوں نے پڑھ کر کہا کہ ''ماہنامہ حنا معاشرے میں روشنی بکھیرنے کے ساتھ ساتھ ذہنی شعور دینے کے علاوہ عوام کو جہالت کے اندھیروں سے بھی نکال رہا ہے۔''

فوزیہ باجی! ماما آپ کو سلام بھی کہہ رہی ہیں، کہانیوں میں سمیرا گل کی ''ہجر کا آخری کنارہ'' بہت اچھی تھی، کیا یہ سمیرا عثمان گل ہیں؟ اس کے بعد اُم مریم کی ''تم آخری جزیرہ ہو'' پڑھی، اچھی تو جا رہی ہے مگر ان کے پچھلے ناول کی

بات ہی کچھ اور ہے۔
فوزیہ غزل صاحبہ کی کہانی کو موجود نہ پا کر جہاں مایوسی ہوئی وہاں وجہ جان کر بے ساختہ لبوں سے ان کی کلی صحت کی دعا نکلی، اللہ انہیں جلد صحت یاب کرے آمین۔

سندس جبیں کا طویل ناولٹ، ''کاسہ دل'' بہت ہی اچھا جا رہا ہے، پھر دوسرا مکمل ناول ''نیناں لکیاں بارشاں'' صبا جاوید کا بہت خوشگوار موڈ کے ساتھ پڑھنا شروع کیا، بہت مزے کی کہانی تھی، یقیناً آگے بھی بہت اچھی ہو گی، اس کے بعد افسانے پڑھے، جو کہ بہت اچھے تھے، خاص طور پر عشاء بھٹی کا افسانہ ''یہی تو اپنا پن'' بہت بہت اچھا لگا، مجھے اس میں ارحم اور وانیہ کی نوک جھونک مزہ دے گئی۔

فوزیہ احسان رانا کا افسانہ ''محبت کم نہیں ہو گی'' بہت بہت اچھا لگا۔

حمیرا خان کا افسانہ ''ملے جو تم سے'' خاصا طویل ہونے کے باوجود پسند آیا، جس میں حمیرا نے شاعری کا انتخاب بہت اچھا کیا، ویلڈن، سیمی کرن کا افسانہ ''وہ اک کسک سی'' پڑھا، جو بہتر تھا، مستقل سلسلوں میں صرف انشاء نامہ اور کس قیامت کے یہ نامے پڑھے جو کہ ہمیشہ کی طرح بہت عمدہ تھے۔

فوزیہ باجی! کتاب نگر سے جو کہ اچھا سلسلہ شروع کیا ہے، خبر نامہ تو ہوتا ہی اچھا ہے۔

حنا کا دستر خوان سے آئے دن میری ماما بھرپور استفادہ کرتی رہتی ہیں، ماہنامہ حنا کو خط بھجوانے کی آخری تاریخ کون سی ہے؟

اجالا نور (واؤ اتنا پیارا نام) اس محفل میں آپ کو خوش آمدید، فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ اپنی ماما کو ہماری طرف سے بھی ڈھیر ساری محبتوں کے ساتھ سلام ضرور پہنچایئے گا، اگر کبھی پرچے میں بائنڈنگ کی غلطی سے صفحات کا مسئلہ ہو جائے آپ اپنے قریبی بک اسٹال سے پرچہ بدل لیا کریں، سندس کے والد کا آرمی سے کوئی تعلق نہیں، جی سمیرا اگل کا مکمل نام سمیرا عثمان گل ہے، آپ کے شہر کا تعارف ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ وہاں ہماری ایک بے حد پیاری سی قاری اجالا نور رہتی ہیں جن کی مما بھی حنا کی دلدادہ ہیں، اپنی چاہتوں کا اظہار اپنی رائے کے ذریعے کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے، ٹھیک اپنے ساتھ اپنی مما کا بھی ڈھیر سارا خیال رکھیے گا شکریہ۔

زرقہ: لاہور سے لکھتی ہیں۔

فروری کا ماہنامہ حنا موصول ہوا تو سرورق پہ پہلی نظر پڑی، اس بار ٹائٹل کمال کا تھا، اس کے بعد باری حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں کی آئی، وہ تو ہمیشہ سے بیسٹ تھے اور بیسٹ ہی رہیں گے، اسلامیات اور انشا نامہ دونوں بے حد اچھے لگے، عائشہ عمر کا انٹرویو بھی ٹھیک لگا۔

سلسلے وار ناول میں اُم مریم کا ہی ناول تھا وہ اپنی کہانی اور رفتار میں سیم ہی ہیں، مکمل ناول میں سمیرا اگل اور صبا جاوید کی تحریریں تھیں، صبا جاوید کی تحریر اچھی تھی مگر لفاظی تھوڑی خاص نہیں لگی، کیونکہ انہوں نے کہانی کے کرداروں کے نام ہر جملے میں پورے پورے اور بے شمار دفعہ ریپیٹ کیے، ناولٹ میں ''کاسہ دل'' اور ''میری اک نظر'' بائے صدف اعجاز کمال کے تھے، صدف جی اس بار حنا کی شان ٹھہری ہیں، پچھلے ماہ عابی ناز کی تحریر نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا تھا مگر اس بار صدف اعجاز کے ناولٹ نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔

خاص طور پر تمہاری کہانی کا کردار ''ولی عادل'' میرا فیورٹ ٹھہرا، تمہارا مرکزی کردار ولی

اس دنیا پر اگیزسٹ بھی کرتا ہے کیا؟ بالکل صحیح کہا تم نے کہ جب ہم نیکی کریں تو ہمیں کسی اور دنیا کی عجیب و غریب مخلوق ہی گردانا جاتا ہے، افسانوں میں عابی ناز کی غیر موجودگی نے بہت اداس اور مایوس کیا۔

افسانوں میں اس بار ساجدہ تاج کی تحریر ٹاپ پر ہے، ساجدہ تاج نے نہایت مختصر مگر اتنا جامع اور پر اثر لکھا ہے۔

دوسرا نمبر ''خدا کرے میرے ارض پاک پر'' کی رائٹر نسرین خالد کا ہے، نسرین جی آپ کی کہانی اور اس کے اینڈ پر جو نظم تھی وہ بے مثل ہیں، آپ مزید بھی اسی طرح لکھ کر حنا کی شان میں اضافہ کرتی رہیے گا پلیز۔

اس مرتبہ عشاء بھٹی کی تحریر زیادہ اچھی نہیں تھی اور فوزیہ احسان رانا کی ''محبت کم نہیں ہو گی'' بھی کچھ خاص پسند نہیں آئی، سیمی کرن اور نازیہ ضیاء کی لفاظی بے حد پیچیدہ اور الجھی ہوئی تھی، مگر موضوع ٹھیک تھا، آپ دونوں بہت اچھی رائٹر ہو سکتی ہیں مگر الفاظ کا الجھاؤ اور فلسفہ تھوڑا کم ہو پلیز، سیمی کرن جی آپ کے لئے خاص دعا ہے۔

حمیرا خان کی تحریر بھی بے حد اچھی تھی۔
مستقل سلسلے بے نظیر تھے اس مرتبہ بھی ماہنامہ حنا شاندار رہا، ٹائٹل سے لے کر مستقل سلسلوں اور ناولٹ، ناولز سمیت افسانے بھی چند ایک کے سوا پرفیکٹ تھے، حنا سٹاف اور رائٹرز کے لئے ڈھیروں دعائیں پیش کرتی ہوں۔

زرقہ فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، جہاں آپ کی تعریف موصول ہوتی ہے وہاں ہم خوش ہوتے ہیں اور جہاں تنقید ملتی ہے وہاں ہمیں حنا کو مزید نکھارنے کا موقعہ ملتا ہے جس کے لئے ہم آپ سب دوستوں کے شکر گزار ہیں، اپنی دوست علیزہ کو ہمارا بھی سلام کہیے گا اور اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

عشاء بھٹی: ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں۔

سرورق پر تو عائشہ عمر قیامت ڈھا رہی تھیں عائشہ عمر نے تو دل ہی جیت لیا سرورق کو چار چاند لگا کر۔

آغاز سردار انکل کی ''کچھ باتیں ہماریاں'' سے کیا اور ان کی باتیں ہمیشہ کی طرح دل میں اتر گئیں، ویسے بھی انکل ہم معصوم عوام دعا کرنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتے ہیں، بس اللہ تعالیٰ حکمرانوں کو ہدایت دے آمین۔

عائشہ عمر سے ملاقات اچھی لگی کاشف بھائی نے کافی محتاط انداز میں سوالات کیے۔

سلسلے وار ناول میں اپنی فیورٹ فوزیہ غزل کو نا پا کر دل دھک سے رہ گیا، پھر ان کی طبیعت کی ناسازی کے بارے میں جان کر پریشانی ہوئی۔

فوزیہ غزل آپی! اپنی صحت کا خیال رکھا کریں، اللہ آپ کو اچھی صحت اور ڈھیروں خوشیاں عطا کرے آمین۔

پھر ڈرتے ڈرتے اُم مریم کے خفیہ جزیرے میں انٹر ہوئی جہاں نیلما چڑیل نے خواہ مخواہ پرنیاں شہزادی کے دل میں غلط فہمی ڈال دی، اور یہ ژ......ژالے صاحبہ کہاں گوشہ نشین ہو گئی ہے اور تیمور نام کا بھوت تو کافی عاشق مزاج نکلا ہے بھئی، اس سے پہلے اُم مریم جی کہ معاذ اور پرنیاں کے درمیان مزید غلط فہمیاں جنم لیں پلیز آپ دونوں کو جلد از جلد ایک کر دیں۔

مکمل ناول میں ”نیناں لکیاں بارشاں“ میں بھیگتی صبا جاوید سبقت لے گئیں۔

پیشگی مبارک باد صبا جاوید، اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

ناولٹ میں سندس جبیں کا ”کاسہ دل“ ٹاپ جا رہا ہے، سندس جی یہ حیدر عباس کہاں سے ٹپک پڑا پلیز کہانی میں کرداروں کی بھرمار نہ کریں علینہ شاہ بخت کے ساتھ ہی سوٹ کرے گی۔

صدف اعجاز کی اک نظر کافی تھی جو دل میں گڑھ کر رہ گئی، صدف جی! آپ کی کاوش ”میر اک نظر“ بہت اچھی لگی، آپ جب بھی آتی ہیں ہمیشہ کی طرح چھا جاتی ہیں۔

افسانوں میں نسرین خالد کا ”خدا کرے میرے ارض پاک پر“ ساجدہ تاج کا ”مس یوز“ نازیہ ضیاء کا ”ویلنٹائن ڈے“ سیمی کرن کا ”وہ اک کسک سی“ حمیرا خان کی کاوش بھی اچھی تھی سب سمیت۔

مستقل سلسلے بھی اچھے تھے اور خصوصاً ”کس قیامت کے یہ نامے“ میں فوزیہ آپی کی باتیں بہت اچھی لگی۔

عمارہ حامد کو محفل میں دیکھ کر بے پناہ خوشی ہوئی ڈیئر کبھی کبھی محفل میں شرکت کر لیا کرو، جن سے محبت ہو ان کے لئے وقت نکالنا چاہیے، مدیحہ تبسم، سباس گل کہاں ہیں؟ میں بہت مس کر رہی ہوں آپ لوگوں کو، قرۃ العین رائے آپ نے ناول کے ساتھ حاضری لگوائے انتظار رہے گا۔

عشاء بھئی خوش رہو آپ کی محبتوں بھرے اظہار رائے کا شکریہ، آپ کی فرمائش جلد پوری کریں گے، آپ کی رائے مصنفین تک پہنچائی جا رہی ہے مدیحہ تبسم کی جنت کو مکمل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ننھی سی پری بھیجی ہے آج کل وہ اسی میں مصروف رہتی ہیں انشا اللہ جلد اپنی تحریر کے ساتھ حنا میں نظر آئیں گی، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

شہباز راجپوت: گوجرانوالہ سے

فروری کے شمارے کا ٹائٹل بے حد خوبصورت تھا، حمد و نعت پسند آئے، سردار صاحب کی باتوں سے مستفید ہوئے، فوزیہ غزل کا ناول نہ پا کر مایوسی ہوئی، اللہ تعالیٰ ان کو صحت عطا کرے، اُم مریم کے ناول میں کوئی جان نہیں، ناولٹ ”کاسہ دل“ پسند آیا، افسانے بھی اچھے تھے، مستقل سلسلے کچھ خاص نہیں تھے، عائشہ عمر سے ملاقات اچھی رہی۔

شہباز صاحب! فروری کے لئے آپ کی رائے کا شکریہ، آپ کے پانچ صفحات میں سے یہ پانچ سطریں ایسی ہیں جن کو شائع کیا جا سکتا ہے، آپ جب بھی کسی تحریر یا سلسلے کے لئے تبصرہ لکھیں تو یہ سوچ کر لکھیں کہ آپ نے اپنی رائے لکھنی ہے، افسانہ نہیں، آپ کی آمد کا شکریہ۔

☆☆☆